موعظہ حسنہ
ڈپٹی نذیر احمد
ترتیب وتہذیب
ثوبان سعید

موعظہ حسنہ
ڈپٹی نذیر احمد
ترتیب و تہذیب
ثوبان سعید

موعظۂ حسنہ

(ڈپٹی نذیر احمد)

ترتیب و تہذیب

ثوبان سعید

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025

پہلی اشاعت : 2015
تعداد : 550
قیمت : -/185 روپے
سلسلۂ مطبوعات : 1855

Maueza-e-Hasanah
(Deputy Nazeer Ahmed)
Edited by: Sauban Sayeed

ISBN :978-93-5160-087-9

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی 110025 فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک۔8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 110066 فون نمبر: 26109746
فیکس: 26108159 ای۔ میل: ncpulsaleunit@gmail.com
ای۔ میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد، دہلی۔ 110006
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل

برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہردلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم و فنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تا کہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کر دی جائے۔

پروفیسر سید علی کریم
(ارتضیٰ کریم)
ڈائرکٹر

ترتیب

مقدمہ

اردو ادب کی تاریخ میں مولوی نذیر احمد کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی شخصیت بڑی پہلودار اور مختلف الجہات تھی۔ زبان وادب کے میدان میں ان کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ انھوں نے ناول لکھے، قرآن اور انگریزی کتابوں کے تراجم کیے، تعلیم وتدریس کی غرض سے بچوں کے لیے کتابیں تصنیف کیں۔ زبان، قواعد، صرف ونحو اور املانویسی کے موضوع پر رسالے لکھے، علمِ کلام، علمِ منطق اور مذہبی موضوعات پر بھی قابلِ قدر کتابیں قلم بند کیں۔ نظامِ حیدرآباد کو حکومت کے اصولوں سے واقف کرانے کی غرض سے رسالے تصنیف کیے۔ وہ شاعری کرتے تھے اور میدانِ خطابت کے بھی شہسوار تھے۔ علی گڑھ کالج کے لیے چندہ اکٹھا کرنے، اور سرسید کے تعلیمی مشن کو آگے بڑھانے کے لیے انھوں نے مختلف لکچر بھی دیے۔ انہی نذیر احمد نے اپنے بیٹے کو تعلیم دینے اور زندگی کے نشیب وفراز سے واقفیت بہم پہنچانے کی غرض سے مکتوب بھی لکھے، خصوصاً جب وہ ملازمت کے سلسلے میں اعظم گڑھ اور حیدرآباد میں مقیم تھے۔ اس طرح سے خطوط نگاری کی صنف میں بھی وہ اپنی جگہ محفوظ کر گئے۔

پیدائش

مولوی نذیر احمد کے سنہ پیدائش میں اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں کوئی قابلِ اعتماد مستند شہادت موجود نہیں۔ مولفِ 'حیات النذیر' نے گجمن نامی ایک پنڈت عالم کے تیار کردہ جنم پترے کی روشنی میں ان کی تاریخ پیدائش 6 دسمبر 1836 متعین کی ہے۔ نذیر احمد کے اس جنم پترے کی توثیق ان کے بڑے بھائی مولوی علی احمد نے کی تھی۔ 'تعزیراتِ ہند' کے ترجمے کے صلے میں نذیر احمد کا نام ڈپٹی کلکٹری کے لیے سرکار کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ جو نقشہ بھیجا گیا تو اس میں مولوی صاحب کی تاریخ ولادت 21/ستمبر 1833 درج کی گئی۔ سرکاری دستاویز کے اسی سالِ پیدائش کو مالک رام نے درست تسلیم کیا ہے۔

اگرچہ افتخار عالم مارہروی نے مختلف ثبوت اور دلائل کی بنیاد پر نذیر احمد کا سنہ پیدائش متعین کر دیا ہے لیکن خود 'حیات النذیر' میں بعض ایسی شہادتیں موجود ہیں جن کی روشنی میں ولادت کا یہ سال قابلِ تسلیم نہیں معلوم ہوتا۔ چند اقتباسات سے یہ بات مزید واضح ہو جائے گی:

> پدرِ بزرگوار نے جب بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو مکتب سے اٹھالیا اور فارسی کی متداول کتابیں بیٹے کو خود پڑھائیں۔ انھی کتابوں میں مینا بازار، پنج رقعہ اور سہ نثرِ ظہوری شامل تھیں... ہمارے مولانا نو برس تک برابر اپنے والد کی نگرانی میں تعلیم پاتے رہے۔[1]

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

> اب دونوں بھائیوں کی تعلیم مولوی نصر اللہ خاں صاحب سے ہونے لگی... غرض ہمارے مولانا نے وہاں پانچ برس کے عرصے میں نحوِ عربی میں شرح ملا تک، اور منطق میں تہذیب اور میر قطبی، اور فلسفے میں میبذی تک پڑھا۔[2]

---

1. حیات النذیر، ص 14
2. حیات النذیر، ص 15

مولوی نصراللہ خاں کا تبادلہ جب اعظم گڑھ ہوگیا تو انہی کے مشورے سے مولوی سعادت علی اپنے دونوں لڑکوں کو لے کر دلی پہنچے، اور وہاں مولوی عبدالخالق صاحب کے مدرسے میں داخل کرادیا۔ اس طرح مولوی نذیر احمد اپنے بھائی کے ساتھ پنجابی کٹڑے کی مسجد میں رہنے لگے۔ اس مسجد میں مولوی صاحب کا قیام کتنے دنوں تک رہا، معلوم نہیں؛ البتہ ان کے ایک اقتباس سے کچھ روشنی حاصل کی جاسکتی ہے، انھوں نے لکھا ہے:

> جس جس پہلو سے میں اس وقت کو یاد کرتا ہوں جب کہ پنجابی کٹڑے کی مسجد میں تھا تو پاتا ہوں کہ میری ساری عمر میں بدترین وقت تھا، اور اگر اس کو چار پانچ برس کا بھی امتداد ہوتو میں دنیا اور دین دونوں طرف سے تباہ ہولیا تھا۔[3]

اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ مولوی صاحب پنجابی کٹڑے کی مسجد میں کم از کم دو برس، اور زیادہ سے زیادہ تین برس تک قیام پذیر رہے تھے۔ اس مسجد سے نکل کر مولوی صاحب نے دہلی کالج میں داخلہ لیا تھا۔ 'حیات النذیر' میں لکھا ہے:

> آخرکار جنوری 1845 میں کالج کھلنے کے بعد اپنا نام داخل کرالیا۔[4]

ان مختلف بیانات کی روشنی میں سالِ ولادت 1836 قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر نذیر احمد نے ابتدائی نو برس والد کی معیت میں، اور پانچ برس ڈپٹی نصراللہ کی سرپرستی میں، اور پنجابی کٹڑے کی مسجد میں دو برس بھی گزارے، اور سالِ ولادت 1836 تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ دہلی کالج میں 1852 میں داخل ہوئے ہوں گے۔ اگر دہلی کالج میں داخلے کا سال 1845 کو مانا جائے گا تو پھر 1836 کو سالِ ولادت تسلیم نہیں کیا جاسکے گا۔

یہ بات معلوم ہے کہ جب نذیر احمد ڈپٹی نصراللہ خاں کی شاگردی میں گئے تھے تو

---

3. مشاہیر کی آپ بیتیاں، عظیم الشان صدیقی، ص 60
4. حیات النذیر، ص 20

وہ بجنور میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر مامور تھے۔ مولانا فرید احمد غازی پوری نے اپنے تذکرے 'بیاضِ جانفزا' میں بجنور میں نصراللہ خاں کے منتقل ہونے کا سال 1839 بتلایا ہے، اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہاں ان کا قیام دو برس تک رہا۔ وہ فرماتے ہیں:

> ڈپٹی نصراللہ 1839 میں تبدیل ہوکر بجنور آئے۔ بجنور میں دو سال قیام رہا۔ 1841 میں مظفر نگر تبدیل ہوئے۔ ماہ مئی 1842 میں رخصت لے کر اپنے ماموں فتح خاں صاحب کے پاس اعظم گڑھ تشریف لے گئے۔[5]

اس سنہ کا اگر اعتبار کیا جائے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نذیر احمد نے محض تین چار سال کی عمر میں اپنے والد سے مینا بازار، پنج رقعہ وغیرہ کتابیں پڑھ ڈالی تھیں، اور یہ ناممکنات میں سے ہے۔

سالِ ولادت کے سلسلے میں نذیر احمد کی آمدِ دہلی کا سال بھی اہمیت رکھتا ہے۔ کسی تذکرہ نگار یا سوانح نگار نے نذیر احمد کی دہلی آمد کا سال نہیں لکھا۔ البتہ نذیر احمد کے ایک بیان سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ دہلی کس سال پہنچے تھے۔ اپنے ایک لکچر میں وہ فرماتے ہیں:

> ...یہاں مجھ کو لاکر والد نے پنجابی کٹرے کی مسجد میں چھوڑ دیا۔ اب تو وہ محلے کا محلہ ریل میں آگیا مگر 1842-1843 میں، جس کا یہ مذکور ہے، پنجابی سوداگر اس میں آباد تھے۔[6]

ان شواہد کی روشنی میں یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ نذیر احمد 1842 تک ڈپٹی نصراللہ سے تعلیم پاتے رہے۔ 'بیاضِ جانفزا' کے مولف کا بھی یہی خیال ہے۔ ڈپٹی صاحب کے اعظم گڑھ منتقل ہوجانے کے بعد نذیر احمد اسی سال خود بھی دہلی چلے آئے۔ دوسری بات یہ کہ انھوں نے ڈپٹی صاحب سے پانچ برس نہیں بلکہ تین برس تک تعلیم

5. بیاضِ جانفزا، ص39

6. لکچروں کا مجموعہ، جلد دوم، ص414

پائی تھی، کیونکہ دونوں اضلاع (بجنور، مظفرنگر) میں ان کا قیام 1842-1839 تک تھا۔

ڈپٹی نصراللہ سے تعلیم حاصل کرنے سے قبل وہ اپنے والد کی سرپرستی میں تھے، اور نو برس تک ان سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ گویا دہلی آمد کے وقت نذیر احمد کی عمر بارہ برس تھی۔ اس کی تصدیق ایک اور جگہ سے ہوتی ہے، مرزا فرحت اللہ بیگ نے لکھا ہے:

> گو، میری عمر بارہ سال کی تھی، مگر قد چھوٹا ہونے کی وجہ سے نو دس برس کا معلوم ہوتا تھا۔[7]

یہاں مزید ایک نکتے کو ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس زمانے میں، بلکہ بہت بعد تک بھی، مسلمان عموماً ہجری سال سے واقعات کا حساب لگایا کرتے تھے۔ یہ معلوم ہے کہ ہجری سال عیسوی سال کے مقابل ہر سال دس دن کم شمار کیا جاتا ہے، یعنی ہجری سال 355 ایام پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس روشنی میں 1842 مطابق ہے ذی الحجہ 1257ھ سے ذی قعدہ 1258ھ تک۔ ڈپٹی نصراللہ مئی 1842 تک مظفرنگر میں موجود تھے۔ گویا، ان کے رخصت ہونے کے بعد 1842 کے وسط میں نذیر احمد دہلی آئے ہوں گے، اور یہ مطابق ہے وسطِ 1258ھ کے۔ 1258ھ سے اگر بارہ برس (جو نذیر احمد کی ورودِ دہلی کے وقت عمر تھی) نکال دیے جائیں تو 1246ھ آتا ہے اور یہ سال مطابق ہے جون 1830 سے مئی 1831 تک۔ اس لیے اب اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی کہ نذیر احمد کا سالِ ولادت 1836 قطعاً نہیں ہے۔ سرکاری دستاویز کے مطابق ان کی تاریخ ولادت 21/ستمبر 1833 ہے، اور ولادتِ حقیقی کا سال 1246ھ ہے جو دو عیسوی سنین 31-1830 کو محیط ہے۔

وطن، خاندان

نذیر احمد کی پیدائش ریہڑ، پرگنہ: افضل گڑھ، تحصیل: نگینہ، ضلع: بجنور میں ہوئی تھی۔ ریہڑ ان کا ننھیال تھا، جہاں ان کے والد مولوی سعادت علی خانہ داماد کی حیثیت سے رہتے

7. نذیر احمد کی کہانی...، فرحت اللہ بیگ، ص42

تھے۔ مولوی نذیر احمد کے نانا قاضی غلام علی شاہ ایک مرفہ حال بزرگ تھے۔ ان کے انتقال کے بعد جب خاندانی تنازعات نے سر اٹھایا تو نذیر احمد کے والد نے (جو ایک خدا ترس اور وضع دار شخصیت کے مالک تھے) ریہڑ سے ترکِ مکانی کرلی اور مستقل طور سے اپنے آبائی وطن بجنور میں آباد ہوگئے تھے۔ اس طرح سے مولوی صاحب کا وطن بجنور ہی تھا۔ خود فرماتے ہیں:

بجنور میرا مولد نہیں، وطن اقامت نہیں، بلکہ وطن اصلی ہے[8]

بعد میں جب تعلیم اور شادی کی وجہ سے دہلی میں مستقل طور سے قیام کرنا پڑا تو انھوں نے دہلی کو اپنا وطنِ ثانی بنالیا۔ اگرچہ دہلی اور باشندگانِ دہلی کی طرف سے ان کو اطمینان اور اعتماد کبھی نہیں رہا۔ فرماتے ہیں:

تمھارا دہلی سے نفرت کرنا تمھارے حق میں ایک فالِ نیک ہے۔ اور جس کو خدا نے عقل وغیرت وحمیت دی ہوگی، ضرور ہے کہ وہ اہلِ دہلی کے اوضاع وعادات کو ناپسند کرے... اب ذرا بجنور والوں کی غیرت کو دیکھو کہ مولوی... صاحب کا مجھ پر کتنا بڑا حق ہے، اور اگر آکر کھڑے ہوں تو میں ان کو ٹال نہیں سکتا... اور ان کے مقابل حضراتِ دہلی ہیں کہ عمر بھر دیتا رہا اور پھر بھی ان کے مزاج درست نہ ہوئے[9]

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

اگرچہ دہلی کے لوگ بے مروّتی سی کرتے ہیں، لیکن 'چہ تواں کرد مرد ماں اینند'[10]

اس کے باوجود وہ دہلی کی تعریف بھی کرتے ہیں اور اس کی مختلف خوبیوں، کمالات اور عظمت کے قائل ہیں:

---

8. حیات النذیر، ص4
9. موعظۂ حسنہ، خط 29
10. موعظۂ حسنہ، خط 54

دلی کو دوسرے بلادِ ہند پر ایک دینی فضیلت ہے۔ یہ امام ہے اور
دوسرے شہر مقتدی... اسلام کے اعتبار سے جو نسبت مکے مدینے کو
عرب سے ہے، وہی نسبت دلی کو ہندوستان سے ہے[11]

غرض انہی علمی کمالات واوصاف کی وجہ سے انھوں نے دہلی کو اپنا وطنِ ثانی بنایا۔ اور یہ لاحقہ ان کے خاندان کے نام کا جز بن گیا۔ چنانچہ مشہور خاکہ نگار شاہد احمد کو اگر شاہداحمد دہلوی نہ لکھا جائے تو تعارف نامکمل رہ جاتا ہے۔ شاہد احمد دہلوی نذیر احمد کے پوتے تھے۔

نذیر احمد کا سلسلۂ نسب نویں پشت میں شاہ عبدالغفور اعظم پوری (چاند پور، بجنور) سے ملتا ہے۔ یہ شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے نامور خلفا میں سے تھے۔ اس خاندان میں پیری مریدی کی روایت تھی۔ پانچویں پشت میں شیخ ابوالفضل اس سلسلے کی رعایت سے پیر فضل کے نام سے معروف تھے، اور ان کا محلّہ 'پیرزادوں کا محلّہ' کہا جاتا تھا۔ نذیر احمد کے ننھیال کے لوگ شاہی عہدۂ قضا پر مامور رہے تھے۔ غرض خاندانی حالت دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ علم ان کے خاندان کے تمغائے شرافت رہا ہے۔ ہندوستان میں مروّجہ براورانہ نظام کی رو سے نذیر احمد 'شیخ صدیقی' تھے۔

تعلیم، شادی، اولاد، ملازمت:

نذیر احمد نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی سعادت علی سے حاصل کی۔ یہ ایک وضع دار اور پابندِ شرع بزرگ تھے، اور فارسی عربی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔قرآن مجید پڑھانے کے بعد نذیر احمد کو داخلِ مکتب کیا گیا لیکن مکتب کا تعلیمی نظام اور ماحول غیر تسلی بخش ہونے کی وجہ سے ، ان کے والد نے خود ہی تعلیم دینا شروع کیااور فارسی کی متداول کتابیں پڑھائیں۔ یہ سلسلہ نو برس تک جاری رہا۔ پھر ان کے والد نے انھیں اور ان کے بڑے بھائی مولوی علی احمد کو ڈپٹی نصراللہ خاں کی شاگردی میں دے دیا۔ نصراللہ خاں

11. حیات النذیر، ص4

بذاتِ خود ایک فرض شناس اور بیدار مغز حاکم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دین دار اور باشرع مسلمان تھے۔ نذیر احمد نے تین برس تک فارسی ادب، فلسفہ اور منطق کی ابتدائی کتابیں پڑھ ڈالیں، اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی حاصل کرتے رہے جو تعلیم کا جوہر اصلی ہوا کرتی ہے۔

ڈپٹی صاحب جب اعظم گڑھ روانہ ہونے لگے تو ان کے مشورے سے مولوی سعادت علی نے اپنے دونوں بیٹوں کو دہلی لاکر مولوی عبدالخالق کے سپرد کردیا۔ ورودِ دہلی کا واقعہ نذیر احمد کی زندگی میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ دہلی میں وہ پنجابی کٹرے کی مسجد میں رہتے تھے اور گدایانہ زندگی ان کا مقدر تھی۔ غالباً دو برس رہے ہوں گے کہ اتفاقاً بالکل ڈرامائی انداز سے 1845 میں دہلی کالج کی دوسری جماعت میں داخلہ مل گیا، اور چار روپیہ وظیفہ مقرر کردیا گیا۔

نذیر احمد کو ایک طرف مسجد کی گدایانہ زندگی سے نجات ملی اور دوسری طرف دہلی کالج جیسے قدیم و جدید کے سنگم، اور ملک کے بہترین دماغوں کے مرکز میں تعلیم پانے کا موقع ملا، جس نے نذیر احمد کی مستقبل کی راہوں کا تقریباً تعین کردیا تھا۔ کالج کی تعلیم نے نذیر احمد کی زندگی میں نمایاں تبدیلی پیدا کی۔ اس کے ذریعہ وہ نئے زمانے کے مطالبات، نئی اقدار اور نئے نظامِ تعلیم سے واقفیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے، جس کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ اس امر کا اعتراف انھوں نے خود کیا ہے:

> اگر میں کالج میں نہ پڑھتا ہوتا تو میں بتاؤں کیا ہوتا؟ مولوی ہوتا تنگ نظر، متعصب اور اکھل کھرا۔ اپنے نفس کے احتساب سے فارغ، اور دوسروں کے عیوب کا متجسس برخود غلط... تقاضائے وقت کی طرف سے اندھا بہرا[12]

دہلی کالج میں تعلیم کے دوران دو بڑے واقعات پیش آئے۔ ایک تو ان کے والد کا انتقال ہوگیا، جس کے بعد گھر کی کفالت کی پوری ذمہ داری نذیر احمد اور ان کے بھائی کے

12. حیات النذیر، ص 34

کندھوں پر آگئی۔ دونوں بھائیوں نے ان سخت حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا، اور اپنے وظیفے کی رقم سے گھر کی کفالت کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ اضافی محنت کی بدولت مزید کچھ رقم کا بھی انتظام کرلیا جاتا تھا۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ 51-1850 میں نذیر احمد نے شادی کرلی۔ مولوی عبدالخالق کے بڑے صاحب زادے مولوی عبدالقادر کی بیٹی صفیۃ النسا سے ان کا عقد ہوا۔ یہ وہی خاتون تھیں نذیر احمد جنھیں بچپن میں پنجابی کٹڑے کی مسجد میں قیام کے دوران گود کھلایا کرتے تھے۔

چونکہ نذیر احمد نے پہلی شادی اپنی مرضی سے کی تھی اور اس میں بجنور والے شامل نہیں ہوئے تھے۔ ان کی والدہ اس شادی سے خوش نہیں تھیں۔ چنانچہ بہت بعد یعنی 1888 میں ماں کے بے حد اصرار پر انھوں نے دوسری شادی بجنور میں کی۔ یہ شادی کامیاب نہ ہوئی اور جلد ہی مفارقت ہوگئی۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ نذیر احمد نے 1885 میں 'فسانۂ مبتلا' تصنیف کیا تھا، جس کا موضوع تعددِ ازدواج کی مخالفت تھا۔ قسمت کی ستم ظریفی کہ نذیر احمد کو خود اس آزمائش اور تلخ تجربے سے دوچار ہونا پڑا۔

نذیر احمد کثیر الاولاد تھے، لیکن بدقسمتی سے زیادہ تر بچے کم عمری میں فوت ہوگئے۔ ایک بیٹا سات برس کا ہو کے ہیضے میں مرا۔ بیوی صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ... پس اب اگر مرگئی تو کیا تمھاری اکیلی کی بیٹی مری؟ نہیں میری تمھاری دونوں کی۔... ظہیر نصیر وغیرہ کے مرنے سے تو بخوبی تجربہ کرچکے کہ موت پر انسان کا کچھ اختیار نہیں چلتا۔[13]

ان کی تین اولادیں حیات رہیں، جن میں دو بیٹیاں اور اکلوتے بشیر الدین احمد شامل تھے۔ بڑی لڑکی سکینہ بیگم مشہور عالمِ حدیث مولوی سید احمد حسن کی شریکِ حیات تھیں اور حیدرآباد میں فوت ہوئیں۔ دوسری بیٹی صغریٰ بیگم مولوی شرف الحق کے گھر میں تھیں۔ یہ دونوں حضرات نذیر احمد کے ساتھ حیدرآباد سرکار میں ملازم تھے۔

نذیر احمد 1854 تک دہلی کالج میں زیرِ تعلیم رہے۔ اسی سال پنجاب کے ضلع

13. موعظۂ حسنہ، خط 26

گجرات میں سر رچرڈ ٹمپل (ڈپٹی کمشنر مدارس، پنجاب) نے سررشتۂ تعلیم جاری کرنا چاہا، انھوں نے دہلی سے چھ مدرسین طلب کیے۔ ابتدائی بعض دشواریوں کے بعد نذیر احمد بھی پنجاب پہنچے اور چالیس روپے ماہوار تنخواہ پر سرکاری ملازم ہو گئے۔ پنجاب تہذیبی اعتبار سے ایک مختلف علاقہ تھا، اس لیے نذیر احمد کا دل وہاں نہیں لگا، چنانچہ کوشش کر کے دو برس کے بعد یہیں سے اسّی روپے ماہوار پر ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہوکر کانپور چلے آئے۔ یہاں کپتان فلر سے (جو انسپکٹر مدارس تھے اور فوجی آدمی تھے) نذیر احمد کی نہیں بنی اور بالآخر استعفا دے دیا۔ اسی دوران 1857 کا حادثہ پیش آ گیا۔ نذیر احمد بہ دقتِ تمام دہلی پہنچے۔ اسی دوران انھوں نے ایک انگریز میم مسز لیسن کی جان بچائی تھی۔ شورش کے فرو ہونے کے بعد جب دار و گیر کا سلسلہ شروع ہوا تو نذیر احمد کی یہ جرأت مندی بہت کام آئی۔ چنانچہ انگریز حکومت نے اسی خدمت کے صلے میں ان کے اور اہلِ خاندان کے ساتھ خاص رعایت برتی۔ نہ صرف جاں بخشی ہوئی بلکہ بعد میں حکومت تک رسائی کا وسیلہ بھی ثابت ہوئی۔

چند دنوں کے بعد ڈائرکٹر تعلیمات ہنری اسٹوارٹ ریڈ نے نذیر احمد کو سو روپے ماہانہ پر ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر مامور فرما کر الہ آباد بھیج دیا۔ یہیں پر انھوں نے انگریزی زبان سیکھی۔ دراصل دہلی کالج میں نذیر احمد اپنے والد کی مخالفت کی وجہ سے انگریزی زبان نہیں سیکھ سکے تھے۔ الہ آباد میں عبداللہ خاں امینِ عدالت سے انھوں نے انگریزی زبان سیکھی، اور ذاتی مطالعے، دل چسپی اور کوشش سے اس میں دستگاہ پیدا کر لی۔

الہ آباد میں قیام کے دوران نذیر احمد کو انکم ٹیکس ایکٹ کے ترجمے کی ذمہ داری سونپی گئی اور اس کے بعد وہ انڈین پینل کوڈ (تعزیراتِ ہند) کے ترجمے میں شریک ہوئے۔ اس ترجمے کو کامیابی کے ساتھ مکمل کرنے پر انھیں انعام سے نوازا گیا۔ ایک طلائی گھڑی، جس پر ان کا نام کندہ تھا، ولایت سے منگوا کر دی گئی اور عہدے میں ترقی کرتے ہوئے کانپور کا تحصیل دار مقرر کیا گیا۔

1861 میں نذیر احمد تحصیل دار مقرر ہوئے تھے، اور دو برس کے بعد 1863 میں

ڈپٹی کلکٹر بنادیے گئے۔ نذیر احمد نے دونوں امتحانات اپنی لگن، محنت اور کوشش سے اول درجے میں پاس کیے۔ اس دور میں انگریزی حکومت میں ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ ہندوستانیوں کی ترقی کی معراج سمجھا جاتا تھا۔ نذیر احمد ڈپٹی کلکٹری کے عہدے پر رہتے ہوئے مختلف شہروں میں ملازمت کرتے رہے۔ پہلے کانپور، پھر گورکھپور، اس کے بعد جالون، دوبارہ گورکھپور اور یہاں سے ان کا تبادلہ اعظم گڑھ ہوگیا۔ 1877 تک، جب تک وہ ملازمت کے سلسلے میں حیدرآباد روانہ نہیں ہوگئے، اعظم گڑھ میں ان کا قیام تھا۔ یہاں نذیر احمد چارسال ڈپٹی کلکٹر تھے۔

نذیر احمد جب گورکھپور میں تعینات تھے تو مسٹر لپور ون صاحب نے قانونِ شہادت پر انگریزی زبان میں ایک عالمانہ متن لکھا تھا، اس کا ترجمہ نذیر احمد نے کیا تھا۔ اعظم گڑھ میں 'گولڈنز ہیوز' کی کتاب کا ترجمہ 'سماوات' کے نام سے کیا۔ اسی کتاب کی شہرت نے انھیں حیدرآباد سرکار نظام تک پہنچایا۔

نذیر احمد سرسالار جنگ کی ایما پر، سرسید اور محسن الملک کی تقریب سے، اور کتاب 'سماوات' کی بدولت حیدرآباد پہنچے تھے۔ وہاں ان کی تنخواہ ایک ہزار دو سو چالیس روپے مقرر ہوئی، اور ناظمِ بندوبست کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ان کے حسنِ انتظام سے متاثر ہوکر سالار جنگ نے صدر تعلقہ داری دینے کا اعلان فرمایا۔ نذیر احمد بعض مصلحتوں کی بنیاد پر ناظم بندوبست اور منصرمِ تعلقہ دار کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ بعد میں صدر تعلقہ دار کے منصب سے ترقی دے کر مجلس مال گزاری کا ممبر (ممبر بورڈ آف رونیو) نامزد کردیا گیا، لیکن شخصی حکومتوں میں حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہوتے ہیں۔ آسمان پر پہنچ جانا اور تحت الثریٰ میں گر جانا چشم زدن کا کھیل ہے۔ سالار جنگ کے انتقال کے بعد حالات مزید ابتر ہونے لگے۔ سازش کا بازار گرم ہوا۔ جب انھوں نے زمانے کے یہ رنگ ڈھنگ دیکھے تو جھٹ استعفا دے دیا۔ اور اس طرح آٹھ برس تک سرکار نظام میں خدمت انجام دینے کے بعد پنشن لے کر دہلی چلے آئے، ان کی پنشن چھ سو روپیہ مقرر کی گئی تھی۔ دہلی واپسی کے بعد ان کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے، جو تصنیف و تالیف،

عوامی زندگی اور مختلف علمی اور کاروباری سرگرمیوں سے عبارت ہے۔

انعام اور خطاب

سرکارِ انگریزی کی پالیسی کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ وہ بہترین کاموں اور تصانیف پر انعامات اور خطابات سے نوازتی تھی۔ چنانچہ نذیر احمد کو بھی خدمات کے صلے میں، اور مختلف تصانیف کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر انعامات سے نوازا گیا تھا۔ اس سلسلے کا پہلا انعام ایک گھڑی کی شکل میں، جس پر نذیر احمد کا نام کندہ تھا، 'انڈین پینل کوڈ' کے ترجمے کے صلے میں دیا گیا۔ اس کے بعد متعدد کتابوں پر انعامات ملتے رہے، چنانچہ 'مرآۃ العروس' پر ہزار روپیہ نقد اور ایک گھڑی عنایت ہوئی۔ 'بنات النعش' اور 'مبادی الحکمت' پر پانچ پانچ سو روپیہ، اور علمِ ہیئت کی کتاب 'سماوات' پر پانچ سو روپیہ کا انعام حاصل ہوا۔

انعام کے علاوہ کئی خطابات سے بھی نوازے گئے۔ اس سلسلے میں سرکارِ انگریزی نے سب سے پہلے 22/جون 1897 کو شمس العلما کے خطاب سے نوازا۔ 2/اپریل 1902 کو اڈنبرا یونیورسٹی کی طرف سے ایل. ایل. ڈی. کی اعزازی ڈگری سے سرفراز کیے گئے۔ دسمبر 1910 میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ڈی. او. ایل. کی اعزازی ڈگری تفویض ہوئی۔

مرض الموت اور وفات

سرسالار جنگ کی وفات جنوری 1883 میں ہوئی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد جب حیدرآباد میں سیاست اور سازشوں کی گرم بازاری ہوئی تو نذیر احمد استعفا دے کر دہلی چلے آئے، اور علمی اور کاروباری مصروفیات میں خود کو مشغول کرلیا۔ رفتہ رفتہ بڑھتی عمر کے اثرات جسم پر ظاہر ہونے لگے۔ ہاضمے کی شکایت، ضعفِ بصارت، رعشہ اور کپکپی جیسے امراض نے جسم کو کمزور کردیا۔ اسی دوران 27/اپریل 1912 کو رات کے بارہ بجے فالج کا حملہ ہوا، جس نے ایک پاؤں اور ایک ہاتھ کو تو بالکل ناکارہ کردیا۔ فالج کے اثر سے زبان بھی چلنا بند ہوگئی، بالآخر ایک کامیاب اور مجاہدانہ زندگی بسر کرنے کے بعد 3-4 مئی کی

درمیانی شب میں انتقال فرمایا۔ 4/مئی کو خواجہ باقی باللہ کے قبرستان میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں آسودۂ خاک کیے گئے۔

تصنیف وتالیف

مولوی نذیر احمد نے الہ آباد میں ڈپٹی انسپکٹری کی ملازمت کے دوران بعض انگریزی کتابوں کے ترجمے کیے تھے۔ یہ ترجمے بہت کامیاب ثابت ہوئے تھے۔ ان سے مولوی صاحب کو اپنی قوتِ تحریر اور انگریزی دستگاہ کا علم ہوا۔ لیکن مستقل تصنیف سے ابھی ان کا دامن خالی تھا۔ جب مولوی صاحب کے بچے تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہوئے اور انھوں نے اسکولوں اور مکاتب کے نصاب پر نظر دوڑائی تو سخت مایوسی کا سامنا ہوا۔ کتابیں ایسی جن سے بچوں کو شوق کے بجاے وحشت ہو۔ غیر متعلق مضامین اور غیر ضروری مسائل سے کتابیں بھری پڑی تھیں۔ چنانچہ بچوں کی تعلیم کے لیے انھوں نے خود رسالے تصنیف کرنے کا بیڑا اٹھایا، اور پے در پے چند ابتدائی کتابیں تصنیف کرڈالیں۔ ان کی کتابوں کی فہرست درجِ ذیل ہے:

مرآۃ العروس: اردو کا یہ پہلا ناول 1869 میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب پر گورنمنٹ کی طرف سے ایک ہزار روپیہ اور ایک کیرج کلاک بہ طورِ انعام عطا ہوا تھا۔ کتاب کا موضوع تعلیمِ نسواں اور امورِ خانہ داری ہے۔

منتخب الحکایات: یہ کتاب چھوٹی بیٹی کے لیے 1869 میں لکھی گئی تھی۔ اس کا موضوع پند ونصیحت ہے۔

چند پند: میاں بشیر کے لیے 1869 میں ضلع جالون میں یہ رسالہ تصنیف کیا گیا جس کا موضوع بچوں کی تعلیم وتربیت ہے۔

مبادی الحکمت: 1870 کے آس پاس گورنمنٹ کے ایک اشتہار سے حوصلہ پا کر نذیر احمد نے انگریزی اور عربی اصولِ منطق کی روشنی میں یہ رسالہ مبتدیوں کے لیے تحریر کیا تھا۔ گورنمنٹ نے پانچ سو روپیہ کا انعام مصنف کو مرحمت فرمایا۔

بنات النعش: مرآۃ العروس کے تین برس بعد 1872 میں یہ کتاب تصنیف کر کے گورنمنٹ میں پیش کی گئی۔ اس پر پانچ سو کا انعام ملا تھا۔ اس کا موضوع تعلیمِ اخلاق، ترتیبِ خانہ داری اور معلوماتِ عامہ ہے۔

توبۃ النصوح: اس ناول کا موضوع تربیتِ اولاد اور اصلاحِ خاندان ہے۔ نذیر احمد کے ناولوں میں شہرت اور مقبولیت سب سے زیادہ اسی کے حصے میں آئی۔ قیامِ اعظم گڑھ کے دوران یہ کتاب تصنیف ہوئی، اور 1877 میں شائع ہوئی تھی۔ اسی دوران انھوں نے 'سرلمز ہیونز' کا ترجمہ 'سماوات' کے نام سے کیا تھا، جس کا موضوع علمِ ہیئت تھا۔

ما یغنیک فی الصرف: علمِ صرف میں مختصر رسالہ ہے۔ مولفِ 'حیات النذیر' لکھتے ہیں:
''یہ کتاب مولانا نے 1892 میں تصنیف فرمائی اور 1893 میں چھپ کر شائع ہوئی'' 14.
یہ بات درست نہیں ہے۔ مولوی صاحب ایک خط مورخہ 3/ اگست 1876 میں تحریر فرماتے ہیں: ''ما یغنیک فی الصرف کے پروف عنقریب آنے والے ہیں، میں ان کو تمھارے پاس بھیجتا ہوں''[15] اس روشنی میں یہ کتاب 1876 کی تصنیف مانی جائے گی۔

رسم الخط: ایک مختصر رسالہ جس میں املا نویسی اور خوش خطی کے قواعد تحریر کیے گئے ہیں۔ چونکہ اس میں املا اور اصولِ املا کو موضوع بنایا گیا ہے، نذیر احمد کی تحریروں پر کام کرنے والوں کے لیے مفید رسالہ ہے۔ یہ 1877 کی تصنیف ہے۔

نصابِ خسرو: بچوں کو فارسی زبان سکھانے کی غرض سے 1877 میں لکھی گئی۔ یہ علاحدہ کوئی تصنیف نہیں بلکہ خالقِ باری کی ترمیم شدہ شکل ہے۔

صرفِ صغیر: فارسی قواعد کا مختصر رسالہ ہے۔ یہ بھی 1877 کی تصنیف ہے۔ نثر کے علاوہ نظم کے پیرایے میں بھی قواعدِ زبان کو پیش کیا گیا ہے۔

فسانۂ مبتلا: یہ ناول 1885 میں شائع ہوا تھا۔ حیدرآباد سے واپسی کے بعد کی یہ پہلی تصنیف ہے۔ اس میں تعددِ ازدواج کے خراب نتائج کو دلچسپ پیرایے میں بیان کیا گیا

---

14. حیات النذیر، ص 199
15. موعظۂ حسنہ، خط 40

ہے۔ اس ناول کا دوسرا نام 'محصنات' ہے۔

ابن الوقت: 1888 کی تصنیف ہے۔ اس ناول میں وضع، لباس، طرزِ ماندوبود اور طرزِ تمدن میں مشرق ومغرب کے فرق کو واضح کرتے ہوئے ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں پر انگریزوں اور مغرب کی کورانہ تقلید کے نقصانات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ایامیٰ: اس ناول میں بیوہ عورتوں کے نکاحِ ثانی کی ضرورت کو ایک دلچسپ قصے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ بیوہ کے نکاحِ ثانی کے تعلق سے مسلمانوں کے اندر، اہلِ ہنود کی دیکھا دیکھی جو اثرات دخیل ہوگئے ہیں، ان کے زائل کرنے کی ترکیب بتائی گئی ہے۔

رویائے صادقہ: 'حیات النذیر' میں لکھا ہے: ''یہ ناول نہیں بلکہ حقیقت میں ہمارے مولانا کے مذہبی عقائد کا ایک جامع مجموعہ ہے۔ اس میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ سچا اسلام بالکل عقل کے مطابق ہے، اور اس میں شکوک اور اشتباہات کو دخل نہیں ہوسکتا۔''[16]

ترجمۃ القرآن: قرآن کریم کا ترجمہ مولوی نذیر احمد نے ڈھائی برس کی شبانہ روز محنت کی بدولت 1312ھ میں کیا تھا۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ اردو کا پہلا بامحاورہ ترجمہ ہے، جس میں محاورات، روزمرہ، فصاحت اور نفاست کے ساتھ ساتھ قرآن کے تقدس کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

ادعیۃ القرآن: یہ قرآن سے ماخوذ دعاؤں کا مجموعہ ہے جس میں دعاؤں کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔ اسی طرح پنج سورہ کی طرز پر دو مختلف سورہ نامے ہفت سورہ اور دہ سورہ بھی ترتیب دیے گئے۔

الحقوق والفرائض: یہ کتاب انسانی زندگی خصوصاً اسلامی زندگی کا ایک نہایت جامع اور مکمل دستورالعمل ہے۔ اس کی تین جلدوں میں تقریباً ساڑھے چودہ سو موضوعات پر اسلامی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ موضوعات حیاتِ انسانی کے مختلف سماجی، علمی، مذہبی، اخلاقی اور تمدنی پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔

---

16. حیات النذیر، ص 310

ترجمہ دربارِ تاج پوشی: شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم نے جنوری 1903 کو دہلی دربار منعقد کیا تھا۔ اس کی مفصل روداد کو انگریزی سے اردو کے قالب میں ڈھالنے کا کام نذیر احمد نے کیا تھا۔ زبان کی خوبی اور ترجمے کی نفاست کی بدولت اس ترجمے پر طبع زاد تصنیف کا گمان ہوتا ہے۔ سرکار نے ایک ہزار روپیہ حق الترجمہ تجویز کیا تھا لیکن نذیر احمد نے برٹش گورنمنٹ کی وفادار رعایا کا حق ادا کرتے ہوئے یہ رقم واپس کردی۔

اجتہاد: اس کتاب میں اجتہاد سے خالص اسلامی اصول کو دلائلِ عقلی اور شواہد مسلمہ سے ثابت کیا ہے۔ کتاب میں مختلف موضوعات پر مشتمل پانچ سو چار مضامین میں اسلام کی حقانیت کو ثابت کرتے ہوئے اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔

امہات الامہ: اس کتاب کا موضوع تعددِ ازدواج ہے، اور اسی نسبت سے رسول اللہ کی ذاتِ بابرکات پر دشمنانِ اسلام کے رکیک حملوں کا جواب ہے۔ یہ کتاب 1909 میں منظرِ عام پر آئی تھی۔ اس کے بعض قابلِ اعتراض مضامین کی بنیاد پر مصنف کے اوپر کفر کا فتویٰ لگایا گیا، اور کتاب کی جلدیں سرِ بازار نذرِ آتش کی گئیں۔

ان مستقل تصنیفات کے علاوہ نذیر احمد نے مختلف مواقع پر لکچر دینے کا اہتمام کیا تھا۔ یہ بھی کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ 1918 میں بشیرالدین احمد نے ان کے تمام لکچروں کو جمع کرکے دو جلدوں میں شائع کردیا تھا۔ ان لکچروں کی مجموعی تعداد چوالیس ہے۔ سرسید نے مولوی صاحب کی دو نظمیں 'مجموعۂ نظم بے نظیر' کے نام سے بڑے اہتمام سے چھپوائی تھیں۔ افتخار عالم مارہروی نے مولوی صاحب کی تمام اردو، عربی کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نظموں کو جمع کرکے اسی نام سے شائع کردیا۔ اس کے علاوہ ان کے خطوط کا مجموعہ بھی 'موعظۂ حسنہ' کے نام سے شائع کیا جاچکا ہے۔

کتاب کا نام

نذیر احمد کے خطوط کا یہ مجموعہ مولوی عبدالغفور شہبازؔ نے مرتب کیا تھا۔ وہ دیباچے میں لکھتے ہیں:

مولوی بشیر الدین احمد صاحب اپنے والد کے خطوط مجھ کو دکھایا
کرتے، اور میں ان کو نقل کرلیتا۔ خطوط میں اکثر خانگی حالات تھے،
اور بہت میں مباحثِ علمی جو جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب
سبقاً سبقاً لکھ لکھ کر بھیجتے تھے، حذف واسقاطِ ضروری کے بعد جو کچھ
بچا، وہ یہ کتاب ہے جو پیش کشِ ناظرین کی جاتی ہے[17]

مولوی بشیر الدین احمد جو ان خطوط کے مکتوب الیہ تھے، اس مجموعے کے بارے میں فرماتے ہیں:

یہ خط کبھی اِس غرض سے نہیں لکھے گئے تھے کہ پبلک میں لائے
جائیں گے، بالکل پرائیوٹ نیچر کے تھے، اور اسی وجہ سے قلم برداشتہ
لکھے گئے تھے۔ مجھ کو بھی اِن کے چھپوانے کا خیال نہ تھا، میرے لنگوٹیا
یار مولوی عبدالغفور شہبازؔ نے (جو آگے چل کر میرے ہم زلف بھی
ہوگئے) مجھے اِس طرف توجہ دلائی اور اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ
کے مصداق بنے۔ چونکہ سب خطوں کو میں نے جان کے برابر لگا رکھا
تھا، گٹھے کا گٹھا اُن کے حوالے کیا، اور انھوں ہی نے اِن خطوں کو
کتاب کی شکل میں مدوّن کرکے 1887 میں بلا کسی قسم کی ترمیم
وتبدیل کے اصلی حالت میں قومی پریس لکھنؤ میں چھپوایا[18]

گویا شہبازؔ نے خطوط کی ترتیب وتنظیم کا کام بھی کیااور مجموعے کا نام 'موعظۂ حسنہ' بھی خود ہی تجویز کیا تھا۔اب یہ مجموعۂ خطوط اس نام سے اس قدر شہرت پاچکا ہے کہ مولوی نذیر احمد کی تصنیفات میں بعض اوقات اس کا نام بھی شامل کرلیا جاتا ہے۔ یہ بات بہت واضح طور سے ذہن میں رہنا چاہیے کہ خطوط تو مولوی نذیر احمد نے تحریر کیے تھے، ان کے مکتوب الیہ خصوصی طور سے بشیرالدین احمد تھے، اور ان کو شہبازؔ نے پہلی بار مرتب کر، ایک مجموعے کی شکل میں 'موعظۂ حسنہ' کے نام سے شائع کیا تھا۔

17. موعظۂ حسنہ، دیباچہ
18. موعظۂ حسنہ، خاتمۃ الطبع

❁❁

اردو میں مکتوباتی ادب کی تاریخ تقریباً دوسو برس پرانی ہے۔ اب تک کی معلومات کے مطابق اردو کا پہلا خط 1803 میں تحریر کیا گیا تھا، جس کی مکتوب نگار فقیرہ بیگم تھیں۔19 اردو کا پہلا مطبوعہ خط مرزا غالبؔ کا ہے جو اگست 1865 میں نامۂ غالبؔ کے نام سے مطبع امو جان، دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد 1866 میں 'انشائے اردو' میں بعض اردو خطوط شامل ہوئے۔ آزادانہ طور پر خطوط کے مجموعے کی حیثیت سے مرزا غالبؔ کے خطوط 'عودِ ہندی' کے نام سے اکتوبر 1868 میں شائع ہوئے، اور جلد ہی دوسرا مجموعہ بھی 'اردوے معلّٰی' کے نام سے مارچ 1869 میں منظرِ عام پر آگیا لیکن تب تک غالبؔ وفات پا چکے تھے، اور اس مجموعے کے دیدار کی حسرت لیے مالکِ حقیقی سے جاملے۔ یہ مجموعہ غالبؔ کے وفات کے 19 / دن کے بعد شائع ہوا تھا۔

ادب اپنے عہد کا زائدہ ہوتا ہے، اس کی تخلیق اور ارتقا میں اس مخصوص عہد کے تقاضے اور روایات کی پوری جلوہ سامانی موجود ہوتی ہے۔اردو میں مکتوب نگاری کی روایت جب قائم ہوئی تو دیگر اصناف کی طرز پر یہ صنف بھی فارسی زبان کے زیر اثر آگے بڑھی۔ چنانچہ جب ہم اس زاویے سے مکتوب نگاری کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ غالبؔ سے قبل اردو خطوط پر فارسی طرزِ انشا کی پوری چھاپ موجود تھی۔ فارسی زبان میں انشا اور رقعات کی ایک مضبوط اور توانا روایت رہی تھی جو سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ انحطاط پذیر تھی۔اس کے باوجود اس کا طلسم ابھی پوری طرح سے ٹوٹا نہیں تھا، طبیعتوں پر فارسی انشا کا بناوٹی رنگ چھایا ہوا تھا۔ دماغوں میں وہی مشکل پسندی موجود تھی، اور اس کے نقوش تحریر وتقریر میں اپنے اثرات مرتب کررہے تھے۔ ان خطوط اور رقعات کی جو زبان تھی، جو طرزِ اظہار تھا، یعنی مقفّٰی اور مسجع عبارتوں کی میناکاری، لمبے چوڑے القاب و آداب، لفظی خوبیوں اور ظاہری محاسن سے مرصع عبارت ؛ یہی اسلوب اس وقت کی عام

19. مکتوباتی ادب، ڈاکٹر شمس بدایونی، ص115

روش تھا، اور یہی مرصع نگاری علم و فضل کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اودھ کے نواب واجد علی شاہ نے اپنی بیوی کو جو خط لکھا تھا، اس سے اس صورتِ حال کی ایک جھلک واضح ہو جائے گی:

> نامہ عنبر شامہ، عطر آگیں، بہجت تزئیں، مفرح روح، مقوی دل، ممد جان، معاون رواں سلسلۂ محبت، ...جامع پریشاں دبے پر، مایۂ صبر و قرار باعث تسلی، دل غم خوار، مجاہد الدولہ کی معرفت پندرھویں ماہ صفر کو رونق افروز بزم موصول ہوا کاشانۂ محبت روشن اور خانۂ الفت رشک وادیِ ایمن ہوا۔20

مقفٰی اور مسجع عبارت آرائی کا یہی اسلوب اردو مکتوب نگاری میں بھی اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہوا۔ چنانچہ غالبؔ سے پہلے جو مجموعے سامنے آئے، مثلاً 'انشائے خرد افروز' او ر'انشائے سرورؔ' وغیرہ، سب میں یہی پر تکلف اور پر تصنع اسلوب کی جھلک صاف طور سے نظر آتی ہے۔

مکتوباتی ادب میں بعض حیثیتوں سے غالبؔ کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے، مثلاً انھوں نے مراسلے کو مکالمہ بنادیا، القاب وآداب کی قدیم روش سے اردو خطوط کو ایک نئی ڈگر پر لے آئے وغیرہ وغیرہ۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ غالبؔ روایت شکن شخصیت کے مالک تھے، اور ہر کوچے میں اپنا الگ راستہ نکال لیتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے مکتوب نگاری کے میدان میں بھی روایتی طریقے سے انحراف کیا، اور ایک ایسے طرز کو رواج دینے کی کوشش کی جو اچھوتا بھی تھا اور لائقِ تقلید بھی۔ لیکن ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ دہلی کالج اور اس کے اثر سے صاف، سادہ اور رواں نثر لکھنے کا اسلوب بھی بڑی تیزی سے مقبول ہو رہا تھا۔ ماسٹر رام چندر کے مضامین اور مختلف اخبارات کی اشاعت بھی اس نئے اسلوب کو فروغ دینے میں اپنا اپنا کردار ادا کر رہے تھے۔ پھر بھی غالبؔ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے زبان کی ترسیلی قوت کا اندازہ لگایا، بے تکلفی اور سادگی کی طاقت کو محسوس کیا، اور اردو نثر کو ایک نئی ڈگر پر لے آئے۔ سوانحی، تاریخی اور

20. ہندوستانی نشاۃ ثانیہ میں قدیم دہلی کالج کا کردار، شمس الہدیٰ، ص 99

تہذیبی دستاویز ہونے کے ساتھ ساتھ، اردو نثر کی تاریخ میں ان کے خطوط ایک نئے دور کا نقطۂ آغاز بھی ہیں۔

غالبؔ کے بعد اس کوچے میں قدم رکھنے والوں میں غلام غوث بیخبر کے علاوہ سرسید، نذیر احمد، محسن الملک، محمد حسین آزاد، شبلی نعمانی، حالیؔ، داغؔ، امیر مینائی کے نام آتے ہیں۔ اور اس کے بعد بھی مکتوب نگاروں کا ایک سلسلہ ہے جس میں مہدی افادی، سید سلیمان ندوی، اکبرالہ آبادی، محمد علی جوہرؔ، اقبالؔ، اور ابوالکلام آزاد کے خطوط ادبی حیثیت سے اپنے اندر خاص دل کشی اور جاذبیت رکھتے ہیں۔ یہاں سبھی مکتوب نگاروں کا احاطہ کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس روایت کے تسلسل کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کرنا ہے جس کا آغاز غالبؔ کے خطوط سے ہوا تھا۔ مولوی نذیر احمد کے خطوط کا مجموعہ 'موعظۂ حسنہ' بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ ان کے خطوط مرزا غالبؔ کے سادہ، براہِ راست اور بے تکلف اسلوب بیان کی توسیع شدہ شکل ہیں۔

تاریخی اعتبار سے اگر نگاہ ڈالی جائے تو غالبؔ کے خطوط کے بعد رجب علی بیگ سرورؔ کا مجموعہ 'انشائے سرورؔ' 1886 میں منظرِ عام پر آیا تھا، اور اس کے صرف ایک برس بعد یعنی 1887 میں 'موعظۂ حسنہ' کی پہلی اشاعت عمل میں آئی تھی۔ اس طرح سے مجموعۂ مکاتیب کو منظرِ عام پر لانے کے معاملے میں نذیر احمد کو اپنے ہم عصروں میں تقدم زمانی کا شرف حاصل ہے۔

نذیر احمد نے بھی غالبؔ کی طرح سیدھے اور راست اندازِ بیان کا سہارا لیا ہے۔ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ نذیر احمد کے خطوط پر غالبؔ کے طرزِ تحریر کے اثرات موجود ہیں، لیکن یہ خیال ظاہر کرتے ہوئے ہمیں نذیر احمد کے پس منظر کو سامنے رکھنا چاہیے کہ وہ دہلی کالج سے تعلیم یافتہ تھے، جہاں صاف، سادہ اور آسان زبان کا اسلوب فروغ پا رہا تھا۔ اور جہاں ان کے تعلقات ماسٹر رام چندر سے بھی تھے، جو مشکل پسند اور قدیم اسلوب کی سختی سے مخالفت کرتے تھے۔ لازمی طور سے نذیر احمد نے ان کے خیالات سے استفادہ کیا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس زمانے میں یہ خطوط لکھے گئے تھے، اس وقت تک نذیر احمد

انگریزی زبان سے واقفیت حاصل کر چکے تھے، اور انگریزی سیکھنے کے دوران وہ اس زبان کے اسلوب اور طرز بیان سے بھی بہ خوبی واقف ہو چکے تھے۔ چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

> لو صاحب کی نصیحت تھی کہ چھوٹے چھوٹے جملے اور ایسے لفظ جو کثیرالاستعمال ہیں، اور جملے مختصر جن میں کوئی لفظ فضول نہ ہو، لکھا کرو۔ دیکھو تمھاری چٹھی میں جو لفظ میں نے قلم زد کیے، فضول ہیں کہ بے ان کے بھی کام چل سکتا ہے[21]

ایک دوسرے خط میں انگریزی زبان کی سادگی، حقیقت پسندی، اردو کی اثر پذیری، اور فارسی زبان کی مشکل پسندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> انگریزی میں ابتذال اور خوشامد اور مبالغہ اور جھوٹ نہیں۔ ہمارے یہاں بیسیوں انشائیں صرف القاب آداب، معمولی خیروعافیت، رسمی شوق وانتظار کے لیے پڑھنی پڑتی ہیں... فارسی لٹریچر نے ہماری تہذیب کو بالکل برباد کردیا تھا۔ اب اردو پر انگریزی رنگ آتا چلا ہے۔ زبان مبالغے اور ابتذال کے عیوب سے بہت پاک ہوگئی ہے اور ہوتی جاتی ہے۔ سیدھی اور صاف بات میں لوگوں کو مزہ ملنے لگا ہے۔ غرض انگریزی نے ہر ایک کے کان میں پھونک دیا ہے کہ وہ بھی آدمی ہے، جان اور مال اور عزت رکھتا ہے، اس کے سب حقوق محفوظ ہیں[22]

غالب کے خطوط کا مقصد بہت واضح تھا۔ وہ یارباش قسم کے آدمی تھے۔ جب دہلی کی مجلسی زندگی کی بساط اٹھ گئی، اور ان کے دوست احباب گردشِ زمانہ کی کج روی کا شکار ہوگئے تو ناچار غالب کو مکتوب نگاری کا سہارا لینا پڑا۔ اور عالمِ تخیل میں انھوں نے مجلس آرائی کا اہتمام کیا۔ تفریح اور یارباشی کا ایک نیا طرز نکالا، چنانچہ ان کے خطوط کے مطالعے

---

21. موعظۂ حسنہ، خط 10

22. موعظۂ حسنہ، خط 113

سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالبؔ اپنی اور مکتوب الیہ کی تفریحِ طبع کی خاطر خط لکھتے تھے۔ظرافت ان کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ باوجود اس کے کہ ان کے خطوط میں موضوعات کا تنوع اور رنگا رنگی ہے، اور اس میں ہر قسم کے موضوعات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے، لیکن غالبؔ کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے خیالات کے اظہار میں اپنے مخصوص مزاج اور ظرافت کے رنگ کی بدولت لذت وانبساط کی روح بھر دیتے تھے۔ غالبؔ کو ایک آزادی اور بھی حاصل تھی کہ ان کے مکتوب الیہ میں مختلف حیثیتوں کے لوگ شامل تھے۔ ان میں احباب بھی تھے، شاگرد بھی تھے، ریاستوں کے سربراہ بھی تھے اور ملک وشہر کے شرفا، رُؤسا اور عمائدین بھی تھے۔

غالبؔ کے برخلاف نذیر احمد کے خطوط میں بہت ہی محدود لوگ شامل ہیں، ان کے مکتوب الیہم کی تعداد بہت معمولی ہے، مثلاً چند ایک خط بیوی صاحب کے نام ہیں، ایک خط ملازم سبحان بخش کے نام ہے، ایک آدھ خط ریڈ صاحب کے نام ہے، اور بیشتر خطوط بیٹے بشیرالدین احمد کے نام ہیں۔ نذیر احمد کی کوئی تحریر تعمیری مقصد سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ یہاں بھی ان کے سامنے ایک مشن تھا تعلیم کا، تربیت کا، اور اصلاح کا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تمام خطوط ایک خاص مقصد کے تحت تحریر کیے گئے تھے، اور مقصد بھی بہت عظیم اور مہتم بالشان تھا، یعنی اپنے بیٹے کی تعلیم وتربیت، اور اخلاق سازی۔ تمام خطوط میں کہیں تعلیم کے اصول بتائے گئے ہیں، کہیں اخلاق کے فلسفے سمجھائے گئے ہیں، کہیں واعظانہ رنگ موجود ہے، کہیں شادی بیاہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ غرض یہ کہ ہر جگہ تعلیم وتربیت ہی اصل مقصد ہے، اور اس مقصد کو نذیر احمد کبھی بھی اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے نذیر احمد نے بھی زبان کی اسی ترسیلی قوت کا سہارا لیا جو سیدھے سادے اسلوب کے پردے میں دلوں پر اپنے نقوش مرتب کرتی ہے۔

نذیر احمد بنیادی طور سے ایک معلم تھے، وہ زندگی بھر معلم رہے، معلمِ اخلاق؛ اور یہ حیثیت ان کی تمام تصنیفات میں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ 'موعظہ' میں جن موضوعات کو پیش کیا گیا ہے، ان میں زیادہ تر تعلیم وتعلم اور تربیت کے دائرے میں آتے

ہیں۔ بعض خطوط میں اگرچہ خانگی معاملات ومسائل بھی بیان کیے گئے ہیں، اور بعض میں ان کے متعلقین اور احباب کا ذکر بھی ہوا ہے لیکن ان سب کی حیثیت ضمنی ہے۔ جتنے بھی خطوط ہیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی مکتوب الیہ سے ہو، ان میں تعلیم وتربیت کے حصول کی روح دوڑتی نظر آتی ہے، اور شخصیت وکردار سازی اور اصلاح کا مقصد ہی ان کا نصب العین رہا ہے۔ بعض خطوط شخصی اور سوانحی نوعیت کے ہیں جن سے نذیر احمد کی شخصیت وسیرت کے بہت سارے گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ان کی شخصیت، کردار، طرزِ زندگی اور فلسفۂ حیات پر گفتگو کرتے ہوئے ان خطوط کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر نذیر احمد مسلمانوں میں تجارت کا شوق پیدا کرنا چاہتے تھے، اور ان کی خواہش تھی کہ مسلمان بھی تجارت کے میدان میں اپنی قسمت اور زورِ بازو کے بل بوتے پر اپنی معاشی زندگی کو بہتر بنائیں۔ اس سے دو فائدے مرتب ہوں گے۔ پہلا یہ کہ لوگ تجارت کی طرف راغب ہوکر اپنے اوقات کا بہترین مصرف نکالیں، اور دوسرا فائدہ یہ ہو کہ مصروفیت اور کام میں مشغولیت کی وجہ سے بے کاری اور بے عملی سے نجات بھی ملے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ہمارے شہر کے مسلمانوں میں پنجابی، جن کا پیشہ تجارت ہے، اچھا مقدور رکھتے ہیں، اور خوش حال ہیں...کیا سبب ہے کہ اِن کے نوجوان لڑکے ہم ہندوستانیوں کے لڑکوں کی طرح آوارہ نہیں ہوتے؟ آخر یہ بات معلوم ہوئی کہ اِن کے لڑکے شروع سے بڑوں کو دیکھتے ہیں کہ دولت کے بڑھانے کے پیچھے پڑے ہیں، اِس سے دولت کی قدر بچپن سے ذہن نشین ہوجاتی ہے۔ پھر اِن کا پیشہ کچھ اِس طرح کے اِبتلا کا پیشہ ہے کہ مال کی نکاسی اور اُگاہی اور تقاضے اور فرمائش اور حساب وکتاب کے فکر سے کسی وقت نجات نہیں۔ یہ اشتغال اور انہماک اِن کے لڑکوں کو نہیں بگڑنے دیتا[23]

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

---

23. موعظۂ حسنہ، خط 107

صرف نوکری کے ذریعے سے آدمی مال دار ہو نہیں سکتا... ہاں نوکری کے ذریعے سے جو لوگ مال دار ہوئے اس تدبیر سے ہوئے کہ ایک کو خدا نے برکت دی اور دوسرے عزیز اس کی کمائی کو زمین داری یا تجارت سے ترقی دیتے رہے، رفتہ رفتہ سرمایۂ معتد بہ جمع ہو گیا[24]

اپنے سرمایے کو محفوظ رکھنے اور اس میں اضافہ کرنے کی غرض سے نذیر احمد تجارت کے علاوہ پرامیسری نوٹ بھی خریدتے تھے، اور اس کے جواز کے قائل تھے۔ چنانچہ ایک خط میں فرماتے ہیں:

جس شخص کے اصولِ زندگی یہ رہے ہوں کہ اپنی آمد سے خرچ کو بڑھنے نہ دے، یعنی ہمیشہ تھوڑا بہت پس انداز کرتا رہے، اور روپے کو پتھر بنا کر رکھ چھوڑنے کو جنون سمجھے... ایسا آدمی اپنے اندوختے کو پرامیسری نوٹوں کے پیرایے میں نہ رکھے تو کیا کرے[25]

ایک دوسرے خط میں فرماتے ہیں:

سید احمد خاں نے پرامیسری نوٹوں کے جواز کے دلائل جو جمع کیے ہیں اور ربوا کی حقیقت جو کچھ انھوں نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے، اور مولوی شاہ عبدالعزیز اور مجتہد اثنا عشریین کے فتاوے مجھ کو سب معلوم ہیں۔ مگر بایں ہمہ اگر مجھ کو اندوختے کے لیے کوئی دوسرا محفوظ ومطمئن پیرایہ ملے تو میں آج پرامیسری نوٹوں کو الگ کروں... خلاصہ یہ کہ سیونگ میں نے کیا ہے، اور کرتا ہوں، اور کرتا رہوں گا۔ روپیہ کو معطّل ڈال رکھنا میرا قاعدہ نہیں۔ اعوان وانصار میرے پاس نہ تھے، نہ ہیں اور نہ ہونے کی امید۔ تجارت لاعلیٰ بصیرت کو عقل جائز نہیں رکھتی، اور اعلیٰ بصیرت کی مجھ کو قابلیت نہیں۔ زمیں داری کی

24. موعظۂ حسنہ، خط 91

25. ایضاً

زحمت اور بے حرمتی مجھ سے برداشت ہو نہیں سکتی۔ ان سب مقدمات کو جمع کر کے تم ہی نتیجہ نکالو۔ فَتَعَيَّنَ الْبَرَاءِيُسْرِيُ نُوٹ[26]

نذیر احمد سود لینے کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ فرحت اللہ بیگ نے لکھا ہے:

> اور تو اور خود مجھ سے سود لینے کو تیار ہو گئے... میں نے کہا: مولوی صاحب! لوگ کیا کہیں گے کہ مولوی ہو کر سود لیتے ہیں، اور لیتے ہیں کس سے، اپنے شاگردوں سے۔ کہنے لگے: اس کی پروا نہ کرو۔ جب مجھ پر کفر کا فتویٰ لگ چکا ہے تو اب مجھے ڈر ہی کیا رہا! جاؤ تمھارے ساتھ یہ رعایت کرتا ہوں کہ اوروں سے روپیہ سیکڑا لیتا ہوں، تم سے چودہ آنے لوں گا[27]

نذیر احمد کے مخالفین نے ان کی سیرت وشخصیت پر بخل اور کنجوسی کا الزام لگا کر ان کی شخصیت کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس الزام تراشی کو اس قدر منظم انداز سے، اور مکرر انجام دیا گیا کہ بعض لوگوں کو اس پر یقین بھی آ گیا۔ فرحت اللہ بیگ کے خاکے نے بھی ان کی شخصیت کے اس پہلو کو خاص طور سے پیش کیا، لیکن جب ہم موعظۂ حسنہ کی روشنی میں ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں سے روبرو ہوتے ہیں تو اس کی وقعت ایک الزام سے زیادہ نہیں رہ جاتی۔ مختلف خطوط سے چند مثالیں ہی کافی ہوں گی:

> میرا روپیہ جہاں تک تمھاری آسائش میں صرف ہو، انشاء اللہ مجھ کو دریغ نہیں۔ اگر تم کو نام ونمود کا آدمی کرے تو میرا روپیہ اچھے ٹھیک لگا۔ مجھ کو ایسے خرچ سے ہمیشہ خوشی ہے۔ تم اپنی والدہ سے بے تکلف خرچ لو، لیکن اگر ان کے پاس نہ ہو تو مجھ سے مانگنے میں بھی تامل مت کرو[28]

---

26. موعظۂ حسنہ، خط 91
27. نذیر احمد کی کہانی ...فرحت اللہ بیگ، ص 41
28. موعظۂ حسنہ، خط 1

بشیر! اگر تم کو مدرّسے کے آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہو تو بے تکلف صاف کہہ دو، میں تمھارے واسطے سواری کا انتظام کر دوں۔ بشیر! قسم ہے خدا کی، مجھ کو تمھاری آسائش جائز میں روپیہ خرچ کرنا ہرگز بار نہیں۔ تم مجھ پر جیسی سخت فرمائش چاہو کر دیکھو، انشاء اللہ میں اُس کو فی الفور بجا لاؤں گا۔ اِس کے عوض تم میری صِرف ایک فرمائش پوری کرو، وہ یہ کہ پڑھو، اور لیاقت پیدا کرو۔[29]

بڑی مبارک باد یہ ہے کہ تمھاری والدہ نے جاں بَری حاصل کی۔ اب اُن پر تاکید کرو کہ یہ کم بخت دولت کیا ہوگی۔ کچھ تو اپنے تن بدن کو لگائیں۔[30]

اُن کے ہاتھوں سے مجھے کبھی کسی قسم کی ایذا نہیں پہنچی، اور اُن کے مدّ مقابل حضراتِ دہلی ہیں کہ عمر بھر دیتا رہا، اور پھر بھی اُن کے مزاج درست نہ ہوئے... خدا تم کو کسی کا دست نگر نہ کرے، اور ہمیشہ تمھارے ہاتھ سے لوگوں کو دلواتا رہے ...تم اپنی کوئی حاجت ... سے متعلق مت رکھو اور تم کو میرے برتاؤ سے خود معلوم ہو جائے گا کہ میں کہاں تک تمھارے مقابلے میں روپے کو عزیز رکھتا ہوں۔[31]

میں تم سے روپے کو دریغ نہیں کرتا۔ اگر تم فیس مدرسے کے علاوہ روپیہ خرچ کرنے سے فائدۂ علمی حاصل کر سکو، میں بہ طیب خاطر اُس خرچ کو گوارا کروں گا؛ چاہے وہ کتاب کا دام ہو یا معلّم کی

29. موعظۂ حسنہ، خط 5
30. موعظۂ حسنہ، خط 18
31. موعظۂ حسنہ، خط 29

اُجرت۔ الغرض میں تمھاری تعلیم میں ہر طرح کی کوشش مالی و دماغی وجسمانی وروحانی کرنے کو موجود تھا اور ہوں اور رہوں گا[32]

میں نے بھی ... روپیہ دینے کو کہہ دیا ہے۔ سو بھائی! اگر بہ طیبِ خاطر تمھارا اور تمھاری والدہ کا جی چاہے تو دو، ورنہ خدا کے نام کا دینا ہے، جس کو زیادہ مستحق سمجھو بہ تفاریق یا یک مُشت اُس کو دو... میں روپیہ تم کو دیتا ہوں کہ اِس کو راہِ خدا میں صَرف کرو اور مَصرَف اِس کا متعین نہیں کرتا[33]

تم اپنی حوائج ضروری کا اندازہ کر کے ایک اوسط مقرر کرو کہ اُسی حساب سے ایک مقدارِ کافی جمع کردی جائے کہ وہ بشیر فنڈ ہو، اور تم وقتاً فوقتاً بہ اختیارِ خود اپنی تجویز سے اُس کو صَرف کیا کرو۔ جو روپیہ تمھاری تعلیم و آسائش میں صَرف ہو، مجھ کو ہرگز دریغ نہیں۔ میں صرف اِسی قدر کہتا ہوں کہ اپنی عادتوں کو مت بگڑنے دو[34]

دوری کے واسطے سواری کا انتظام کرو۔ تم کو تامّل ہوتا ہے کہ میں اِس خرچ کو پسند نہیں کروں گا، حالانکہ میں ایسے مَصارف کو اُکل وشُرب کے مَصارف پر بھی مقدّم رکھتا ہوں... البتہ اِس کی خبر رکھو کہ تم لوگ خرچ کی طرف سے تکلیف مت اٹھاؤ۔ جب خدا نے دیا ہے تو اُس سے متمتّع نہ ہونا بھی ایک طرح کی ناشکری ہے[35]

---

32. موعظۂ حسنہ، خط 31
33. موعظۂ حسنہ، خط 41
34. موعظۂ حسنہ، خط 44
35. موعظۂ حسنہ، خط 46

خلاصہ یہ کہ مجھ کو اِس خصوص میں خرچ کی پروانہیں ۔ میں بہ طیبِ خاطر تم کو روپیہ دوں گا بلکہ جی میں آیا کہ ابھی بھیج دوں، پھر سوچا کہ پہلے پوچھ لوں کہ میری گھڑی پر دانت ہے یا بازار سے اپنی چیز لینے کا شوق ہے۔ یہ چھیڑ کے لفظ دل سے نہیں ہیں، تحریر کی شوخی ہے۔[36]

دہلی میں سواری کی ضرورت ہوگی ۔ اے کاش، تم کوئی گھوڑا رکھتے! اِس کا الزام مجھ پر ہے یا تم پر؟ اب تمھارا بڈّھے باپ کو کندھے پر لادے لادے پھرنا۔[37]

تُف ہے میری دولت پر، اور لعنت میرے مال دار ہونے پر، جب میری پیاری اولاد اِس وجہ سے تکلیف پائے کہ میں اُن کی حاجت کی قدر باوجود مقدرت روپیہ نہیں دیتا۔ خدا کی قسم میں یہی سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میرے پاس ہے ،اِن بچّوں کی امانت ہے۔ پس افسوس ہے کہ جن کا روپیہ اُنھی پر خرچ نہ کیا جائے۔[38]

میں نے مدرسۃ العلوم علی گڈھ میں بورڈنگ ہوس بنوایا۔ دو کوئے ہیں، دونوں میں چندہ دیا۔ اپنے سارے خاندان کے نام کی جالیاں احاطۂ مدرسہ میں نصب کرائیں۔[39]

---

36. موعظۂ حسنہ، خط 48
37. موعظۂ حسنہ، خط 51
38. موعظۂ حسنہ، خط 56
39. موعظۂ حسنہ، خط 106

مولوی نذیر احمد کی طبیعت اور مزاج کا ایک خاص رنگ تھا۔ انھیں زمانہ سازی بالکل نہیں آتی تھی۔ وہ اپنے ما فی الضمیر کو بغیر کسی لاگ لپیٹ اور مصلحت سے کہنے کی ہمت رکھتے تھے۔ نفع نقصان کی کچھ پروا نہ کرتے تھے، مثلاً سرسید کی عبقری شخصیت کو تسلیم کرنے کے باوجود اپنے اختلافات ظاہر کرنے میں کسی مصلحت سے کام نہیں لیتے۔ ایک خط میں یوں لکھتے ہیں:

> سیّد احمد خاں کی شان ایسی اَرفع واعلیٰ ہے کہ ماوشا کو اُن کی نسبت کسی رائے کا ظاہر کرنا داخلِ شوخ چشمی ہے...اس وقت تک سید احمد خاں کے اخبار یا لکچر یا مواعظ یا تحریرات کا ایک پرچہ کبھی مول نہیں لیا، یعنی مجھ کو اُن کے معتقدات بانسرہا تسلیم نہیں۔ سیّد احمد خاں کی تفسیر ایک دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرے نزدیک وہ تفسیر دیوانِ حافظؔ کی اُن شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، جن کے مصنفین نے جوتڑوں سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتابِ تصوّف بنانا چاہا۔[40]

محسن الملک بڑی وجیہہ شخصیت کے مالک تھے۔ ایک زمانے میں سرکارِ نظام میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ نذیر احمد کو حیدرآباد بلانے میں ان کی کوششوں اور تقریب کا دخل تھا۔ مولوی صاحب کو جب مرآۃ العروس کا انعام 1869 میں ملنے والا تھا تو انعام کی تقریب کے دوران محسن الملک کی کسی بات کو لے کر یہ چڑک گئے اور اپنی طبیعت کے زور پر قابو نہیں رکھ سکے۔ چنانچہ بشیر الدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> میں نے مولوی مہدی علی کو فِیْ عُمْرِی صرف ایک بار آگرے میں دیکھا، جن دنوں مجھ کو انعام مرآۃ العروس کا اٹاوے میں ملنے والا تھا... لیکن نواب لفٹنٹ گورنر نے مجھ کو اٹاوے سے واپس کیا، اور آگرے کے دربار میں بلایا۔ وہاں منشی غلام غوث صاحب میر منشی

40. موعظۂ حسنہ، خط 106

> لفٹنٹی کے یہاں میں نے مولوی مہدی علی کو دیکھا۔ ایک صبیح نوجوان، طنبورچیوں کی سی پوشاک بے باک مرآۃ العروس کی ہلسی اڑا رہے ہیں۔ جوں میں خیمے میں پہنچا، منشی غلام غوث صاحب نے کہا: "لیجیے حضرت! مرآۃ العروس کے مصنف صاحب بھی تشریف لائے۔" منشی غلام غوث کی تقریب میں ہم دونوں ملے تو مولوی مہدی علی منقبض سے رہے؛ شاید مرآۃ العروس کی ہلسی اڑانے سے جھینپے ہوں۔ مجھ کو حیرت ہوئی اِلٰہَ الْعَالَمِیْنَا! یہ وہی مہدی علی ہے جس نے خود مجھ کو کس تپاک سے اپنے گھر ٹھیرایا تھا کہ اب بالمشافہہ میری کتاب کی مخاصمانہ تفضیح کررہا ہے۔ خیر رفت وگزشت![41]

یہ بات کہی جاچکی ہے کہ نذیر احمد ایک کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی فکر ونظر کا افق وسیع تھا۔ وہ زندگی کے جملہ معاملات میں ایک جچی تلی اور متوازن رائے رکھتے تھے۔ مذہبی تعلیم اور فکر نے ان کی شخصیت میں ایک قسم کی جرأت مندی اور بے باکی کا عنصر شامل کردیا تھا، اور دہلی کالج نے سائنسی فکر، منطقی استدلال اور ترقی پسندی کے عناصر کی تشکیل کی تھی۔ 'موعظۂ حسنہ' کی روشنی میں نذیر احمد کی پوری شخصیت اصلی رنگ میں ہمارے سامنے نظر آتی ہے۔ ان کے اسلوب میں بھی ان کی شخصیت وکردار کے مختلف نقوش کی کارفرمائی موجود ہے۔ نذیر احمد عربی فارسی کے عالم تھے۔ دہلی کی ٹکسالی زبان پر انھیں عبور حاصل تھا۔ وہ روزمرہ اور محاوروں کا بے تکان استعمال کرتے تھے۔ ناولوں سے قطع نظر خطوط میں بھی ان کے اسلوب کی یہی انفرادیت موجود ہے۔ خطوط میں انسان بالکل اپنے فطری انداز میں سوچتا ہے، اور اپنے خیالات کو بے کم وکاست الفاظ کے قالب میں ڈھالتا چلا جاتا ہے، اس میں تصنع اور آورد کی کوئی جھلک نہیں ہوتی۔ اس نقطۂ نظر کی روشنی میں نذیر احمد کے خطوط در اصل ان کی شخصیت اور مزاج کے بہترین عکاس ہیں۔ ان کے مزاج میں ظرافت کا عنصر بہت زیادہ تھا، اور یہ رنگ خطابت کے دوران مزید تیز ہوجاتا۔ نذیر احمد

41. موعظۂ حسنہ، خط 58

نے خطوط میں بھی اس خوبی کو برقرار رکھا ہے، وہ بیٹے سے بھی مزاح کرنے سے باز نہیں آتے۔ مختلف خطوط میں اس طرح کے جملے موجود ہیں:

فارسی کو تو اس نے مدت ہوئی طاقِ بلند پر رکھ دیا، بدیں عبارت 'موٗت کر چھوڑا'۔ 42

اب بے باکی یہاں تک پہنچی کہ کرانی، انگریز، بابو جس کو دیکھا بھڑ گیا۔ دوسرے کی سنتا نہیں اپنی ہانک چلا۔43

پھر سوچا کہ پہلے پوچھ لوں کہ میری گھڑی پر دانت ہے یا بازار سے اپنی چیز لینے کا شوق ہے۔ یہ چھیڑ کے لفظ دل سے نہیں ہیں، تحریر کی شوخی ہے۔44

بشیر! اگر تم پڑھنا نہیں چاہتے یا پڑھنا اگر تمھاری قسمت میں نہیں تو مجھ کو تم سے لڑنا منظور نہیں، تم جانو تمھارا کام جانے۔ لیکن اے خدا! مجھ کو اس مصیبت کے جھیلنے کو زندہ مت رکھیو کہ ایک اللہ آمین کا بیٹا اور وہ بھی جاہل یا کٹھ ملا۔45

سبحان بخش کو زیادہ تر لکھنے پڑھنے نے، اور کسی قدر تمھاری مُدارات بالمساوات نے تباہ کیا۔ وہ نہیں معلوم کیا امیدیں لے کر آیا تھا، اور تم نے سوکھا ٹرخایا؛ کیوں کر رہے اور کیوں رہے؟ اے کاش! یہی ہوتا

42. موعظۂ حسنہ، خط 36
43. موعظۂ حسنہ، خط 46
44. موعظۂ حسنہ، خط 48
45. موعظۂ حسنہ، خط 61

کہ وہ میرے کام کا نہیں۔ وہ کم بخت تو کچہری کے کام کا بھی نہیں[46]

کیوں جی، میاں بشیر! ان دنوں آپ منقبض کیوں ہیں؟ نہ تو ہم کو کبھی اپنا کوئی سبق لکھتے ہو، نہ کوئی فرمایش کرتے ہو۔ بندۂ خدا! اس قدر جلد کیوں مُلول ہوگئے۔ ہم خود دنیا سے مُلول ہیں؛ یہاں آدم صورت بہت ہیں مگر آدمی نہیں[47]

مولوی... اپنی بی بی سے بہت مانوس تھے جیسا کہ سچ مچ کے سبھی مولوی ہوا کرتے ہیں۔ بی بی مریں تو مولوی صاحب دنیا سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ کسی چیز کی نظر میں وقعت باقی نہ رہی، یہاں تک کہ نوکری کی اور اپنے بچّوں کی[48]

یہی صورت عربی فقروں، کہاوتوں، ضربُ الامثال، قرآنی آیات واحادیث کی بھی ہے۔ عربی فارسی کے منتہی ہونے کی وجہ سے وہ ان کا بے محابا استعمال کرتے ہیں۔ مسلسل عربی عبارتیں اور محاورے اور اشعار لکھتے چلے جاتے ہیں۔ کہیں آیتِ قرآنی سے استدلال کرتے ہیں، کہیں ہندی محاورے کا استعمال کرتے ہیں۔ عربی فارسی اشعار اور محاورے تو ان کی طبیعت کا جزوِ لاینفک تھے۔ کوئی خط ایسا نہیں جس میں عربی فارسی کے فقرے، اشعار اور محاورے کا استعمال نہ کیا گیا ہو، زورِ بیان اور قوتِ استدلال کا یہ عالم ہے کہ ایک بات کو مختلف طریقوں اور پیرائے سے ثابت کرنے کا ہنر انھیں آتا ہے۔ مثالوں کی ضرورت نہیں، بیش تر خطوط میں اس طرح کی مثالیں بھری پڑی ہیں۔ حالات کی ستم ظریفی کی وجہ

46. موعظۂ حسنہ، خط 62
47. موعظۂ حسنہ، خط 69
48. موعظۂ حسنہ، خط 94

سے نذیر احمد کی یہ زبان اب مشکل زبان واسلوب کے دائرے میں آئے گی۔ یہ مخصوص اسلوب نذیر احمد کی شخصیت کی بہتر طور پر نمائندگی کرتا ہے۔

نذیر احمد انگریزی زبان کی خوبیوں کے معترف تھے، اس کی سادگی اور قوتِ ترسیل پر فدا تھے۔ چنانچہ انھوں نے خطوط نویسی کے دوران القاب وآداب کی وہ قدیم روش یکسر ترک کردی جو فارسی طرزِ انشا سے عبارت تھی۔ اس معاملے میں وہ غالبؔ کے ہم پلہ نظر آتے ہیں۔ نذیر احمد نہ صرف انگریزی طرزِ انشا کے قائل تھے بلکہ عملی طور پر بھی اسی سادگی اور اختصار کی ترجمانی کررہے تھے۔ اس بارے میں وہ ایک واضح اور متوازن رائے رکھتے ہیں:

> القاب وآداب وغیرہ کی مشکل عبارتیں جو ہمیشہ خطوط کے شروع میں لکھنے کا دستور بن گیا ہے، ہرگز ہرگز مبتدیوں کو تعلیم نہ کی جائیں۔ اس واسطے کہ مبتدیوں کو ان الفاظ کے معنی کا سمجھنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ اور بے سمجھے کسی لفظ کا استعمال بڑی زبوں بات ہے جس سے ذہن کند ہوتا ہے۔ حضرتِ بندہ، قبلۂ بندہ، برادر صاحب، صاحب من، مہربان من، عزیز من۔ اس طرح کے چھوٹے چھوٹے الفاظ مبتدیوں کو بس ہیں[49]

ابتدائی چند خطوط کو چھوڑ کر باقی کہیں بھی القاب وآداب کی پابندی نہیں کی گئی ہے، اور براہِ راست مقصد کا اظہار کردیا گیا ہے۔ جن خطوط میں القاب وآداب موجود ہیں ان میں بھی سادگی اور اختصار کو مدِّ نظر رکھا گیا ہے، مثلاً بعض خطوط میں 'نورچشما!' یا 'بشیرالدین احمدؔ' کے علاوہ مختصر دعائیہ جملوں کا استعمال ہوا ہے۔ ایک خط میں 'اجی حضرت!' چند خطوط میں 'بشیرا!'، ایک خط میں 'شاباش، میاں بشیر!' جیسے مختصر القاب موجود ہیں۔ مختصراً یہ کہ غالبؔ نے سادہ پسندی اور بے تکلفی کا جو انداز اپنایا تھا، وہ نذیر احمد کے خطوط میں اپنی بلندیوں پر پہنچ گیا ہے۔

غرض یہ کہ 'موعظۂ حسنہ' میں مولوی نذیر احمد کی شخصیت اور سیرت کے مختلف پہلو

---

49. صرفِ صغیر، ص 43-42

ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان کے طریقۂ تعلیم و تدریس کا معاملہ ہو، یا خانگی معاملات ومسائل کے بارے میں ان کی رائے کا، عورتوں کی آزادی اور تربیت کا مسئلہ ہو یا خاندانی نظام کے تعلق سے ان کے تصورات کا۔ انگریزی حکومت، طرزِ انتظام کی خوبیوں کا بیان ہو یا انگریزی تمدن کی خامیوں کا ذکر، سلطنتِ حیدرآباد کی خوش حالی کا قصیدہ ہو یا وہاں کے طرزِ انتظام اور سازشوں اور فریب کاریوں کا تذکرہ؛ نذیر احمد ہر رنگ میں اپنے منفرد اور جان دار اسلوب کی بدولت بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ ایک بات اور بھی ہے کہ گذشتہ سوا سو برس میں زمانے نے بہت انقلابات دیکھے ہیں۔ زمانہ بدل گیا، ذہن بدل گیا، اندازِ نظر بدل گیا، تعلیم کا نظام بدل گیا، تعلیم کے معیار تبدیل ہوگئے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی ایجادات نے ہر مضمون اور ہر موضوع کو نئے طرز سے سیکھنے سکھانے کے آداب سکھائے ہیں، اس کے باوجود 'موعظۂ حسنہ' میں نذیر احمد نے تعلیم وتدریس کا جو طریقہ اختیار کیا تھا، اور جس جس تدبیر سے اپنے لختِ جگر کو تعلیم دیتے تھے۔ اخلاق اور کردار کی جو اعلیٰ اقدار اپنے بیٹے کی شخصیت میں دیکھنا چاہتے تھے، اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی اس معیار کی چمک پھیکی نہیں پڑی ہے، اور اس میں کوئی قابلِ ذکر تبدیلی نہیں ہوسکی ہے۔ اس کے دو ہی اسباب ہوسکتے ہیں، اولاً یہ کہ اپنے عہد میں نذیر احمد نے کسی مضمون کو پڑھانے کا جو طریقہ اپنایا تھا، اس میں اتنی آفاقیت اور جامعیت تھی کہ وہ آج بھی تقاضائے وقت کے مطابق معلوم ہوتے ہیں، اور ثانیاً یہ کہ سوسوا سو برس پہلے بچوں کی تعلیم وتربیت کے جو مسائل والدین کو درپیش تھے، کم وبیش وہی مسائل آج ہمارے سامنے بھی ہیں۔ گویا ایک بات تو تسلیم کرنا پڑے گی کہ یا تو زمانہ اس سمت میں کوئی خاص ترقی نہیں کر سکا، اور یا تو نذیر احمد اس قدر ترقی پسند اور دوربین تھے کہ طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی ان کے قائم کردہ معیار ومیزان میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ 'موعظۂ حسنہ' کی یہی خوبی اس کی افادیت اور معنویت میں چارچاند لگاتی ہے، عہدِ حاضر میں اس کی ضرورت کا احساس دلاتی ہے، اور مکتوباتی ادب کی تاریخ میں نذیر احمد کی کاوشوں کو یادگار بناتی ہے۔

تدوین میں شامل نسخوں کا تعارف

اشاعتِ اوّل: (ل) ڈپٹی نذیر احمد کے مکاتیب کو، جو انھوں نے اپنے بیٹے بشیر الدین احمد کے نام قلم بند کیے تھے، مولوی عبد الغفور شہبازؔ نے پہلی بار مرتّب صورت میں موعظۂ حسنہ کے نام سے شائع کیا تھا۔ اُنھوں نے خطوط کا یہ مجموعہ قومی پریس لکھنؤ سے 1887 میں طبع کرایا تھا، اس کا سرورق کشیدہ کاری کا عمدہ نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ سرورق پر جو اطلاعات موجود ہیں، اُن کی تفصیل درج ذیل ہے:

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة / موعظۂ حسنہ/ (نصیحہ فرجام نامہ و پیام/ یعنی/ مجموعۂ مکتوبات مولوی حافظ نذیر احمد خان صاحب بہادر سابق ڈپٹی کلکٹر/ وممبر آف دی بورڈ آف رونیو حیدرآباد دکن وحال پنشن خوار سرکار عالی نظام/ جس کو/ باجازۃ مولوی بشیر الدین احمد صاحب سوم تعلقہ دار سرکار عالی نظام مولوی سید محمد عبدالغفور شہبازؔ نے بہ ترتیبِ معقول مرتب فرمایا/ 1887 / (تمام حقوق محفوظ ہیں)/ محمد نثار حسین نثارؔ کے اہتمام سے/ قومی پریس واقع لکھنؤ میں چھپی۔

اس کے علاوہ سب سے نیچے دائیں طرف کونے میں بہت چھوٹی سائز میں ''پہلی طبع 1200 نسخہ'' اور بائیں طرف کونے میں قیمت کی عبارت تحریر کی گئی ہے۔

مذکورہ بالا عبارتوں کے درمیان میں سلیش (/) کا نشان اس بات کی علامت کے طور پر لگایا گیا ہے کہ وہ الگ الگ سطروں کو ممتاز اور نمایاں کر سکے۔

سرورق کے اندرونی صفحے پر مذکورہ پریس سے شائع ہونے والی کتابوں کے اشتہار دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد اگلے صفحے سے صفحات کے نمبر شمار ڈالے گئے ہیں اور مرتّب کا دیباچہ شروع ہوگیا ہے جو صفحہ نمبر 2 پر اختتام پذیر ہوا ہے۔ صفحہ نمبر 3 سے ''آغازِ خطوط وغیرہ'' کی سرخی لگا کر بہ راہِ راست خطوط کی شروعات کردی گئی ہے۔ خطوط پر نمبر شمار نہیں ڈالے گئے، البتہ یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ دو خطوں کے درمیان ایک لکیر کھینچ دی گئی ہے جو دو خطوں کو باہم ممتاز کرتی ہے۔ خطوط کا سلسلہ صفحہ 95 پر اختتام پذیر ہوگیا ہے اور صفحہ نمبر 96 پر ''غلط نامہ'' موجود ہے۔ اصل کتاب یہیں مکمل ہوجاتی ہے، سب سے اخیر میں یاورق

کے طور پر مزید ایک ورق لگایا گیا ہے اور اُس کے دونوں طرف اشتہارات ہیں۔ یہ نسخہ میری ذاتی ملکیت میں ہے۔

کتاب کا مسطر 27 سطری اور دو کالمی ہے۔ اس کتاب میں قدیم طرزِ تحریر اور روشِ کتابت کی بیش تر خصوصیات موجود ہیں۔ کاتب مسلسل طور سے خطوں کو لکھتا چلا گیا ہے۔ پیراگراف بندی کا کوئی اہتمام نہیں ملتا، رموزِ اوقاف کی عدمِ پابندی کی گئی ہے، رموزِ اوقاف کے طور پر صرف ڈیش کا استعمال کیا گیا ہے؛ کاما، سیمی کولن اور دیگر علامتوں کے استعمال سے یہ نسخہ معرّا ہے۔ سنہ کی علامتوں میں بھی یک رنگی نہیں، مثلاً علامتِ سنہ کے طور پر ع، ء اور عیسوی تینوں صورتیں موجود ہیں، ان میں کسی امتیاز اور اختصاص کو دخل نہیں، اور نہ ہی کسی ایک اصول کی پابندی کی گئی ہے۔

اس نسخے میں، رواجِ عام کے مطابق اعراب بالحروف کی صورتیں موجود ہیں (پہونچ، اوس، مونہ وغیرہ) اور بعض لفظوں کو آج کے چلن کے مطابق بھی لکھا گیا ہے، مثلاً اُنگلی، بعض لفظ کی دونوں صورتیں موجود ہیں، مثلاً اون، اُن۔ نون اور نونِ غنہ میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا گیا (مین، نہین، کہین، لائین وغیرہ)؛ البتہ یاے معروف اور یاے مجہول کو امکان کی حد تک اُن کی صحیح شکلوں میں لکھا گیا ہے، اسی طرح پوری کتاب میں صرف ایک جگہ کو چھوڑ کر باقی تمام مقامات پر ہاے ملفوظ اور ہاے مخلوط میں فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے، یعنی انھیں موجودہ روش کے مطابق لکھا گیا ہے۔ لفظوں کو آپس میں ملا کر بھی لکھنے کا رجحان عام ہے (اونکی بہن، میرے تھمین، دہانسے وغیرہ)۔ یہ صورتِ حال روشِ کتابت سے تعلق رکھتی ہے۔

پرانی روشِ کتابت کے باوجود اس نسخے کے بعض امتیازات اور اختصاصات ایسے ہیں جو اس کو ممتاز اور خاص توجہ کا حامل بناتے ہیں کہ تدوین کے دوران اُن سے صَرفِ نظر ممکن نہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ جہاں تک متن اور عبارتِ خط کا سوال ہے، اس نسخے کو بہت اہتمام سے تیار کیا گیا ہے، حالانکہ مرتّبِ موعظہ نے 'دیباچۂ طبعِ ثانی' میں کتابت کی غلطیوں کی طرف اشارہ کیا تھا، وہ لکھتے ہیں: ''اسی مارا مار میں موعظۂ حسنہ کے پہلے اڈیشن

میں کتابت کی غلطیاں، خطوں کی بے ترتیبی اور بعض ضروری امور کی متروکی کئی نقص رہ گئے۔'' اس کے باوجود صورت حال یہ ہے کہ پوری کتاب میں کتابت کی غلطیاں نہیں کے برابر ہیں، احتیاط پسندی کا عالم یہ ہے کہ غلط نامے میں کتابت کی معمولی معمولی غلطیوں کو بھی درست کیا گیا ہے، بعض مثالوں سے کتابت کی عمدگی اور پروف کی دقّتِ نظری کا اندازہ ہو سکے گا، مثلاً خط نمبر ا میں عبارت کا ٹکڑا ہے: 'مقاماتِ حریری کے متعدد مقامے' پہلی اشاعت کے متن میں 'مقامے' کی بجائے 'مقالے' لکھ دیا گیا تھا لیکن اس کی تصحیح غلط نامے میں کی گئی۔ اسی طرح بعض لفظوں کو میں اس غرض سے پیش کر رہا ہوں جس سے اس امر کی وضاحت ہو سکے گی کہ کتابت اور پروف ہر ایک کام میں احتیاط اور اہتمام کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ ان مثالوں میں اول الذکر الفاظ وہ ہیں جو پہلی اشاعت کے متن میں غلطی سے لکھ دیے گئے اور ثانی الذکر لفظوں کی تفصیل یہ ہے کہ وہ غلط نامے میں درست کرتے ہوئے شامل کیے گئے ہیں۔

پس، بس؛ مقالے، مقامے؛ ہوگئے، ہوتے؛ نیک، نیگ؛ منڈھ، مڑھ، پھر کیا، پرکیا؛ شکیل، تشکیل؛ شردع، شروع شروع؛ اسی، ایسے، لو، گو؛ ہوتا، ہو؛ ثابتہ، ثابت؛ بدشوی، بدشوقی؛ لکھے، لکھنے؛ روئی، روڑ؛ حاذق، صادق؛ گوارہ، گوارا وغیرہ۔ غلط نامے میں شامل یہ چند مثالیں ہیں جن سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ احتیاط اور اہتمام کو کس حد تک برتا گیا ہے؛ اس امر کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ عربی عبارتوں، اشعار اور آیات کے نقل کرنے میں، بعض مقامات پر، کاتب سے فروگذاشت بھی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کاتب شاید عربی سے کماحقہٗ واقفیت نہیں رکھتا تھا، ورنہ اردو عبارتوں میں قابلِ رشک کارکردگی کے ساتھ ساتھ عربی عبارتوں میں سہل انگاری اور سہوِ کتابت کی یہ صورتِ حال سمجھ سے پرے ہے۔ اس کے علاوہ کہ شاید کاتب عربی سے بہ خوبی واقف نہیں ہوگا، میں کوئی اور توجیہ نہیں کرسکتا۔ پہلی اشاعت ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی انھی خوبیوں اور خصوصیتوں کی بدولت یہ نسخہ تدوین کے نقطۂ نظر سے بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اس نسخے کی علامت (ل) متعیّن کی گئی ہے۔

اشاعتِ دوم (ن) موعظۂ حسنہ کی پہلی اشاعت 1887 میں عمل میں آئی تھی، اس کے جلد بعد ہی اس کی دوسری اشاعت کی نوبت آگئی اور دوسری بار بھی اس کی اشاعت مرتب اول مولوی عبدالغفور شہبازؔ کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ یہ دوسری اشاعت 1308 ھ میں عمل میں آئی تھی (جو انجمن ترقیِ اردو (ہند)، دہلی کی شائع کردہ تقویم کے مطابق1890 اور 1891 سے مطابقت رکھتا ہے) اور یہ نسخہ دہلی میں واقع مطبع انصاری سے مولوی محمد عبدالمجید صاحب کے اہتمام سے طبع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کتاب کے سرورق پر جو اطلاعات مندرج ہیں وہ کم وبیش اشاعتِ اوّل کے سرورق سے مطابقت رکھتی ہیں سوائے ایک زائد سطر کے جس کا متن یوں ہے: ''بعد نظرِ ثانی کامل و افزائشِ مضامینِ مفیدہ وتجدید رجسٹری کے/ اوّل بار/ 1308ھ'' (/ کا نشان مختلف سطروں کو علاحدہ اور ممتاز ظاہر کرنے کے لیے میں نے لگائے ہیں) اس سرورق پر ''اوّل بار'' کا لفظ تھوڑا بہت اشکال پیدا کرسکتا ہے لیکن اگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو درحقیقت یہ کوئی اشکال نہیں ہے۔ ایک قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ شاید یہ نسخہ اوّل بار شائع ہورہا ہے لیکن درحقیقت صورتِ حال یہ ہے کہ یہ اس مجموعے کی اشاعتِ ثانی ہے کیونکہ اسی سرورق پر یہ بھی مرقوم ہے کہ یہ نسخہ کامل نظرِ ثانی اور مفید مضامین کے اضافے کے ساتھ شائع ہورہا ہے۔

اس نسخے کا احوالِ واقعی یہ ہے کہ نسخۂ ماقبل کی بہ نسبت، یہ نسخہ بہت ترقی یافتہ اور نکھری ہوئی صورت میں شائع ہوا ہے۔ تدوین کے بنیادی اصولوں کی پابندی کا بطورِ خاص التزام کیا گیا ہے، فہرستِ مضامین اور فرہنگ کے اضافے نے اس نسخے کو بہت مقبول اور قابلِ رشک بنادیا ہے۔

اس نسخے میں ''فہرستِ مضامینِ موعظۂ حسنہ'' کے عنوان کا اضافہ کرتے ہوئے مختلف خطوط میں شامل عناوین کی درجہ بندی کی گئی ہے، اس اقدام نے اس نسخے کو خاص افادیت کا حامل بنادیا ہے؛ پھر ''دیباچۂ طبعِ ثانی'' کے عنوان سے اس اشاعتِ جدید کے خصائص کا بیان ہوا ہے۔ اس حصے کے بعد تین تقریظیں شاملِ کتاب کی گئی ہیں، جن میں ایک تقریظ مولوی سیّد محمد خاں صاحب بہادر، ڈپٹی مجسٹریٹ عظیم آبادکی، اوردوسری تقریظ مولوی محمد حسین

آزاد کے قلم کی مرہونِ منّت ہے، اس کے علاوہ ایک منظوم تقریظ تحریر کردۂ مرتبِ موعظہ عبدالغفور شہبازؔ،اس کتاب میں شامل کی گئی ہے۔صفحہ 10 سے صفحہ 13 تک اشاعتِ اوّل کا دیباچہ ہے؛ اصل کتاب صفحہ نمبر 14 سے شروع ہو کر صفحہ نمبر 209 پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔

اس کتاب کا مسطر 23 سطری ہے، خطِ نستعلیق سے مزیّن یہ کتاب خوب صورتی اور کتابت کی صفائی میں بے مثال کہی جاسکتی ہے۔ اس میں تدوین کے جدید اصولوں کو بڑی حد تک کامیابی کے ساتھ برتا گیا ہے۔ مثال کے طور پر تمام خطوط پر نمبر شمار ڈالے گئے ہیں، خطوں میں پیرا گراف بندی کا بہت خاص اہتمام کیا گیا ہے، فٹ نوٹ میں حواشی لکھے گئے ہیں ، یہ حواشی اتنے مفید اور کارآمد ہیں کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کی اہمیّت دو چند ہوتی جارہی ہے، کیونکہ اُس میں بہت ساری ایسی توضیحات وتشریحات ہیں جن کی عدمِ موجودگی یا عدمِ واقفیت سے ڈپٹی نذیر احمد اور ان کے احوال کے بہت سارے گوشے شاید پردۂ خفا میں ہی رہ جاتے؛ اس نقطۂ نظر سے یہ حواشی بہت سارے امور میں بنیادی ماخذ بنائے جانے کی بھر پور صلاحیت رکھتے ہیں۔

رموزِ اوقاف کی بیش تر علامتوں کو بہت پابندی اور التزام کے ساتھ برتا گیا ہے، یہی صورت اعراب نگاری کی بھی ہے، مثال کے طور پر 'اُس' پر پوری کتاب میں بہت پابندی کے ساتھ پیش لگائے گئے ہیں اور 'اس' کو بغیر کسی حرکت کے، خالی رکھا گیا ہے۔ جو حروف مشدّد بولے جاتے ہیں، شاید ہی کوئی ایسا لفظ ہو جس پر تشدید کی علامت نہ لگائی گئی ہو۔ خاص لفظوں اور ناموں کے اوپر یا تو خط کھینچے گئے ہیں یا اُن کے اوپر بتّے کے نشان (جہاں جیسی ضرورت ہو) لگائے گئے ہیں۔عربی عبارت،شعر یا قرآن وحدیث کے مختلف اجزا پر اعراب نگاری کا اہتمام پوری ذمے داری کے ساتھ کیا گیا ہے، حالانکہ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ ان متون پر اعراب لگانا بچوں کا کھیل نہیں؛ باوجود کوشش کے ایک مقام بھی ایسا نہ ڈھونڈا جاسکا جہاں اعراب نگاری میں کسی قسم کی لغزش ہو یا سہل انگاری سے کام نکالا گیا ہو۔اضافت کے زیر ہر جگہ بہت احتیاط کے ساتھ لگائے گئے ہیں۔پہلی اشاعت میں علامتِ سنین کی نیرنگی کو ختم کر، ان میں یکسانیت پیدا کرتے ہوئے ہر جگہ عیسوی سنہ کو

ہمزہ (ء) کی علامت کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ اس نسخے کی یہ ساری خوبیاں اسے بے حد اہم، قابلِ مطالعہ اور قابلِ رشک بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

اتنی ساری خوبیوں کے باوجود کچھ امور، اسباب اور مصلحتوں نے اس نسخے کے ثقہ پن کو بری طرح مجروح کیا ہے اور سنجیدہ قاری کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے، میں بہ طورِ مثال چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ اس سے پہلے ''دیباچۂ طبعِ ثانی'' کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> اسی مارا مار میں موعظۂ حسنہ کے پہلے اڈیشن میں کتابت کی غلطیاں، خطوں کی بے ترتیبی اور بعض ضروری امور کی متروکی نقص رہ گئے۔[50]

اس اقتباس میں تین امور کا ذکر کیا گیا ہے: 'کتابت کی غلطیاں؛ 'خطوں کی بے ترتیبی؛ اور 'بعض ضروری امور کی متروکی؛ جہاں تک کتابت کی غلطیوں کا احوال ہے، اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ 'پہلی اشاعت' کے ضمن میں کیا جا چکا ہے، اسے وہاں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ کس احتیاط اور دقتِ نظر کا مظاہرہ کرتے ہوئے کتابت کی غلطیوں کو غلط نامے میں درست کیا گیا ہے؛ اس لیے اس روشنی میں مرتب موعظہ کی یہ بات حقیقت سے قریب معلوم نہیں ہوتی۔ صرف ایک مثال سے اس کی وضاحت ہو جائے گی:

خط نمبر 7 میں ایک جملہ یوں لکھا ہوا ہے: ''مگر وہ وقت تھا تمھارے کیرکٹر (چال چلن) کے فارمیشن (بننے) کا یعنی تمھارے دل میں آئندہ کے چال چلن کی بنیاد دھری جا رہی تھی'' یہ جملہ پہلی اشاعت میں بھی اسی طرح مندرج ہے بس فرق یہ ہے کہ فارمیشن کے معنی بریکٹ کے اندر (شکیل) لکھے گئے ہیں اور پھر غلط نامے میں اس کو بھی درست کرتے ہوئے (تشکیل) بنایا گیا ہے۔ اس سے صرف ثابت یہ کرنا ہے کہ اگر اشاعتِ اوّل میں فارمیشن کے معنی تشکیل نہیں لکھے گئے تھے تو پھر وہ غلط نامے میں شامل کیوں کر ہو گئے؟ مطلب بہت صاف اور واضح ہے کہ اصل خط میں فارمیشن کے معنی بریکٹ کے اندر 'تشکیل' ہی لکھے گئے تھے تبھی غلط نامے میں اس کی تصحیح ممکن ہو سکی۔ اس لفظ 'تشکیل' کو

---

50. موعظۂ حسنہ، دیباچۂ طبعِ ثانی

اشاعتِ ثانی میں 'بنئے' کے لفظ سے بدل دیا گیا، جبکہ اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔لفظوں کی تبدیلی کی محض یہ ایک مثال ہے، بہت سارے ایسے مقامات ہیں جہاں اشاعتِ ثانی میں اچھی خاصی تبدیلی کی گئی ہے، تدوین کی اصطلاح میں یہ تحریف کے درجے میں آتا ہے اور اس بات کا حق کسی بھی مرتّب کو کسی بھی حالت میں حاصل نہیں کہ وہ اُن میں کسی تبدیلی کو روا رکھے۔

'کتابت کی غلطیوں' اور ان کی اصلاح کے پردے میں ایک کارفرمائی اور بھی نظر آتی ہے۔پہلی اشاعت اور اشاعتِ ثانی کے موازنے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مرتّب نے اشاعتِ ثانی میں، اشاعتِ اوّل کے بہت سارے متنوں میں قابلِ ذکر حد تک تبدیلی کے عمل کو انجام دیا ہے، میں صرف ایک دو مثالوں سے اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔

خط نمبر 10 میں اشاعتِ اوّل کے مطابق ایک جملہ یوں مندرج ہے: ''اب تک اُن کی اصلاحی چٹھی میرے پاس ہے'' اس جملے میں قواعدِ زبان اور محاسنِ بیان کے نقطۂ نظر سے کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی، لیکن اشاعتِ ثانی میں اس جملے کو یوں لکھا گیا: ''اب تک اُن کی بعض اصلاحی چٹھیاں میرے پاس ہیں'' اسی طور سے خط نمبر 44 میں اشاعتِ اوّل کا متن یوں ہے: ''ورنہ گرد اور ذرّات اُس کے پرزوں میں گھس جانے اور سیل اور اٹماسفیر کے اثر سے گھڑی کے خراب ہوجانے کا احتمال ہے'' ظاہر ہے اس جملے میں کوئی ایسی قابلِ گرفت قباحت نہیں ہے، لیکن اسی متن کو اشاعتِ ثانی میں یوں لکھا گیا ہے: ''ورنہ احتمال ہے کہ گرد اور ذرّات اُس کے پرزوں میں گھس جائیں اور سیل اور اٹماسفیر کے اثر سے گھڑی خراب ہوجائے''۔

دونوں ہی مثالوں سے صاف طور سے واضح ہورہا ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد نے جو متن تحریر کیا تھا وہ اشاعتِ اوّل کے مطابق ہے۔ بعد میں مرتّب موعظہ نے اشاعتِ دوم میں جملوں کی درستگی اور عبارت کی سلاست کو مدّ نظر رکھتے ہوئے معمولی ترمیم واضافے کردیے ہیں۔ اب ایک طرف اشاعتِ اوّل کے غلط نامے کو سامنے رکھیے جہاں معمولی معمولی فروگذاشتوں کو بھی بہت احتیاط سے درست کیا گیا ہے (اس کی تفصیل اشاعتِ اوّل کے

ضمن میں گزر چکی ہے) اور اشاعتِ ثانی میں ان جملوں اور فقروں کے نئے نئے رنگوں کو ملاحظہ کیجیے۔ اشاعتِ اول کے احتیاط کی روشنی میں دل یہ بات تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا کہ اس کے باوجود بھی کتابت کی اتنی ساری غلطیاں متن میں باقی رہ گئی ہوں، رہوار بشریّت اس قدر بے لگام بھی نہیں ہوتا۔مزید یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ڈپٹی صاحب یہ خطوط قلم برداشتہ لکھتے تھے، مولوی بشیر الدین احمد نے خاتمۃ الطبع میں اس کا اعتراف کیا ہے: ''یہ خط کبھی اس غرض سے نہیں لکھے گئے تھے کہ پبلک میں لائے جائیں گے، بالکل پرائیوٹ نیچر کے تھے اور اسی وجہ سے قلم برداشتہ لکھے گئے تھے۔''[51] یوں بھی نجی خطوط میں اس قسم کی بے ترتیبی کا رہ جانا کچھ معیوب بات نہیں، اگر وہ زبان و بیان کے مسلّمہ اور اعلیٰ معیاروں پر کھرے نہیں اترتے، اس کے باوجود اُن کی سادگی اور اصلیت کا فطری حسن ان کی دل کشی اور دل آویزی میں رنگ آمیزی کرتا رہتا ہے۔

دوسری وجہ ''خطوں کی بے ترتیبی'' کی ہے، یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ اشاعتِ اوّل میں خطوں کی ترتیب و تنظیم کا کوئی نظام نہیں تھا۔ بس خطوں کو ایک طرف سے نقل کردیا گیا تھا، حالانکہ اس کے باوجود بیش تر مقامات پر نظم کی صورت موجود تھی، اس کے باوجود کچھ خطوط بے ترتیبی کا شکار ہو گئے تھے، کچھ خطوط کے درمیان امتیازی لکیر نہیں بنائی جاسکی تھی۔ اس دوسری اشاعت میں اس بے ترتیبی کو ختم کرتے ہوئے بہت ہی منظم طریقے سے خطوں کی ترتیب نو قائم کی گئی ہے، یہ ایک مستحسن قدم تھا۔

تیسری توجیہ جو مرتّبِ موعظہ نے بیان کی ہے وہ ''بعض ضروری امور کی متروکی'' سے تعلق رکھتی ہے۔ان ضروری امور کی متروکی کا احوال یہ ہے کہ اشاعتِ اوّل کے مقابلے اشاعتِ ثانی میں بیش تر اسمائے معرفہ کو محذوف کردیا گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سارے خطوط بے جان واقعات کے بیانیے معلوم ہوتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن ناموں کی موجودگی کی صورت میں ڈپٹی نذیر احمد، اُن کے مکتوب الیہ اور بہت سارے متعلّق افراد کے بارے میں قابلِ قدر معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں۔ اس کے علاوہ

---

51. موعظۂ حسنہ، خاتمۃ الطبع

بعض مصلحتوں کی وجہ سے جہاں کہیں ناموں کے محذوف کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے وہاں لفظوں اور جملوں کی اصلی ترتیب بھی متاثر ہوئی ہے اور بعض مقامات پر تغیر وتبدیلی کی کرشمہ سازی بھی ہوئی ہے؛ ایک دو مثالوں سے اس کی توثیق ہو سکے گی۔

اشاعتِ اوّل کی روشنی میں ڈپٹی نذیر احمد نے بہت سارے خطوط میں اپنے معاصرین کو بے تکلفانہ انداز میں یاد کیا ہے یعنی ان کا نام لکھتے وقت تعظیمی صورتوں کا خیال نہیں رکھا ہے؛ خط نمبر 106 میں سیّد احمد خاں کا تذکرہ کرتے ہوئے ہر جگہ انھیں ''سیّد احمد خاں'' لکھا ہے، اشاعتِ ثانی میں ایسے تمام مقامات پر ''صاحب'' کا اضافہ کردیا گیا۔ حالانکہ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جب ڈپٹی صاحب نے بعض اسمائے معرفہ کے ساتھ تعظیمی صورتوں کو برتا بھی ہے مثلاً ''مولوی احمد حسن صاحب'' (خط نمبر 49)، ''مولوی محمد کریم بخش صاحب'' (خط نمبر 54) اور ''ڈاکٹر محمد شائق صاحب'' (خط نمبر 98) اس لیے ان سے یہ نتیجہ نکالنا مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ڈپٹی صاحب مذکورہ مقامات پر تعظیمی صورت استعمال کرنا بھول گئے ہوں گے یا اس بے ادبی کے لیے کاتب کا قلم ذمّے دار ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ان تمام مقامات پر، بعض جگہوں پر تعظیمی صورتیں موجود ہیں اور بعض میں تعظیمی صورتوں کو دیدہ ودانستہ نہیں لکھا گیا؛ مکتوب نگاری کا بے تکلفانہ انداز بھی اس کی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔

خط نمبر 58 میں ایک بہت دل چسپ صورتِ حال سامنے آئی، بطورِ مثال چند فقرے نقل کرنا غیر مناسب نہیں ہوگا:

(ایک صبیح نوجوان، طنبورچیوں کی سی پوشاک، بے باک مرآۃ العروس کی ہنسی اُڑا رہے ہیں: اول)، (ایک جوان صبیح بے باکانہ مرآۃ العروس کی ہنسی اُڑا رہے ہیں: ثانی)، (یہ وہی مہدی علی ہے جس نے خود مجھ کو کس تپاک سے اپنے گھر ٹھہرایا تھا کہ اب بالمشافہہ میری کتاب کی مخاصمانہ تفضیح کر رہا ہے: اول)، (یہ وہی مہدی علی ہیں جنھوں نے خود مجھ کو کس تپاک سے اپنے گھر ٹھیرایا تھا کہ اب بالمشافہہ میری کتاب کی تفضیح کر رہے ہیں: ثانی) ان دو مثالوں کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، قاری خود اس

بات کا احساس کرسکتا ہے کہ کہاں آتش نوائی کا یہ گرم گرم آہنگ اور کہاں مصلحتوں کے احساس تلے دبے دبائے بے جان جملے جن میں شدتِ جذبات کی کوئی گرمی نہیں، مزاج کے تیکھے پن اور فطرتِ انسانی کے خاصے کی کوئی باس نہیں۔ چند فقروں کی تبدیلی نے پورے خط کے آہنگ کو کیسا بے نور بنا دیا ہے۔

اپنی ان خامیوں اور مصلحت کے تحت روا رکھی گئی تبدیلیوں کے باوجود بہت ساری دوسری خوبیوں کی بدولت اس نسخے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ خطوط کی کثرت اور تدوین کے بیش تر اصولوں کی پابندی نے اس نسخے کی اہمیت کو دوچند کردیا ہے۔ یہ نسخہ انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی کی امانت ہے، اور میں نے اس کے عکس سے استفادہ کیا ہے۔ اس نسخے کے لیے (ن) کی علامت وضع کی گئی ہے۔

نسخۂ بشیر (ب) یہ نسخہ مولوی بشیرالدین احمد نے پہلی بار اپنی نگرانی میں طبع کرایا تھا۔ اس نسخے کی اہمیت یوں بھی دوچند ہوجاتی ہے کہ اِس کو اُس شخص نے زیورِ طبع سے آراستہ کرایا تھا جو خود اِن خطوط کا مکتوب الیہ تھا۔ یہ نسخہ 1919 میں شائع ہوا تھا جو مطابق ہے 1337 ہجری کے۔ اس کی اطلاع کتاب کے سرورق پر دی گئی ہے، اس طرح کہ دو الگ الگ مقامات پر "1919 / چوتھی بار/ 1337ھ" درج کیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ" (کذا) جی اینڈ سنز، برقی پریس دہلی محلہ چوڑی والان میں چھپا" اُس وقت اِس کی ایک ہزار جلدیں شائع ہوئی تھیں۔

اس مجموعے میں دیباچوں اور تقریظات کی تفصیل درج ذیل ہے:

دیباچۂ طبع ثانی (ص 1)
تقریظات (ص 2 تا 9)
دیباچۂ طبع اوّل (ص 9 تا 11)

صفحہ نمبر 12 سے خطوط کی ابتدا ہوتی ہے اور یہ سلسلہ صفحہ نمبر 180 پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ صفحہ 181 تا 185 مولوی بشیرالدین احمد کا تحریر کردہ خاتمۃ الطبع ہے۔ خاتمۃ الطبع کے زیریں دائیں طرف "شعبان المعظم 1337ھ/ مئی 1919" کی تاریخ مندرج ہے

بائیں طرف ''خاکسار/ (میاں) بشیر'' لکھا ہوا ہے۔کتاب کے اخیر میں کوئی غلط نامہ موجود نہیں ہے۔

تدوین کے نقطۂ نظر سے اِس نسخے کی حیثیت بنیادی ہونی چاہیے تھی، وہ یوں کہ مکتوب الیہ خود اِس کے مرتب تھے یا کم از کم تدوین کے دوران اِس نسخے کی اہمیت مسلّم ہونی چاہیے تھی لیکن دونوں حیثیتوں سے یہ نسخہ کم عیار ثابت ہوا؛ اور اس کی وجہ یہ رہی کہ مولوی بشیرالدین احمد نے جس نسخے کو سامنے رکھ کر یہ اڈیشن تیار کیا، وہ اس کی تیسری اشاعت تھی جسے 1331 ھ میں نذیر حسین صاحب تاجرِ کتب نے اپنے اہتمام سے نکالا تھا۔ اس اہتمام کی حقیقی صورتِ حال کیا تھی، خود مولوی بشیرالدین احمد نے تفصیل سے اس کا بیان کیا ہے:

> نذیر حسین کوئی ذی علم آدمی نہ تھے؛ ایک کتب فروش کے لیے ایک چٹھی رساں کی طرح صرف کتاب کا نام پڑھ لیناان کی تجارتی اغراض کے لیے کافی تھا، اور یہی اُن کا مبلغِ علم تھا؛ اور پھر بصارت سے معذور۔ اُنھوں نے کتاب کو چھپوایا نہیں، غارت کیا۔[52]

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

> غرض مجھ کوعلم نہ تھا کہ اِس کتاب کو اِس بے پروائی سے چھاپا گیا ہے، اور اِس میں ایسی فاحش غلطیاں اور بھونڈی فروگزاشتیں ہیں کہ جن غلطیوں سے مصنف منع کرتا ہے وہی اِس میں جا بہ جا موجود ؛ اور تو اور صفحے کے صفحے الٹ پلٹ، رو ایک ہے اور پشت پر غیر متعلق صفحہ کہیں کا کہیں چھپا ہوا ہے۔[53]

جس نسخے کی بنیاد ایسے نسخے پر رکھی گئی ہو، جس کے ثقہ پن اور اعتماد کا یہ حال ہو تو پھر اُس نسخے کو بنیادی حیثیت دینا تدوین کے اصول کی واضح خلاف ورزی ہے۔ اس

---

52. موعظۂ حسنہ، خاتمۃ الطبع

53. ایضاً

نسخے کو بنیادی حیثیت تو دی ہی نہیں جاسکتی، تدوین کے دیگر معاون امور میں بھی اس نسخے پر کم سے کم اعتماد کیا جانا چاہیے۔ تصحیح متن کے سلسلے میں اس نسخے کی کارکردگی بے معنی ہے۔ چونکہ مولوی بشیرالدین احمد کے پاس اصل خطوط موجود نہیں تھے جن کی مدد سے وہ ان اغلاط کو درست کر سکتے، اس لیے متن کی تصحیحات کے سلسلے میں بھی اس نسخے سے کوئی مدد نہیں لی جاسکتی۔ اس کا اعتراف خود مولوی بشیرالدین احمد نے خاتمۃ الطبع میں کیا ہے، وہ رقم طراز ہیں:

> چونکہ سب خطوں کو میں نے جان کے برابر لگا رکھا تھا، گٹھے کا گٹھا اُن کے حوالے کیا اور انھوں ہی نے اِن خطوں کو کتاب کی شکل میں مدوّن کر کے 1887 میں بلا کسی قسم کی ترمیم وتبدیل کے اصلی حالت میں قومی پریس لکھنؤ میں چھپوایا۔[54]

اس عبارت سے یہی نتیجہ اخذ کیا جانا چاہیے کہ اصل خطوط اب مولوی بشیرالدین احمد کی تحویل میں نہیں رہ گئے تھے اور (ظاہر ہے کہ) ان کی عدم موجودگی کی صورت میں انھوں نے اپنی یادداشت، صواب دید اور سیاق وسباق کی مدد سے ان خطوط کی تصحیح کا کام مکمل کیا ہوگا، وہ لکھتے ہیں: "میں دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ چوتھا ایڈیشن بالکل اغلاط سے پاک وصاف ہے، مگر ہاں یہ ضرور ہے کہ تیسرے ایڈیشن سے پچھتّر فی صدی غلطیاں تو اِس میں ضرور کم ہیں اور میں اسے بھی غنیمت سمجھتا ہوں۔ غرض نذیر حسین کی چھپوائی ہوئی موعظۂ حسنہ اور اِس میں وہی فرق ہے جو ایک کرایے کے لدّو ٹٹو اور ذاتی اسپ راہوار میں ہوتا ہے"[55] جس نسخے کی اساس اتنے کم عیار اور غیر محتاط اڈیشن پر رکھی گئی ہو اور جس کی تصحیح یادداشت اور صواب دید کی مدد سے کی گئی ہو تو ظاہر ہے تدوین کے عمل میں اس طرح کے نسخوں پر اعتبار کرنا تحریف کے عمل کو جواز بخشنے کے مرادف ہے۔

اشاعتِ اول اور اشاعتِ ثانی کے متن کے مقابلے میں اس نسخے میں بہت سارے

---

54. موعظۂ حسنہ، خاتمۃ الطبع
55. ایضاً

مقامات پر اختلافِ نسخ کی صورت موجود ہے، اور یہ کچھ غیر فطری بھی نہیں؛ چونکہ یہ نسخہ ایک تیسرے نسخے کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے اس لیے ایسا ہونا عام بات ہے۔ میں محض چند مثالوں سے اس کو ثابت کرتا ہوں؛ ان جملہ مقامات پر اشاعتِ اول وثانی کا متن یکساں ہے اور نسخۂ بشیر کا متن مختلف؛ بریکٹ کے اندر جو متن ہے وہ اشاعتِ اول و ثانی کا ہے۔

تین چار گھنٹے (تین گھنٹے چار گھنٹے:خط 1)، سنی (سنا:خط 3)، ... کے پاس چٹھی بھیجنا کیا معنی (... کے پاس چٹھی کا بھیج دینا کیا معنی: خط 10)، خط کی عبارتِ فارسی ایسی ہے کہ اس کو بہ آسانی سمجھوگی (خط عبارتِ فارسی میں ہے لیکن وہ فارسی ایسی ہے کہ تم اُس کو بہ آسانی سمجھوگی:خط 12)، بہت رہا تو گرمیوں گرمیوں (بہت رہا تو گرمی بھر:خط 12)، آج ایک ہفتہ کے بعد تمھارا خط ملا ہے (ایک ہفتے سے تمھارا خط بند ہے: خط 14)، اوروں (دوسروں: خط 30)، کبھی کوئی گرانی کو یاد بھی نہیں کرتا (کبھی کوئی گرانی کا نام بھی نہیں لیتا: خط63)

ان چند مثالوں کے علاوہ ایک جگہ جملوں کو دودو بار لکھا گیا ہے(خط79) اس کا مطلب یہ ہے کہ پروف پڑھنے میں بھی تساہلی اور غفلت شعاری کو راہ دی گئی ہے، بعض ایسے مقامات بھی ہیں جہاں لفظوں کی نئی نشست سے جملے کی ساخت تبدیل ہوئی ہے اور نتیجتاً جملہ بے ربط ہوکر رہ گیا ہے (خط 106)

ان تمام باتوں کے باوجود اس نسخے کی اہمیت یوں ہے کہ حواشی میں بعض مقامات پر مولوی بشیرالدین احمد نے کچھ فقرے توضیحِ مطلب کے لیے بڑھا دیے ہیں؛ وہ لکھتے ہیں: ''اِس وجہ سے میں نے نفسِ کتاب میں سوائے اِس کے کہ چند نوٹ توضیحِ مطلب کے لیے بڑھا دیے ہیں اور کچھ اضافہ نہیں کیا۔''[56] ان اضافہ شدہ فقروں اور نوٹ کی وجہ سے بہت ساری معلومات جو شاید پردۂ خفا میں رہ جاتیں، آج ڈپٹی نذیر احمد کے قارئین کے سامنے ہیں۔ اسی خوبی کی وجہ سے اس نسخے کو تدوین کے عمل میں شامل کیا گیا ہے۔فی الحال یہ نسخہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کی امانت ہے۔اس کی علامت (ب) مقرر کی گئی ہے۔

56. موعظۂ حسنہ، خاتمۃ الطبع

نسخۂ رام پور (م)　　تدوین اور تصحیح متن کے نقطۂ نظر سے تو اِس نسخے کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، یوں کہ یہ ایک موخر نسخہ ہے۔ نسخۂ ثانی سے موازنے کے بعد یہ ثابت ہوا کہ یہ نسخہ اشاعتِ دوم کے متن پر مبنی ہے۔ یہ نسخہ بشیر الدین احمد کے بڑے صاحب زادے منذر احمد (صاحب طرز خاکہ نگار شاہد احمد دہلوی کے بڑے بھائی) نے اپنے سعی و اہتمام سے دلّی پرنٹنگ پریس ورکس ، دہلی میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ سرورق کی اطلاع کے مطابق یہ آٹھواں اڈیشن تھا جو 1936 میں منظرِ عام پر آیا؛ اُس وقت اِس کی ایک ہزار کاپیاں طبع ہوئی تھیں۔

اس نسخے میں صفحہ 1 سے 12 تک تین تقریظیں (مولوی سیّد محمد خاں صاحب، مولوی محمد حسین آزاد کی تقریظیں اور مرتّب موعظہ کی منظوم تقریظ) ہیں، اور مرتّب موعظہ یعنی مولوی عبد الغفور شہبازؔ کا دیباچہ ہے۔ اصل خطوط کا سلسلہ صفحہ نمبر 13 سے شروع ہوتا ہے اور یہ سلسلہ صفحہ نمبر 212 پر اختتام پذیر ہوا ہے۔ صفحہ 213 سے 216 تک مولوی بشیر الدین احمد کا 'خاتمۃ الطبع' ہے جس پر 'دہلی مئی 1921 ' کی عبارت رقم ہے۔ ایک آخری صفحہ جس کو پاورق کہنا چاہیے، اس پر بہت جلی لفظوں میں ''اعلان/ یہ کتاب بموجب کاپی رائٹ ایکٹ 1914 رجسٹری شدہ ہے اور جملہ حقوق بنام منذر احمد محفوظ ہیں۔'' لکھا ہوا ہے۔ فی الوقت یہ نسخہ رام پور رضا لائبریری کی امانت ہے اور میں نے اس کے عکس سے استفادہ کیا ہے۔

اس نسخے کا احوالِ واقعی یہ ہے کہ یہ نسخہ اشاعتِ ثانی کے متن سے بطورِ عموم مطابقت رکھتا ہے، اس کے باوجود، تقابل کے دوران، بہت سارے ایسے مقامات کی نشان دہی ہوسکی جس سے کاتب کی بے پروائی اور اس کی سہل انگاری کا ثبوت ملتا ہے۔ عام طور سے حرفوں، لفظوں اور کہیں کہیں جملوں کو چھوڑ دیا گیا ہے، بہت سارے مقامات ایسے بھی ہیں جہاں اپنی سمجھ اور دانست کے بہ قدر حرفوں ، لفظوں اور کہیں کہیں جملوں کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر حروف اور لفظوں کی تقدیم وتاخیر بھی ہوئی ہے، ظاہر ہے یہ سب کاتب کی کرشمہ سازی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ میں بہ طورِ مثال ابتدائی چند خطوط سے مثالیں پیش کرتا ہوں تاکہ صورتِ حال مزید واضح اور روشن ہوسکے۔

پہلے اُن عبارتوں کا ذکر جہاں حروف اور الفاظ حذف کیے گئے ہیں:

انگریزی(میں) خط، مشکل کام(ہے)، بڑی(ضروری) اور مفید
چیز، تم(صرف) اعمال، ہر(چند) انگریزی

جو الفاظ بریکٹ کے اندر درج کیے گئے ہیں وہ اس نسخے میں موجود نہیں ہیں۔

عبارت کے وہ حصے جہاں حروف اور الفاظ کے اضافے کیے گئے ہیں:

اور (وہ) انگریزی کے، میں آیا (تھا)، کتاب اور پتھر برابر (ہوجائے)، اس
(بات) کا خیال رکھو، صرف (اتنے دن) کے، (کسی نے) کسی لفظ

عبارتِ بالا میں جو الفاظ بریکٹ کے اندر لکھے گئے ہیں وہ سب بعد کا اضافہ ہیں، اور اشاعتِ ثانی میں موجود نہیں۔

چند مقامات ایسے ہیں جہاں جملوں کی ساخت میں تبدیلی کا عمل دخل بھی رہا ہے، خط نمبر 10 میں ایک جملہ یوں لکھا گیا ہے: ''چٹھی لکھنا کیا معنی'' جبکہ اشاعتِ دوم میں یہ یوں موجود ہے: '' چٹھی کا بھیج دینا'' خط نمبر 14 میں ایک جملہ یوں لکھا گیا ہے: ''آج ایک ہفتہ کے بعد تمھارا خط ملا ہے'' یہ جملہ اشاعتِ دوم میں اس طرح ہے: ''ایک ہفتے سے تمھارا خط بند ہے'' یہ چند مثالیں محض اس لیے پیش کی گئی ہیں کہ اِس بات کا اندازہ ہو سکے کہ دوم کی پیروی کے باوجود اس نسخے میں جزوی اختلافات باقی رہ گئے ہیں۔

کتابت کی روش کا احوال یہ ہے کہ لفظوں کو عام طور سے ملا کر لکھا گیا ہے، یہ اُس زمانے کی روش اور چلن کا عام انداز تھا، مثلاً پہنچگیا، اسکی، ہوجائیگی وغیرہ؛ اس کے ساتھ ہی ساتھ لفظوں کو علاحدہ علاحدہ لکھنے کی مثالیں بھی کثرت سے موجود ہیں؛ غرض یہ کہ اس سلسلے میں کسی اصول کی پیروی نہیں کی گئی اور نیرنگی کے لیے کافی گنجائش نکل آئی۔ اسی طرح بعض ایسے الفاظ بھی ہیں جو ایک ہی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں کسی ایک قاعدے کی پابندی کی جانا چاہیے تھی، مگر ان میں بھی عجیب قسم کی رنگا رنگی پائی جاتی ہے مثلاً: جماعۃ، مصیبۃ، مہارت، نہایت وغیرہ، جبکہ قاعدہ یہ تھا کہ ان تمام الفاظ کو یا تو تائے طولانی سے لکھا جاتا یا پھر تائے زائد سے۔

اِسے مخلوط اور ہائے ملفوظ میں بیش تر مقامات پر کوئی امتیاز نہیں برتا گیا، اور اس سلسلے میں بے ترتیبی کا احساس ہوتا ہے مثلاً: پڑھو، پڑہو: انہیں، انھیں: سنبھالتا، بٹھادیں۔ تمھاری اور تمہاری؛ غرض یہ کہ اس قسم کی مثالیں بہ کثرت موجود ہیں اور کاتب کی بے احتیاطی اور طبیعت کی نیرنگی کی غمازی کرتی ہیں۔

اس نسخے میں ایک عجیب صورت سامنے آئی ہے، اشاعت دوم میں اشاعت اوّل کے اسمائے معرفہ کو محذوف کرتے ہوئے ان کی جگہ پر ...کا نشان لگایا گیا تھا، اس اشاعت میں ایسے بیش تر مقامات پر اس مخصوص نشان لگانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اور اسے بھی محذوف کرتے ہوئے عبارت کو مسلسل کردیا گیا ہے، ایسا کرنے کی وجہ سے کہیں کہیں عبارت بے ربط اور بے معنی ہوگئی ہے۔

اس کے باوجود اس نسخے میں اعراب نگاری اور توقیف نگاری کا اہتمام کیا گیا ہے مگر پابندی کی وہ روش نہیں جو اشاعتِ دوم کا خاصہ ہے، رموزِ اوقاف کے لیے ہر جگہ ڈیش کا استعمال کیا گیا ہے خواہ وہ کاما، سیمی کولن، یا کسی اور علامت کا محل ہی کیوں نہ ہو۔

اس نسخے کی ایک خاص اہمیت یہ ہے کہ اس میں مولوی بشیر الدین احمد کا تحریر کردہ 'خاتمۃ الطبع' ہے جو کتاب کے اخیر میں شامل کیا گیا ہے، یہ خاتمہ ایسے بہت سارے امور سے پردہ اٹھاتا ہے، تدوین کے نقطۂ نظر سے جن کی خاص اہمیت ہے۔ حالانکہ اس خاتمے سے بعض بہت ضروری اور اہم حصوں کو محذوف کردیا گیا ہے جو کتب فروش نذیر حسین کے معاملات سے متعلق تھے۔ میرا خیال ہے کہ بعض مصلحتوں کے پیش نظر ایسا کیا گیا ہوگا۔ بہر حال وہ خاتمہ اپنی مکمل صورت میں نسخۂ بشیر کے مطابق اس کتاب میں شامل کردیا گیا ہے۔ اس نسخے کی علامت (م) متعین کی گئی ہے۔

نسخۂ لاہور (ت) میری معلومات کے مطابق یہ اب تک کا موخر ترین نسخہ ہے جسے مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور نے 'اردو کا کلاسیکی ادب' کے تحت 1956 میں شائع کیا تھا۔ ترتیب متن کے سلسلے میں تو اس کی کچھ خاص اہمیت نہیں ہے کیونکہ اس کے متن کی بنیاد بھی دراصل نسخۂ ثانی ہے لیکن یہ نسخہ ماقبل نسخوں سے اس معنے میں ممتاز ہے کہ اس میں اعراب

نگاری اور توقیف نگاری کا اہتمام سب سے زیادہ ملتا ہے اور رموزِاوقاف کی بیش تر علامتوں کا استعمال کیا گیا ہے۔

اس نسخے کی صورت یہ ہے کہ سرورق کے بعد فہرستِ مضامین کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو صفحہ 14 تک محیط ہے، اس کے بعد نئے نمبر شمار سے افتخار احمد صدّیقی کا مقدّمہ شامل کیا گیا ہے جو صفحہ 24 تک پھیلا ہوا ہے۔ مقدّمے کے بعد مرتبِ موعظہ: مولوی عبدالغفور شہبازؔ کا دیباچہ ہے، یہ وہی دیباچہ ہے جو پہلی اشاعت کے شروع میں شامل کیا گیا تھا۔ اس کے بعد 'دیباچۂ طبعِ ثانی' کے عنوان سے ایک مختصر تحریر ہے جو اشاعتِ ثانی کے لیے تحریر کی گئی تھی؛ پھر اِس کے بعد ایک نئے نمبر شمار سے اصل خطوط کو شروع کیا گیا ہے اور صفحہ 243 تک خطوط کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ پوری کتاب صفحہ 261 پر اختتام پذیر ہوئی ہے، گویا صفحہ 243 سے آگے تقریظات ہیں جو ماقبل نسخوں میں بھی موجود ہیں البتہ اس نسخے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ مرتّب نے 'ضمیمہ' کے عنوان سے اشاعتِ اوّل کے اُن خطوں کو بھی شامل کر دیا ہے جو بقول مرتّبِ اوّل (مولوی عبدالغفور شہبازؔ) کسی مصلحت کی وجہ سے شامل نہیں کیے جا سکے تھے۔اس بات کا ذکر یہاں نامناسب نہیں ہوگا کہ اس نسخے میں مرتّب نے اشاعتِ اوّل کے متروک خطوط کو صرف شامل کر دیا ہے، باقی اشاعتِ اوّل سے کسی اور طرح کے استفادے کو ترجیح نہیں دی گئی۔

نسخۂ لاہور کو سردار مسیح گِل نے مرتّب کیا ہے۔یہ نسخہ ٹائپ کے حروف میں کمپوز کیا گیا ہے یعنی خطِّ نسخ میں ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اس نسخے میں اعراب نگاری اور توقیف نگاری کی بہت حد تک پابندی کی گئی ہے اور توقیف نگاری کی بیش تر علامتوں کو شاملِ متن کیا گیا ہے جس سے تفہیمِ متن میں مزید آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں۔لفظوں کے املا میں یکسانیت کو لازم رکھا گیا ہے۔ چونکہ اِس نسخے کا متن نسخۂ ثانی کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے اِس لیے اِس کا متن بیش تر مقامات پر اشاعتِ ثانی کے مطابق ہے لیکن بعض بعض مقامات پر لفظوں کو نقل کرنے میں بے احتیاطی بھی راہ پا گئی ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ نظر چوک گئی ہے بعض حروف اور الفاظ نقل ہونے سے رہ گئے۔ کہیں کہیں تو بشریّت کی کرشمہ

سازیوں سے بھی روبرو ہونا پڑا، یعنی جملے تک سے نگاہ چوک گئی۔ میں بطور مثال ابتدائی چند صفحات سے بعض مثالیں نقل کرتا ہوں، اس کا تفصیلی بیان تو اختلافِ نسخ کے ذیل میں کیا جاسکے گا۔ بریکٹ میں جو لفظ ہیں وہ اشاعتِ ثانی سے ماخوذ ہیں۔

تین چار گھنٹے (تین گھنٹے چار گھنٹے)، ہر لفظ (ہر ہر لفظ)، بے عزتی (بے غیرتی)، اسکلے ڈھسکے (اکے ڈھکے)، پھٹ پڑے (بھٹ پڑے) اور عجیب (عجب) وغیرہ۔

تدوین کے نقطۂ نظر سے اس نسخے کو اس بنا پر شامل کیا گیا ہے کہ یہ نسخہ تدوین، اعراب نگاری اور توقیف نگاری کے جدید تر اصولوں سے مزیّن ہے۔ نسخۂ ثانی کے برعکس بعض مقامات پر نئی پیراگراف بندی کا اہتمام بھی ملتا ہے لیکن اس کی مثالیں بے حد کم ہیں۔ املا کے نظریے سے دیکھا جائے تو اس میں کوئی خاص بات نہیں، نسخۂ ثانی کے املا کی پابندی بطورِ عموم کی گئی ہے۔ اس نسخے کے لیے (ت) کی علامت اختیار کی گئی ہے۔

نذیر احمد کے املائی اختصاصات

مولوی نذیر احمد نے زبان، قواعد اور املا کے اصولوں پر مشتمل چند رسالے تصنیف کیے تھے۔ اس لیے ان موضوعات پر ان کی نظر بہت گہری تھی۔ وہ املا اور قواعدِ زبان کے بیش تر مسائل سے نہ صرف آگہی رکھتے تھے، بلکہ ان کے بارے میں ایک واضح تصور اور نقطۂ نظر کی ترجمانی بھی کرتے تھے۔ زبان کو سائنٹفک طور سے سیکھنا سکھانا ان کی ترجیح میں شامل تھا۔ چنانچہ موعظۂ حسنہ میں بھی متعدد مقامات پر تلفظ، املا اور قواعدِ زبان کے بارے میں اظہارِ خیال ملتا ہے۔ ان کی دیگر تحریروں میں بھی یہ مباحث بہت وضاحت سے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہاں مختصراً نذیر احمد کے املائی اصولوں کو وضاحت کی غرض سے پیش کیا جاتا ہے۔

نذیر احمد فارسی میں وجودِ ذال کے قائل نہیں تھے، غالبؔ بھی ایسا ہی مانتے تھے۔ ایک خط میں نذیر احمد رقم طراز ہیں:

تم نے صرف ونحوِ فارسی میں پڑھا کہ فارسی میں ذ نہیں تو 'گذارش' نہیں 'گزارش' چاہیے۔[57]

ایک زمانے تک اعراب بالحروف کی صورت اردو میں مروّج تھی، یعنی پیش کی جگہ واو، اور زیر کی جگہ ی لکھنے کا چلن تھا، مثلاً پھونچا اور ایدھر، لیکن نذیر احمد اس کے قائل نہیں تھے۔ میاں بشیر کے نام ایک خط میں رقم طراز ہیں:

حرکات بالحروف اردو میں نہیں تو اوس بالواو کیوں اور اوس ہو تو اِس کی جگہ ایس کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اُٹھانا وغیرہ، لیکن ایک غلط دستور واو لکھنے کا رواج پا گیا ہے۔ تم چاہو دستورِ غلط کی تقلید کرو یا پابندِ صحت ہو کر ترکِ واو کا التزام رکھو۔[58]

یائے معروف اور یائے مجہول کو بھی بغیر کسی امتیاز کے لکھنے کی روایت تھی، مگر نذیر احمد نے بہت وضاحت سے ان کے امتیاز کو بیان فرمایا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

ی تین قسم کی ہے۔ یاء معروف، مثلاً آرسی، لاٹھی؛ اور یاء مجہول، مثلاً تم نے، واسطے؛ اور یاء ماقبل مفتوح جس کے پہلے زبر ہو۔[59]

یہی معاملہ نون کا بھی تھا، یعنی نونِ ظاہر اور نونِ غنہ میں بھی کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ نذیر احمد کی رائے اس سلسلے میں بھی بہت واضح تھی اور وہ ان کے درمیان فرق کو مانتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

نون دو قسم کا ہے ایک غنہ جیسے میں، کہاں، اور دوسرا نونِ ظاہر مثلاً تین، ساون، اور اس کے لکھنے کی روش کے بارے میں فرماتے ہیں:
"...اور اب لوگ یوں بھی فرق کرنے لگے ہیں کہ نونِ ظاہر کے پیٹ میں نقطہ دیتے ہیں، غنہ میں نہیں۔[60]

---

57. موعظۂ حسنہ، خط 3
58. موعظۂ حسنہ، خط 15
59. رسم الخط، ص 27
60. رسم الخط، ص 27

اسی طرح ہائے ملفوظ اور ہائے مخلوط (دوچشمی ھ) میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ یہ نکتہ بھی ان کے ذہن میں بہت صاف تھا۔ لکھتے ہیں:

> ہر چند ہ اور دوچشمی ھ حرفِ واحد ہے، لیکن ایسا دستور ٹھہر گیا ہے کہ ہاءِ مخلوط میں ہمیشہ دوچشمی ھ لکھی جائے، مثلاً تھا، تھان، بھائی۔[61]

لفظ 'توتا' اور 'تیار' کی وضاحت کرتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں:

> میں طیار اور طوطا کو رؤیہ راہ سمجھتا ہوں۔ ہندی لفظ ہیں جن کا ماخذ عربی میں نہیں۔ فارسی میں طوطی دوسرا جانور ہے، لیکن اگر کوئی توتا اور تیار لکھ دے تو غلط نہیں کہا جاسکتا۔[62]

عربی حرف (ت اور ۃ) کے بارے میں بھی ان کی ایک رائے تھی، ایک خط میں لکھتے ہیں:

> واضح ہو کہ سوائے الفاظِ عربی کے گول ۃ لکھنی روا نہیں، کیوں کہ یہ رسم الخط عربی کی ہے اور بس۔ پس عجمی الفاظ میں ہمیشہ لمبی ت لکھنی ہوگی، جیسے بت، آتش پرست، مست، ہمالیہ پربت، سورت، مورت۔ عربی میں صرف چار قسم کی ت لمبی لکھی جاتی ہے.... ان چار قسموں کے علاوہ جتنی تیکیں ہیں، سب کو مختصر یا گول لکھنا ہوگا۔[63]

اس اصول کی روشنی میں اب ایسے الفاظ جن میں تائے زائدہ ہے، گول ۃ سے لکھی جائے گی۔ اس اصول پر نذیر احمد اخیر تک عمل پیرا بھی رہے تھے۔ چنانچہ نذیر احمد کے خطوط کے عکس سے اس کی شہادت حاصل کی جاسکتی ہے، جس میں انھوں نے ''بخدمۃ، مدۃ، مراسلۃ، حالۃ'' جیسے لفظوں کو اسی انداز سے تحریر کیا ہے۔ (اب موجودہ متن میں اصلاحِ املا کے عمومی طریقے کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسے سبھی لفظوں کو لمبی ت سے لکھا گیا ہے۔

---

61. رسم الخط، ص 27
62. موعظۂ حسنہ، خط 24
63. موعظۂ حسنہ، خط 27

سبب اس کا یہ ہے کہ عربی رسم الخط کا یہ انداز اب اردو میں غیر معروف ہے، لیکن جہاں کہیں بھی گول ۃ کا استعمال عربی عبارتوں کے درمیان میں ہوا ہے، پابندی کے ساتھ نذیر احمد کے اس اصول کو لازم کیا گیا ہے۔)

املا کے علاوہ کتابت کی روش پر بھی ان کی نگاہ تھی، اور وہ اس پر سائنسی انداز سے غور وفکر کرتے تھے۔ چنانچہ مرکب لفظوں کو علاحدہ علاحدہ لکھنے کی تلقین کرتے ہیں:

> پس ایسے الفاظ جن لفظوں سے مرکب ہیں، سب بطور کلمۂ جداگانہ لکھنے ہوں گے، مثلاً زود رنج، سادہ لوح، خوش مزاج، ہل چل[64]

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

> یہ سب جدا جدا کلمے ہیں، اور ترکیب بھی ہر کلمے کی جدا ہے، یعنی ایک کلمے کو دوسرے کلمے سے ہمیشہ جدا لکھنا ہوگا۔ اگر دو جدا کلموں کو کوئی ملا ہوا لکھ دے تو غلطی ہے[65]

ایک خط میں بشیر الدین احمد کو نصیحت فرماتے ہیں:

> تم نے ایک خط میں "جنابمن" لکھا۔ جناب اور من دو کلمے جداگانہ ہیں، اُن کا ملانا خلافِ قاعدہ۔[66]

اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ حرفوں، لفظوں کے تلفظ، املا اور ان کی روشِ کتابت پر نذیر احمد کا اپنا ایک انداز تھا۔ ان کی ایک رائے تھی اور یہ اندازِ نظر ترقی پسندی کی علامت تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج میں املا کے مسائل کو جس سائنٹفک انداز میں پیش کیا گیا تھا، نذیر احمد اس سے کماحقہٗ واقفیت رکھتے تھے۔

طریقِ کار

اس نسخے کی تیاری میں پانچ مختلف نسخوں سے مدد لی گئی ہے۔ بنیادی نسخے کے طور

64. رسم الخط، ص 24
65. رسم الخط، ص 24
66. موعظۂ حسنہ، خط 22

پر اشاعتِ دوم (ن) کو ترجیح دی گئی ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں اوّل کے مقابلے خطوط کی تعداد زیادہ تھی، مزید بعض دیگر اسباب کی وجہ سے اس کی حیثیت مسلّم ہے۔ لیکن جہاں اختلافِ متن کی صورت پیدا ہوئی ہے، وہاں بطورِ عموم ل کے متن کو ترجیح دی گئی ہے، اور متعلقہ تفصیلات کو اختلافِ نسخ کے ضمیمے میں شامل کردیا گیا ہے۔ ان سبھی امتیازات کو باقی رکھا گیا جو اشاعتِ ثانی سے مخصوص تھے، مثلاً ایک لفظ ہے : اور۔ ایک تو یہ حرفِ عطف کے طور پر استعمال ہوتا ہے جیسے: رات اور دن، اس کے علاوہ 'مزید' کے معنی میں بھی یہ لفظ آتا ہے، جیسے : پانی اور لاؤ۔ ن میں اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ جہاں یہ عطف کے طور پر استعمال نہیں ہوا ہے، وہاں اس لفظ کو 'اَور' لکھا گیا ہے۔ یہ ایک بہت مناسب بات تھی، اس کو باقی رکھا گیا۔

تشدید لگانے کو بھی ضروری سمجھتے ہوئے پورے متن میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ان لفظوں پر تشدید نہیں لگائی گئی جو بہت معروف ہیں۔ البتہ ایسے تمام الفاظ پر تشدید لگانے کو ضروری سمجھا گیا جن پر عدمِ تشدید سے معنی میں کسی قسم کے اشتباہ کی گنجائش نکل سکتی تھی۔ اسی طرح خاص لفظوں میں ضروری مقامات پر اعراب لگائے گئے ہیں۔ ضمائر پر زیر اور پیش کو بھی، جہاں جیسی ضرورت تھی، لگانے کا التزام کیا گیا ہے۔ جہاں اس بات کا شبہ ہوا کہ قاری کو یہاں لفظ کے صحیح تلفظ میں دشواری ہوسکتی ہے، وہاں آسان اور معروف لفظ ہونے کے باوجود اعراب لگانے کا اہتمام کیا گیا، خاص طور پر ایسے مقامات پر جہاں 'میں' اور 'مَیں' کے لفظوں میں التباس پیدا ہوسکتا تھا، وہاں لازمی طور سے 'مَیں' (واحد متکلم) کی میم پر زبر لگایا گیا ہے۔

چونکہ نذیر احمد کا مخصوص اسلوب قرآنی آیات، احادیث، ضرب الامثال، اشعار، عربی فارسی کے فقروں اور جملوں سے ترتیب پاتا ہے، اور حالات کی ستم ظریفی کی وجہ سے اب ایسے قاری ناپید ہوتے جارہے ہیں، جو اس عبارت کی قرأت درست طور سے کرسکیں۔ اس لیے ایسے لفظوں اور عبارتوں کو اعراب سے مزیّن کیا گیا، بعض دیگر مقامات پر بھی بہ قدرِ ضرورت اعراب لگانا مناسب تر معلوم ہوا۔ مزید عربی فارسی کی تمام عبارتوں کا ترجمہ بھی

لکھا گیا ہے، تا کہ ایک عام قاری بھی نذیر احمد کے پیغام کی روح تک رسائی حاصل کر سکے۔ اس کے علاوہ قرآن کی آیتوں، احادیث کے ٹکڑوں اور دیگر عربی اشعار وامثال کو اصل ماخذ (قرآن، حدیث، دواوین اور لغات) سے موازنہ کر درست عبارت کو درج متن کیا گیا۔

علامات اور رموزِ اوقاف کا استعمال عبارت کو درست طور سے پڑھنے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے یہاں بھی تمام اسمائے معرفہ پر لکیر کھینچی گئی ہے، اور ایسے عام لفظوں پر بھی جو اسمِ معرفہ کی حیثیت سے آئے ہیں، خط کھینچا گیا ہے۔ تخلص پر بت کا نشان باقی رکھا گیا۔ یہ واضح کردیا جائے کہ رموزِ اوقاف کے علاوہ بیش تر علامتیں ن کے متن میں اپنائی گئی تھیں۔ علامات کی طرز پر رموزِ اوقاف کے مروجہ نشانات (کاما، سیمی کالن، ڈیش، بیانیہ، ندائیہ، استفہامیہ، اضافت کا زیر) کو بھی بروئے کار لاکر عبارت کو سہل تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

ایک امر کی توضیح مزید کرنی مقصود ہے کہ موعظۂ حسنہ کی مختلف اشاعتوں میں سنہ عیسوی اور سنہ ہجری لکھنے کے بارے میں نیرنگی ملتی ہے یعنی عیسوی سنہ کے لیے ع، ء اور عیسوی تینوں ہی صورتیں ملتی ہیں اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔ تینوں صورتیں مستعمل اور معروف ہیں لیکن اس نسخے میں اختصار نویسی کو مدنظر رکھتے ہوئے، اور یکسانیت کی رعایت سے صرف ایک علامت (ء) کو اپنایا گیا ہے۔ یہی صورتِ حال ہجری سنین کے بارے میں بھی تھی کہ ہجری اور ھ دونوں علامتوں کا استعمال کیا گیا ہے، لہٰذا جو طریقہ عیسوی سنہ کی وضاحت کے لیے اختیار کیا گیا تھا، یعنی (ء) کا استعمال، وہی طریقہ ہجری علامت کے لیے بھی یعنی (ھ) کا استعمال مناسب خیال کیا گیا۔

ل میں ایک مقام پر عدد اور لفظ کے درمیان میں (/) کا نشان لگا ہوا ہے مثلاً ''۳/بتہ لگتا ہے'' اس رعایت سے بھی، اور یوں بھی قاعدہ یہ ہے کہ جب عدد اور لفظ ایک ہی جگہ مجتمع ہوجائیں تو علاحدگی اور امتیاز کے لیے ان کے درمیان اس علامت کو لگادیتے ہیں، اسی وجہ سے تمام متن میں عددوں اور الفاظ کو اس خاص نشان (/) کی مدد سے ممتاز کیا گیا ہے۔

کتاب میں فٹ نوٹ کے طور پر ان حواشی کو شامل رکھا گیا ہے جو حواشی عبدالغفور شہبازؔ نے لگائے تھے، اور بعض مقامات پر بشیر الدین احمد نے اس میں اضافہ کیا تھا۔ بشیرالدین احمد کے اضافے کو ممتاز رکھنے کی غرض سے اسے بڑے بریکٹ کے اندر درج کرتے ہوئے اس کے آگے 'بشیر' کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ جن قرآنی آیتوں اور احادیث اور اشعار کے ترجمے مرتبِ اوّل کی جانب سے کیے گئے ہیں، ایسے متعلقہ مقامات کی تخریج کرتے ہوئے حاشیے کے ساتھ ہی بریکٹ کے اندر ان کی نشان دہی کردی گئی ہے، اور جن عبارتوں، آیتوں، احادیث اور اشعار کے ترجمے میری طرف سے شامل کیے گئے ہیں ان کو ضمیمۂ دوم کے ایک ضمنی ضمیمے میں یکجا کردیا گیا ہے۔ اس ضمیمے کے دیگر مشمولات تلفظ اور املا، اختلافِ نسخ، تعلیقات اور فرہنگ پر مبنی ہیں۔ ضمیمۂ اول کے تحت ان تمام تحریروں کو یکجا کردیا گیا ہے، جو مختلف نسخوں میں دیباچہ، تقریظ یا خاتمۃ الطبع کے نام سے شائع ہوئی تھیں۔

اس کتاب کو تکمیل کی منزل سے ہم کنار کرنے میں بہت سارے محسنوں، کرم فرماؤں، دوستوں اور عزیزوں کا تعاون شاملِ حال رہا ہے۔ اس طرح کے کام درحقیقت ایک آدمی کی بساط کے ہوتے بھی نہیں۔ اس سلسلے میں سب سے اہم نام استاد پروفیسر حنیف نقوی مرحوم کا ہے۔ مرحوم موصوف نے اس کام کی مختلف دشواریوں کو نہ صرف آسان بنایا، بلکہ کام کرنے کے ڈھنگ اور طریقوں پر روشنی ڈالی۔ تدوین کی راہ میں پیش آنے والی بعض الجھنوں کو رفع کرنے میں مجھے استادِ محترم کا پورا تعاون حاصل ہوا۔ میرے دوست ڈاکٹر سلمان راغب نے میری خاطر سے بہت سارے سوالات کے جواب نقوی صاحب سے حاصل کرکے بھیجنے کی ذمہ داری کو بہ خوبی نبھایا۔ برادرم محفوظ الرحمان سلفی نے جامعہ سلفیہ بنارس کی لائبریری سے متعلقہ کتابوں کی تفصیلات اور مشمولات فراہم کیں، اور بعض ماخذ کی نشان دہی بھی کی۔

مختلف نسخوں کی فراہمی کے سلسلے میں بعض عزیزوں کی مہربانیاں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ عزیزی شاہنواز نے دلّی یونیورسٹی کی لائبریری سے ایک نسخہ بہم پہنچایا۔ محب مکرم ڈاکٹر

ابوسعد اصلاحی نے رام پور رضا لائبریری سے ایک نسخہ فراہم کر کام کو آسان بنایا۔ صولت پبلک لائبریری، رام پور کے ذمہ داروں نے کئی اہم کتابیں بڑے ہی اخلاص سے عنایت کیں۔ دارالمصنفین، اعظم گڑھ سے ایک اہم نسخے کو حاصل کرنے کا کام برادر مکرم اطہر پرویز نے انجام دیا۔ عربی کے خطوط اور عبارتوں کی اعراب نگاری اور بعض مقامات کی تفہیم میں برادر مکرم اسعد اعظمی نے بھرپور معاونت فرمائی۔ فارسی اشعار کا ترجمہ ڈاکٹر فخر عالم کی مدد سے کیا گیا۔ ضروری نسخوں اور معاون کتابوں کی فراہمی کے علاوہ کتاب کا پروف پڑھنے، اور اسے حسنِ ظاہری سے آراستہ کرنے میں فیضان سعید کی کوششوں اور خلوص کا میں تہ دل سے اعتراف کرتا ہوں۔ برادر عزیز محمد جابر زماں اور محمد انصر نے کتاب کو تکمیل کی منزل سے ہم کنار کرنے میں کئی طرح سے مدد فرمائی۔ مذکورہ افراد کے علاوہ انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی، اور دارالمصنفین اعظم گڑھ کے ذمہ داروں نے بھی مدد فرمائی۔ ان سبھی حضرات اور اداروں کا فرداً فرداً شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

فہرست خطوط موعظۂ حسنہ

خطوط

[خط: 1]

نورچشما! مَدَّ عُمْرَهٗ[1] وَ آتَاهُ اللّٰهُ نَصِیْباً وَّافِراً وَّ حَظًّا مُّتَکَاثِرًا مِّنَ الْعُلُوْمِ الْجَدِیْدَۃِ الْمُفِیْدَۃِ[2]

خدا کا شکر ہے کہ میں بدھ کے دن ۵/ جنوری کو مغرب سے پہلے اپنے مقام پر پہنچ

---

1. اُس کی عمر دراز ہو اور خدا اُس کو مفید نئے علوم سے ایک بہت بڑا حصہ عنایت فرمائے۔ ضمیر غائب سے مخاطب مراد ہے۔
2. علومِ جدید سے ریاضی کے تمام شعبے ہندسہ، جر ثقیل، انجینیرنگ اور علم کیمیا اور علم فلاحت اور علم طبیعیات اور علم طبقات الارض اور علم مناظرہ اور علم مائعات اور علم مقناطیس اور علم قوتِ برقی وغیرہا مراد ہیں جو یورپ میں پورے طور پر پڑھے پڑھائے جاتے ہیں اور یورپ کی تمام ترقی اور تہذیب اور خوش حالی اور ہنر مندی اور صناعی اور ایجادِ جی السلطنت ان ہی علوم کی وجہ سے ہے، ان کو جدید اس سے کہا جاتا ہے کہ بعض شعبے ڈیڑھ دو سو برس کے اندر اندر ابتداءً اہلِ یورپ نے دریافت کیے یا دریافت نہیں کیے تو ان میں اس قدر ترقی کی اور کر رہے ہیں کہ گویا علومِ جدید ہیں۔ خط ۵۹ میں بھی علومِ جدید سے بحث کی گئی ہے۔ جن کو خدا نے معاش کی عقلِ سلیم دی ہے وہ علومِ جدید کے ایسے قدر شناس ہیں کہ مولوی نذیر احمد صاحب اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے خدا سے ان کے حصول کی دعا کرتے ہیں، میں کہتا ہوں آمین! اور خدا دوسرے مسلمانوں کو بھی ایسی توفیق دے تا کہ مسلمانوں سے نکبتِ افلاس دور ہو۔

گیا۔[3] بلند شہر میں کہار، پالکی اور پنچھی رائے کے مکان پر دونوں گھوڑے، اور حاجی ہدایت اللہ کا ہاتھی، اور جھنجھانہ میں دوسرا ہاتھی؛ غرض ہر طرح کی پوری ڈاک موجود تھی۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ بیوی صاحب تشریف نہیں لائیں، اور تم بھی وہیں رہ گئے تو عملے اور نوکر اور پیادے اور مذکوری؛ سب کے سب افسردہ خاطر ہوئے۔ تم سے لوگ بہت مانوس تھے، اور تمھارے ساتھ نہ رہنے سے لشکر[4] سونا[5] معلوم ہوتا ہے۔ جب غیروں کا یہ حال ہو تو میرے دل کی کیفیت کا خدا کو علم ہے۔ میں نے نہایت مجبور ہو کر تم کو جدا کیا ہے۔ اِس واسطے کہ وقت[6] نکلا جاتا تھا، اور تمھاری انگریزی بدون مدرسے کے درست نہیں ہو سکتی تھی۔ خداوندِ کریم تمھارا حافظ اور نگہبان ہے۔

بشیر! خدا کے لیے اب پورا پورا شوق کرو۔ دو تین برس کی محنت ہے۔ بڑا مرحلہ[7] اِنٹرنس[8] کا ہے، اگر تم اِس میں کام یاب ہوئے تو یہ کام یابی اگلے امتحانوں میں تمھاری مددگار ہوگی۔ علم تو سب طرح کے ہیں، اور طالبِ علم کو لازم ہے کہ سب کی طرف برابر توجہ کرے، لیکن سب پر مقدّم اَدب[9] ہے، جس کو انگریزی میں لٹریچر کہتے ہیں، یعنی زبان دانی۔ کمالِ زبان دانی یہ ہے کہ تم کو اہلِ زبان کی سی قدرت حاصل ہو۔ اُس کی تدبیر یہ ہے کہ زبان دانوں کی عبارتیں یاد ہوں۔ جس طرح کے خیال اور مضمون کو، جس

3. مولوی نذیر احمد خاں صاحب ہمیشہ بیٹے کو ساتھ رکھتے تھے اور خود پڑھاتے تھے، اب بڑے دین کی چھٹی میں دورے پر سے بیٹے کو لے جا کر دہلی کے مدرسے میں داخل کرآئے۔
4. جو لوگ کسی حاکم کے ساتھ دورے میں ہوں عملے، نوکر چاکر، حشم خدم اہلِ مقدمات سب کے مجموعے کو لشکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
5. بہ واوِ معروف اُداس
6. یعنی تحصیلِ علم کا وقت
7. بڑی بھاری منزل
8. انٹرنس یعنی داخلے کا امتحان جس کے یہ معنی ہیں کہ آدمی یہ امتحان دینے سے زمرۂ طالب گارانِ علم میں داخل ہو جاتا ہے نہ گروہِ علما میں۔
9. ادب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آدابِ مجلس میں سے ادب اعظم گویائی ہے۔

پیرایے میں اہلِ زبان نے ادا کیا ہے، اُس کی تقلید[10] اور اُس کی نقل کرنی چاہیے۔ غرض زبان دانی کے لیے یادداشت شرط ہے۔ مُحاورات اور اَمثال[11] و حکایات اور لغت اور صِلوں کا استعمال، جن کو تم پری پوزشن[12] کہتے ہو، سب پیشِ نظر رہیں۔ جس تحقیق سے تم مجھ سے عربی پڑھتے تھے کہ ہر ہر لفظ کا مادّہ اور ماخذ[13] اور صیغہ[14] اور ترکیب[15]؛ کوئی بات چھوٹنے نہیں پاتی تھی، یہی تحقیق فارسی اور انگریزی کل زبانوں میں ہے۔ جب کسی کتاب کا سبق لے کر بیٹھو، خود لفظ لفظ پر نظر کرتے جاؤ۔ جب اِس اِنضباط سے دو چار کتابیں نکلیں، اچھی خاصی اِستعداد ہو جائے گی۔ زمانِ طالبِ العلمی میں ادبِ عربی کے متعلق مجھ کو دیوانِ متنبّی، سبعۂ معلّقہ، تاریخِ یمینی کے اکثر حصّے اور مقاماتِ حریری کے متعدّد مقامے اور دیوانِ حماسہ کے اکثر مقامات اور قرآن کی بہت سورتیں یاد تھیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر زبان میں اہلِ زبان کی بولی سند ہے، جس کو جتنا یاد اُسی قدر علمِ ادب میں اُس کی اِستعداد۔ سوائے زبان دانی دوسرا کوئی علم نہیں جس میں آدمی ساری عمر مشغول رہے۔ اِسی سبب سے ادب کی بڑی قدر ہے۔ اگر ادب اچھا ہے تو دوسرے علوم میں اگر کچھ خامی بھی ہو تو ممتحن درگزر کرتے ہیں۔ پار سال ہائی کورٹ[16] کے امتحان میں ایک بنگالی اوّل رہا۔ اگر چہ اُس کے قانونی جواب، سنا ہے کہ بہت عمدہ نہ تھے، مگر وہ تقریراً تحریراً انگریزی کا بڑا ادیب تھا۔

زبان دانی کی اِستعداد بے شک کتابوں کے ذریعے سے حاصل ہوتی، مگر اہلِ زبان سے گفتگو کرنا بھی ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ اِسی واسطے میں نے تم کو بدرسے میں چھوڑا

---

10. پیروی
11. کہاوتیں
12. حروفِ روابط
13. جہاں سے کوئی لفظ نکلا ہو جیسے مصدر
14. یہ صرف ہے
15. یہ نحو سے متعلق ہے۔
16. عدالتِ عالیہ جس سے اونچی ہندوستان میں کوئی عدالت نہیں۔

ہے۔ جہاں تک ہو سکے بری بھلی، غلط صحیح، ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولنی چاہیے۔ تمھاری جماعت میں شاید اکثر کو انگریزی بولنے کی مہارت نہ ہو تو تم اونچی کلاس[17] کے لڑکوں سے تعارف پیدا کرو، اور ہر روز تین گھنٹے چار گھنٹے انگریزی میں بات چیت کرو تا کہ جھجک اور رکاوٹ رفع ہو۔ تمھارے ماسٹر[18] ہندوستانی یا انگریز، جیسے ہوں، ہرگز اُن سے اردو میں ایک لفظ مت کہو۔ لیسن صاحب[19] کی میم سے تجدیدِ تعارف کرلو۔ غرض جو ذریعہ انگریزی گفتگو کا ہو، حاصل کرو۔ انگریزی بول چال کے اعتبار سے اوّل یورپین لیڈی،[20] پھر یورپین جنٹل مین،[21] پھر یوریشین لیڈی،[22] پھر یوریشین جنٹل مین،[23] پھر سب سے آخر میں آخور کی بھرتی،[24] ایرے غیرے،[25] پنج کلیان،[26] بنگالی بابو اور تمام انگریزی دان نیٹو[27]

17. جماعت

18. استاد

19. لیسن صاحب ۱۸۵۷ء کے غدر میں علاقۂ پرمٹ کے عہدہ دار تھے غالبًا اسسٹنٹ سرول ان کی میم غدر سے چند روز پہلے اپنے عزیزوں سے ملنے دہلی آئیں اور گھر گئیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب اور ان کی سسرال کے لوگوں نے ان میم صاحب کو بے سابقۂ معرفت اپنے گھر میں پناہ دی اور عین شورشِ غدر میں انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا۔ سرکار نے اس خیر خواہی کی بڑی تحسین اور قدر دانی کی، تو مولوی نذیر احمد صاحب بیٹے کو لکھتے ہیں کہ ان میم صاحب کے ساتھ تمھاری اگلی جان پہچان ہے اب اس کو تازہ کرلو تا کہ تم کو انگریزی بولنے کا موقع ملے۔ مسٹر لیسن اور ان کی میم دونوں میاں بی بی ہنوز زندہ ہیں۔

20. ولایت زا میم

21. ولایت زا صاحب

22. ہندوستان زا میم

23. ہندوستان زا صاحب

24. مال روڑی

25. اکے ڈھکے جیسے زبانِ فارسی میں فلاں بہماں

26. اصل میں وہ گھوڑا جس کے چاروں ہاتھ پاؤں اور ماتھا سفید ہوں جس کو عربی میں اغر، محجل کہتے ہیں یہاں مراد ہے ہر قسم کے لوگ جن میں کسی طرح کی تحقیق نہیں جیسے پنج کلیان گھوڑے میں سفیدی کے لیے کسی عضو کی تخصیص نہیں کہ ہاتھ پاؤں ماتھا سبھی جگہ سفیدی موجود ہے۔

27. ہندوستانی، دیسی

بشیر! انگریزی گفتگو کی ضرورت اِس درجے کی ہے کہ میں اُس کے ظاہر کرنے کے لیے الفاظ نہیں پاتا۔ تم سمجھو کہ تمھارے کالج[28] میں داخل ہونے سے مقصودِ اصلی یہی ہے اور بس۔ اگر تم کو انگریزی میں گفتگو کرنا اور اُس کا بے تکلف لکھنا آجائے تو تم گھر بیٹھ کر ایم.اے. تک کا امتحان دے سکتے ہو۔

انگریزی مسوّدہ ہر روز لکھنا چاہیے۔ مجھ کو ہمیشہ انگریزی میں خط لکھو، اور چوں کہ راز کی بات نہیں ہوتی، کسی ماسٹر یا کسی اونچے کلاس کے لڑکے یا کسی متعارف سے اُس کو درست کرالیا کرو۔ ایک کتاب انگریزی کمپوزشن کی بنالو، جس میں اپنا کمپوزشن[29] تاریخ وار لکھ کر اُس میں سرخی سے اصلاح لے لیا کرو، اور اصلاح کو بہ نظرِ غور دیکھ کر یاد رکھو کہ پھر ویسی غلطی نہ ہو۔

میں نے سنا ہے کہ تمھارے مدرسے میں سا کر چند ماسٹر ہیں، اور وہ انگریزی کے بڑے ادیب ہیں۔ اُن سے تعارف پیدا کرو۔ ادب[30] اور انکسار کافی ذریعہ لوگوں سے تعارف پیدا کرنے کا ہے۔ اگرچہ تم ابھی اجنبی ہو، لیکن جب لوگ دیکھیں گے کہ تم پڑھنے کا شوق رکھتے ہو، امتحان تمھارے اچھے ہوتے ہیں اور اُستادوں کا ادب تم کو ملحوظ رہتا ہے، کسی سے لڑتے بھڑتے جھگڑتے نہیں، اور نالائق لڑکوں سے الگ تھلگ رہتے ہو تو ماسٹر لوگ خود بہ خود تم پر مہربانی کرنے لگیں گے۔

تم کو شروع سے اخیر تک کوئی سکنڈ لینگویج اختیار کرنی پڑے گی، یعنی انگریزی کے علاوہ دوسری زبان: عربی، سنسکرت یا فارسی۔ سو فارسی کلاسکل[31] نہیں ہے۔ ناچار عربی لینی ہوگی، اور تم کو عربی میں اتنا درک ہے کہ تھوڑی توجہ جاری رکھو تو کافی ہے، ورنہ چند روز

---

28. اعلیٰ درجے کا مدرسہ جس میں غالباً بی.اے اور ام.اے اور بی.ال کے درجوں تک پڑھائی ہوتی ہے۔
29. تسوید، مسوّدہ، عبارت نویسی
30. یہاں ادب سے اپنے سے بڑے کی تعظیم مراد ہے۔
31. اعلیٰ درجے کی زبان

میں جو کچھ پڑھا ہے، سب جاتا رہے گا۔ عربی ہمارا شعارِ قومی[32] ہے۔ میرے نزدیک ہر مسلمان پر عربی کا سیکھنا فرض ہے۔ اگر تمھاری کلاس میں فارسی کا کورس[33] ہے، وہ بھی کام کی چیز ہے، کیوں کہ تم فارسی مطلق نہیں[34] جانتے۔ اُس کو بھی پڑھو، لیکن عربی سے غفلت مت کرو۔ بڑی عمدہ چیز ہے، اور اُس کا پڑھنا بہت ہی نافع ہے۔ فارسی کورس کو بھی بہ نظرِ تحقیق پڑھنا ہوگا۔ ہر ہر لفظ میں بال کی کھال نکال لیا کرو: مادّہ اور صیغہ اور ترکیب اور معنی اور مطلب۔

روز کا کام روز کرنا ضرور ہے۔ جو سبق پڑھا اچھی طرح اُس کو سمجھ کر قابو میں کرلیا۔ غافل لڑکے سبق جمع کرتے جاتے ہیں، اور امتحان کے زمانے میں انبارِ مصیبت ہوجاتا ہے۔ ایک نقشہ اس طرح کا بنا لو، اور اُس کو خوش خط لکھ کر اپنی میز کے سامنے لگا دو۔ اِس سے تم کو معلوم رہے گا کہ کس وقت کیا کرنا ہے۔

دن کا نام	پہلا گھنٹہ	دوسرا گھنٹہ	تیسرا گھنٹہ
شنبہ	عربی	اُقلیدس	فارسی
یک شنبہ	جبر و مقابلہ	حِساب	ادبِ انگریزی

مدرّسے کے خالی گھنٹے اور فرصت کے اوقات انگریزی گفتگو میں صَرف کرو؛ تفریح کی تفریح اور فائدے کا فائدہ۔ اِسی طرح اپنے باہر کے اوقات مُنضبط کرلو کہ فلاں وقت یہ

32. شعار اصل میں وہ کپڑا جو بدن سے لگا لپٹا رہے، مراد وہ چیز جو کسی قوم کے ساتھ خاص ہو جیسے لباسِ انگریزی انگریزوں کے ساتھ یا لال پھندنے دار ٹوپی ترکوں کے ساتھ۔

33. نصاب

34. مولوی نذیر احمد صاحب نے بیٹے کو ابتدا سے عربی شروع کراوی تھی، پس اس سے ایک بڑی عام غلطی کی اصلاح ہوتی ہے کہ لوگ ابدا کر پہلے فارسی پڑھاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ بدون فارسی کے عربی نہیں آسکتی۔ ہمارے ملک میں پہلے فارسی سیکھنا صرف اس سبب سے لابد ہورہا ہے کہ صَرف ونحو عربی کی ابتدائی کتابیں زبانِ فارسی میں ہیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے صَرف ونحو عربی کو اردو کیا اور بیٹے کو اردو پڑھا کر ایک دم سے عربی پر لگادیا، اگر عموماً مسلمان تعلیم کا یہ طریقہ اختیار کریں تو نہایت مفید ہو کیوں کہ فارسی زبان کا سیکھنا اب چنداں ضروری نہیں رہا اور عربی کلاسکل ہونے کے علاوہ مذہبا مسلمانوں کو سیکھنی ضرور ہے، پس فارسی دانی کے انتظار میں بچوں کو عربی سے محروم رکھنا کچھ کام کی بات نہیں۔

کام کریں گے، اور جب اپنے کل اوقات مُنضبط کر چکو، مجھ کو بھی اطلاع دو۔ اِس میں اِس کا بڑا خیال رکھو کہ طبیعت پر اتنا بوجھ مت ڈالو کہ گھبرا جائے۔ جب تک خوش دِلی ہے سب کام اچھا ہوتا ہے؛ بے دِلی پیدا ہوئی، اور کام بگڑا۔ مولوی میر نصیرالدّین صاحب کے ذریعے سے خواجہ شہاب الدّین صاحب سے ملو۔ یہ مولوی خواجہ شمس الدّین صاحب کے بیٹے ہیں، اور ایف۔اے۔ کا امتحان دے چکے ہیں؛ اُن سے ملنا تم کو ضرور فائدہ دے گا۔ اِسی طرح تعارُف بڑھاتے جاؤ، لیکن عمدہ لوگوں سے۔ ایک بد وَضعی تمام لیاقت اور تمام آبرو کو ضائع کرتی ہے۔ عادت کا اختیار نہ کرنا آسان ہے، مگر اختیار کرنے کے بعد چھوڑنا مشکل بلکہ مُحال ہو جاتا ہے۔ اپنی حالتِ ظاہری کو اپنی وقعت کے مطابق رکھو۔ میرا روپیہ جہاں تک تمھاری آسایش میں صَرف ہو، انشاء اللہ مجھ کو دریغ نہیں۔ اگر تم کو نام ونمود کا آدمی کرے تو میرا روپیہ اچھے نیگ لگا۔[35] مجھ کو ایسے خرچ[36] میں ہمیشہ خوشی ہے۔ تم اپنی والدہ سے بے تکلّف خرچ لو، لیکن اگر اُن کے پاس نہ ہو تو مجھ سے مانگنے میں تامّل مت کرو۔

تمھارا اسباب لے کر بیٹھا ہوں، اور اُس کی رَوانگی کی فکر میں ہوں۔ میں نے گاڑی ٹکرا بھیجی ہے، کل باقی اسباب آ جائے گا۔ تمھاری سب چیزیں یک جا کر کے پرسوں یا اترسوں انشاء اللہ بکسر[37] بھیجوں گا، اور کوشش کروں گا کہ تم کو اسباب جلد ملے۔ بشیر! کتابیں تمھارے پاس بہت ہیں، مگر سب رکھنے کو ہیں۔ اگر اِن کتابوں پر نظرِ محقّقانہ ہو تو آدمی عالم ہو جائے۔ اب للہ تم توجّہ کرو، اور مجھ کو ناامّیدی کی مصیبت میں مت ڈالو۔ اُقلیدِس کے دعوے یاد کر چلو۔ رفتہ رفتہ خیال پر چڑھ جائے گا کہ فلاں مقالے کی فلاں شکل کا کیا دعویٰ ہے۔ دوسرا مقالہ اگر تم چھوڑ دو گے، بھول جائے گا؛ اور اب

---

35. یعنی اچھے کام میں خرچ ہوا۔

36. گو حقیقت میں یہ لفظ جیم عربی سے ہے بمقابلِ دخل، لیکن فارسی اور اردو کے روزمرّے میں جیم فارسی سے مروّج ہے اور یہی زیادہ فصیح ہے۔

37. ضلع غازی پور میں ریل کا مشہور اسٹیشن ہے گھوڑوں کی خرید وفروخت کا بڑا بھاری میلہ لگتا ہے۔

اُقلیدس کو بہ مددِ کتاب سمجھنا چاہیے۔ جب دو مقالے اِس طور سمجھ لوگے، اتنی اِستعداد ہوجائے گی کہ باقی کتاب خود نکال لو گے۔ اُقلیدس کے نئے دعوے بہت ضرور ہیں۔ ہمیشہ امتحان میں کوئی نہ کوئی نیا دعویٰ ضرور ہوتا ہے۔

اِس کو پیشِ نظر رکھو کہ تم کو اِسی سال دوسری کلاس میں ترقّی کر کے جانا ہے، اور امتحانِ سالانہ دوسری کلاس میں دینا ہے۔ پس دوسری کلاس کا کورس بھی ابھی سے رفتہ رفتہ اپنے بس میں لانا چاہیے۔ تم مجھ سے وقتاً فوقتاً ہر بات اور ہر مسئلہ پوچھتے رہو، جہاں تک ممکن ہوگا، میں یہیں سے تم کو سمجھادوں گا۔[38]

بشیر! اگر تم علی گڈھ جاتے تو تم کو شاید بڑی وَحشت ہوتی، لیکن اگر معلوم ہو کہ تم دہلی میں فائدۂ علمی حاصل نہیں کر سکتے تو پھر دیکھا جائے گا۔ اب تم کو اپنا انتظام خود کرنا پڑے گا۔ اِس کو سمجھ لو کہ لوگوں پر ہمارے حقوق کچھ نہیں، اور ایسے نفوسِ قُدسی، جو دوسروں کو بے وجہ منفعت پہنچائیں، کم ہیں۔ پس اگر کوئی بے اعتنائی کرے تو افسردہ خاطر نہ ہونا چاہیے۔ خوشامد اور ملق ساری سے اپنا کام نکالنا ہوگا۔ تمھارے پاس گرامر[39] ہے اُس کو یاد کر چلو۔ فارسی کورس لے کر دیکھ چلو۔ غرض وقت سے، جہاں تک ممکن ہے، فائدہ اُٹھاؤ۔ اپنے حالاتِ جزوکل سے ہمیشہ مطلع رکھو۔ والدّعاء

۵/ جنوری ۱۸۷۷ء مقام: تحصیل نگرا

[خط: 2]

جس وقت سے میں آیا، تمھارا اسباب جمع کرنے کی فکر میں تھا؛ چناں چہ اِس وقت اسباب صندوق میں بند کر کے، اوپر سے ٹاٹ مڑھ کر، بلسر روانہ کرتا ہوں۔

38. مولوی بشیرالدین احمد کے پاس اپنے والد کے بہت سے خطوط ہیں جن میں علمی مباحث ہیں، یہ تمام خطوط بڑی قدر کی چیز ہیں مگر چوں کہ ہر شخص اُن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا، میں نے ایسے خطوط سب نکال ڈالے، صرف نمونے کے طور پر آسان آسان ایک دو خط رہنے دیے۔

39. قواعدِ زبان یعنی صرف ونحو۔

وہاں سے ریل پر روانہ ہو جائے گا۔ اِس ایک صندوق میں اتنی کتابیں ہیں کہ اگر آدمی نظرِ تحقیق سے اِن پر عبور[40] حاصل کرے تو عالم ہو جائے؛ مگر رکھ چھوڑنے کو تو کتاب اور پتھر برابر ہے۔ کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔[41]

ع چار پائے برو کتابے چند

مقدم جماعت کی پڑھائی ہے، اُس کے یاد کرنے سے جو وقت بچے، اُس میں دوسرا کام کرنا چاہیے۔ اِس قدر بوجھ اپنے اوپر مت بڑھاؤ کہ جماعت میں برے رہو، کیوں کہ ہم سبقوں میں بُرا رہنا بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ بڑا انتظام اِس کا ہے کہ انگریزی بول چال اور عبارتِ انگریزی کے لکھنے میں، یعنی انگریزی کمپوزشن میں ترقی کرو۔ سو امید ہے کہ اِس کے لیے تم نے تدبیرِ مناسب کرلی ہوگی۔ اگر وقت کو انتظام سے صَرف کرو، اور معمول باندھ کر ہر کام وقت پر کرتے رہو تو با فراغت جماعت کی پڑھائی بھی بہ خوبی یاد کرلو گے، اور پھر بھی اِتنا وقت بچے گا کہ اُس میں انگریزی کو بڑھاؤ، عربی پڑھو اور اونچے کلاس میں جانے کا حوصلہ کرو۔ لعمبرج[42] کی شرح یعنی کی[43] میرے نزدیک فائدہ مند چیز ہے، خرید کرلینا؛ بہ شرطے کہ ہر سبق کی شرح دیکھو اور سمجھو۔ میں تم کو عام اجازت دیتا ہوں کہ تحصیلِ علم و اِستعداد میں صَرفِ زر کا مطلق خیال مت کرو؛ اُس خرچ کو خوشی سے ادا کروں گا۔ صفائی سے رہو مگر زینت، جو تمہیدِ بدوضعی و آوارگی[44] ہو، خبردار مت

40. لفظی معنے اُترنا مراد یہ ہے کہ نظرِ تحقیق سے دیکھ لے۔
41. جیسے گدھے کا حال جس پر کتابیں لدی ہوں۔
42. لعمبرج صاحب کا مجموعۂ منتخبات
43. کی کے لغوی معنی ہیں: کنجی، مجازاً شرحِ معلقات کو کہتے ہیں۔
44. مولوی نذیر احمد صاحب نے بیٹے کو یہ بڑی عمدہ نصیحت کی ہے اور جو لوگ تربیتِ اولاد کے ذمہ دار ہیں اُن کو اس پر خاص توجہ کرنی چاہیے۔ مولوی نذیر احمد صاحب زینت کو تمہیدِ بدوضعی وآوارگی ٹھیراتے ہیں اور یہ بالکل صحیح ہے۔ جس لڑکے کو بنانے سنوارنے کا شوق ہو اس کے حالات کے تفتیش کرنے کی ضرورت نہیں، مطلق زینت اس کی بدوضعی کا ثبوت کافی ہے۔ وضع دار شرفا لڑکوں کو بال نہیں رکھنے دیتے اور ان کے لباس میں بھی اس کا خیال رکھتے ہیں کہ خود بینی کا محرک نہ ہو۔

اختیار کرو۔ شاید تم کو پُھنے کی ضرورت پڑے، اِس واسطے کہ کالج کی وردی عمامہ پُھنہ ہے تو جاڑے اور گرمی کے بنوالینا مگر ڈھیلے عربی، جیسے میں پہنتا ہوں۔ اِس گئے گزرے وقت میں بھی دہلی میں سب کچھ ہے۔ خدا شوق اور طلبِ صادق دے! یہ ایک مشہور بات ہے کہ آدمی جس شہر میں رہے، وہاں کے طبیب اور کوتوال سے دوستی پیدا کرے۔ تم بھی اِس کا خیال کرو۔ فقط

۸/ جنوری ۱۸۷۷ء مطابق عید اضحیٰ
مقام: تحصیل سکندر پور

[خط: 3]

نورچشما! مَدَّ عُمْرَهٗ وَ رَزَقَهُ اللّٰهُ شَوْقًا كَامِلًا لِتَحْصِيْلِ الْعُلُوْمِ.[45]

خدا کا شکر ہے میں اچھا ہوں۔ وہی وحشتِ تنہائی، وہی دل برداشتگی۔ تمھاری چٹھی ریڈ صاحب کے پاس پہنچی۔ میں نے دیکھی نہیں، مگر ریڈ صاحب سے سنا۔ ریڈ صاحب نے پھر میری بدلی کی رپورٹ کی ہے۔ مجھ سے پوچھا کہ "تجھ کو کیا منظور ہے؟" میں نے جواب دیا: "بندوبست سے مَلول،[46] اضلاعِ شرقی سے متنفّر، خزانے سے ہاربِ"[47] ریڈ صاحب نے دو برس کی رخصت لی۔ اُن کی بہن مارچ میں جائیں گی، اور وہ خود جولائی یا اگست میں۔ غالب ہے کہ اِس سے پہلے میری بدلی ہو جائے گی۔ جہاں کہیں فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ[48] میرے حق میں اَصلح[49] ہو، خداوند تعالیٰ اُس کے اسباب مہیا کرے! میں نے علی گڑھ کا

45. اس کی عمر دراز ہو اور خدا اس کو تحصیلِ علم کے لیے پورا شوق روزی کرے۔ ضمیرِ غائب مراد مخاطب
46. اکتایا ہوا
47. گریزاں
48. بہ دانستِ خدا
49. زیادہ مصلحت، مفید تر

تذکرہ کیا ہے، زاں بعد آ کرے کا۔ بدلی کی وجہ سے ریڈ صاحب نے کہا کہ "رخصت کا لینا ملتوی رکھو۔ اگر علی گڈھ مثلاً جانا ہو تو رخصت کی خواہش عبث"

تم نے صَرف ونحو فارسی میں پڑھا کہ فارسی میں ذ نہیں تو گذارش نہیں گزارش چاہیے۔

نئی مُناجات تو اِدھر کوئی کہی نہیں۔ وہی ایک پرانی مُناجات ہے جس کی نقل تمھارے پاس بھی ہے، اُسی کو پورا کر دیا ہے، اور وہ اب یوں ہے:

اشعارِ مُناجات

یہ تمنا ہے، ربِّ اکرم سے — غسلِ میّت ہو میرا، زمزم[50] سے
تبھی ٹھنڈک ہو، میرے سینے میں — خاک ہو جاؤں، میں مدینے میں
جا کے ہم سایۂ رسولِ خدائے — زندگی ہو میری جو موت آجائے
اور کچھ چارۂ گناہ نہیں — آپ کے دَر سوا پناہ نہیں
آپ سے گر نہ التجا لاؤں — پھر کدھر جاؤں، اور کہاں جاؤں
یہی ماویٰ ہے اور یہی مأمن — میرے دو ہاتھ، آپ کا دامن
کون پُرساں ہے مجھ سے ناکس کا — کس کو طوفاں میں پاس ہو، خس کا
اور خس بھی خسیس[51] ناقابل — بے ہنر، ہیچ کارہ، لاطائل[52]
عارِ آبائے اوّلیں ہوں میں — داغِ پیشانیِ زمیں ہوں میں
کیا کروں ایسے قلبِ فاسد کو — کون لے گا متاعِ کاسد[53] کو
دل ہے یا معصیت کا پشتارہ — ایک پونجی ہے وہ بھی ناکارہ
گر تری مہر کی نظر ہوجائے — یہ خزف[54] رشکِ[55] گُہر ہوجائے

50. مکۂ معظمہ کا مشہور کنواں جس کا پانی حاجی لوگ بہ طورِ تبرک زمزمیوں میں بھر کر لاتے ہیں۔
51. ذلیل، حقیر
52. بے سود، نکما
53. کھوٹی پونجی
54. پوتھ
55. مقابل

تم اگر چشمِ لطف وا کردو — جس کو چاہو تو کیمیا کردو

حق نے بخشی ہے تم کو، وہ تاثیر — خاک چھو جائے تم سے، ہو اِکسیر

آہنِ تیرہ وہ جلا پا جائے — آفتاب اُس کے سامنے شرمائے

تم بچا لو عذابِ آتش سے — سخت عاجز ہوں نفسِ سرکش سے

بد بلا ہے یہ نفسِ امّارا[56] — اس نے مجھ کو ہلاک کر مارا

یَـا رَسُـوْلَ الْإِلٰـهِ خُذْ بِيَدِیْ — کَـالْعِجْزِیْ سِوَاکَ مُسْتَنَدِیْ

یَـا لَـمَنْ اَشْکَلَتْ مُصِیْبَتُهٗ — وَ اَحَـاطَـتْ بِـهٖ خَطِیْئَتُهٗ[57]

کیا کہوں، کچھ کہا نہیں جاتا — اور چپ بھی رہا نہیں جاتا

کب تلک حبِّ جاہ و مال و مَنال — کب تلک پاے بستِ اہل و عیال

میں سدا فکر میں ہوں اِن سب[58] کے — اور یہ سب، اپنے اپنے مطلب کے

دیں پہ رکھتا اِنھیں مقدّم ہوں — میں ہوں یا ہیزمِ جہنّم ہوں

ہو اِسی طرح گر حیات تمام — اے، بدا آخر اے بدا انجام

از برائے خدا رسولِ جلیل — مجھ پہ طاری ہو حالتِ تبتیل[59]

رخِ دل ہر طرف سے موڑوں میں — رشتۂ الفت کا، سب سے توڑوں میں

اپنی ہستی سے میں گزر جاؤں — یعنی[60] مرنے سے پہلے مر جاؤں

تری خدمت میں، شافعِ امّت! — ق عرضِ حاجت کی کچھ نہیں حاجت

قرب مَیں چاہتا ہوں حضرت کا — میں نہیں خواستگار جنّت کا

حور و غلماں مجھے نہیں درکار — آرزومند اُن کے ہوں ابرار

---

56. جس دل سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں اور بدی کا محرک ہوتا ہے۔

57. اے خدا کے بھیجے میری دست گیری کر کہ میری ناتوانی ومجبوری کے سبب کوئی تیرے سوا میرا تکیہ گاہ نہیں۔ ہاے وہ جس کی مصیبت کٹھن ہو اور جس کو گناہ نے گھیر رکھا ہو۔

58. یعنی اہل وعیال کے

59. انابت الی اللہ یعنی ہر طرف سے دل کا ملول ہو کر ایک خدا کی لو لگی رہنا۔

60. اشارہ ہے مقام موتوا قبل ان تموتوا کی طرف۔

میں کہاں اور کہاں ہوائے[61] بہشت ناز کے زیبدم بہ طلعتِ زشت
میں نے بھر پائے سارے حور وقصور اتنا کہہ دیجیے، معاف قصور
تم کو سب اختیار حاصل ہے آپ کو سہل، مجھ کو مشکل ہے
میں ہوں مسموم،[62] آپ ہیں تریاق[63] ق قابلیت نہ کوئی استحقاق
ہاں مگر مجھ غریب پر، یاشاہ! رحم فرماؤ حَسْبَۃً لِـــلّٰـــــہ[64]
رحم کیجے کہ آپ رحمت[65] ہیں آپ پشت و پناہِ امت ہیں
گو برا ہوں، برے سے بدتر ہوں آپ کا امّتی مقرر ہوں
نیک بندے بھی کل نہیں ہوتے خار ہم دوشِ گل نہیں ہوتے
مجھ کو کامل وثوق ہے تم پر تم سے حق نے کہا ہے: لَا تَنْهَرو[66]
رحمتِ[67] حیلہ جو کی ہیں گھاتیں ہم سمجھتے ہیں پھیر کی باتیں
یہ بھی[68] تھی اک طرح کی بے صبری ق ورنہ میں ہوں عقیدۂ جبری[69]

61. آرزو
62. زہر خوردہ
63. زہر کا توڑ
64. برائے خدا
65. اشارہ ہے آیتِ قرآن کی طرف، و ما ارسلنک الا رحمۃً للعالمین یعنی ہم نے تم کو صرف اس غرض سے بھیجا کہ اہلِ جہاں پر رحمت ہو۔
66. آیت کا ٹکڑا ہے، پوری آیت یوں ہے: و اما السائل فلا تنھر یعنی سوال کرنے والے کو جھڑک مت۔ یعنی سائل کی دل جوئی لازم ہے نہ زجر و توبیخ۔
67. یعنی خدا کی رحمت جو بندوں کی بخشائش کے لیے بہانہ ڈھونڈتی ہے، یہ اس کی گھاتیں ہیں کہ آپ کو رحمت للعالمین بنایا اور پھر آپ سے فرمایا کہ سائل کو جھڑک مت اس کے یہ معنی کہ خدا نے سب بندوں کو مغفرت کا امید وار کیا۔
68. یعنی میں نے جو اس قدر اپنی بے قراری ظاہر کی یہ ایک بے صبری کی بات تھی کیوں کہ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ انسان مجبور ہے اور ہوتا وہی ہے جو خدا کو منظور ہے۔
69. جبری ایک فرقہ ہے جو قائل ہے کہ انسان مجبورِ محض ہے۔ مذہبِ سنت و جماعت میں الجبر والقدر ہے۔

دے[70] کے کچھ اختیار تھوڑا سا   کیا یہ اٹکا دیا ہے روڑا سا
جب[71] کہ دل ہی نہیں ہے، قابو کا   لگے اس اختیار کو لُوکا
عقل سے کرکے میرا منہ کالا   کس مصیبت میں مجھ کو لا ڈالا
جانتے تھے کہ ہوں ظلوم[72] و جھول   پھر اَمانت[73] کا سونپنا معقول؟
پائے[74] گنجے نے ناخنِ حکّاک   کر لیا سر کھُجا کھُجا کاداک[75]
نہ گلہ ہے، نہ کچھ شکایت ہے   اپنے حالات کی حکایت ہے
میں کہاں سے کہاں کو جا نکلا   توبہ توبہ یہ منہ سے کیا نکلا
نفس کی یہ بھی ایک خدیعت[76] ہے   ق خارج از شیوۂ شریعت ہے
ڈھونڈتا اپنے واسطے حیلے   دوڑتا کوئی میرا منہ کیلے
وہ مثَل ہے کہ ایک تو چوری   اور پھر اُس کے ساتھ سرزوری
گرچہ بندہ ہے، سخت بے چارہ   نہیں بے اعتراف[77] کے چارہ
اُس کے الطاف بے نہایت ہیں   ہم ہی سرکش بہ حدِّ غایت ہیں
آپ کی شرع میں نے توڑی ہے   جو سزا کیجیے، سو تھوڑی ہے
میری عادت ہے ناسزا کردن   شوق سے مجھ کو ماریے گردن

---

70. یعنی آدمی کو پورا نہیں بلکہ تھوڑا سا اختیار دے کر یہ کیا چلتی گاڑی میں روڑا سا اٹکا دیا ہے۔
71. یعنی جب دل پر ہی اپنا اختیار نہ ہو تو ایسے اختیار کو لے کر کیا آگ لگانی ہے۔
72. اشارہ ہے آیتِ انا عرضنا الامانۃ کی طرف جس میں حملِ امانت پر انسان کو ظلوم وجہول کا خطاب عطا ہوا ہے۔
73. امانت سے مراد عقل ہے جو نیک و بد میں امتیاز کرتی ہے اور اس وجہ سے انسان مکلّف ہوا۔
74. یعنی گنجے کو ناخن دیے اس نے کھجا کھجا کر سر میں گڑھے ڈال لیے تو اس کا کیا قصور کیوں کہ اس کو کھجلی نے کھجانے پر مجبور کیا۔
75. خالی، جس میں گڑھا پڑا ہو۔
76. فریب
77. اقرار

کیا کہوں، بار بار کیا کہنا ۔۔۔ مجھ کو اعمال سے نہیں لہنا[78]
جملہ سامان یاس و غم کا ہے ۔۔۔ صرف اک آسرا کرم کا ہے
یہ ضلالت[79] ہے یا ہدایت ہے ۔۔۔ بے سبب تکیہ بر عنایت ہے
ہو نہ ہو[80] اس طرح کی ستاری ۔۔۔ ہے تباشیر[81] صبحِ غفاری
صرف اتنا ہی عرض کرتا ہوں ۔۔۔ ق زیادہ ابرام[82] سے بھی ڈرتا ہوں
مخلصی بخشیے خرابی سے ۔۔۔ کہیں کہہ[83] دیجیے شِتابی سے
ہم نے کی سب معاف بے ادبی ۔۔۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلیٰ غَضَبِی[84]

[خط: 4]

اِسی وقت تمھارا خط مقام سکندرپور[85] خاص میں پہنچا۔ میں آج حسین پور کو جاتا ہوں۔ تم اپنے خطوط میں یہی پتا لکھتے رہو۔ تحصیل نگرا؛ کیوں کہ میں کسی مقام پر جم کر نہیں رہ سکتا۔ اِس میں شک نہیں کہ ابھی تمھارا دل نہیں لگتا ہوگا، اور فی الواقع مدرّسے

78. یعنی اعمال سے فائدہ اٹھانا میری قسمت میں نہیں۔
79. یعنی ضلالت یا ہدایت جو چاہے سو ہو بے سبب مجھ کو عنایت پر بھروسا ہے۔
80. مطلب یہ کہ اس طرح کی پردہ پوشی کہ بندے گناہ کرتے ہیں اور ان کا پردہ فاش نہیں ہوتا خواہی نہ خواہی صبحِ مغفرت کے طلوع کے آثار ہیں اور انجام کار مغفرت ہے۔
81. سپیدۂ صبح، اوّلِ سحر
82. لگ لپٹ کر مانگنا
83. اس کا مقولہ آخر کا شعر ہے۔
84. میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ یہ ایک قولِ مشہور ہے خدا کی وسیع الرحمتی کے بیان میں اُسی کی زبان سے۔
85. ضلع اعظم گڑھ میں ایک مشہور قصبہ ہے۔

کے انتظام کو کوئی شائق[86] آدمی کبھی پسند نہیں کرسکتا؛ لیکن میں نے تم سے بار بار کہا ہے، اور پھر کہتا ہوں کہ تم مدرسے میں صرف اتنے واسطے داخل ہوئے کہ انگریزی زبان میں ترقی کرو۔ اگر تم مدرسے کی پڑھائی پر بس کرو گے تو بالکل وقت ضائع جائے گا۔ تم باہر اپنا انتظام کرلو۔ اپنے سے بہتر ماسٹر ہو یا طالب العلم، اُس سے مدد لو۔ برخوردار! منّت[87] اور خوشامد سے دنیا کا کام چلتا ہے۔ اب تم کو معلوم ہوگا کہ دنیا میں بہت تھوڑے آدمی ہیں، جن کو تم اپنا دلی خیر خواہ کہہ سکو۔ جو بے انتظامی دہلی کالج میں ہے، وہی اور ویسی ہی دنیا کے سب کالجوں میں ہے؛ اور میں جانتا ہوں کہ علی گڈھ کالج بھی اس سے صاف نہیں ہوگا۔ پڑھائی کم، تعطیلیں زیادہ، استاد نامہربان، ہم سبق شیطان۔[88] تم نے مجھ کو ابھی تک اطلاع نہیں دی کہ تم نے کس سے جدید اور مفید تعارُف پیدا کیا، اور اپنے رات دن کے اوقات کا کیا انتظام قرار دیا۔ باہر کی تحصیل جاری کرو کہ تمھارا دل لگے۔ ایک دن کا بے کار رہنا طالب کے حق میں زہر ہے۔ پھر دل کچھ ایسا اُچاٹ ہوجاتا ہے کہ مہینوں طبیعت قابو میں نہیں آتی۔ گھومنے پھرنے، سیر بازار اور تماشائے عجائب خانہ وغیرہ کو اپنے اوپر حرام قطعی کرلو، ورنہ تم کو آخر کار بہت افسوس کرنا پڑے گا۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اِس خط کے پہنچنے تک تمھارا صندوق بھی پہنچ جائے گا، اور جب سامان تمھارا درست ہوجائے گا، اور باہر کے سبق مقرر کرلو گے، اور وقت بَٹ جائے گا تو کوئی وجہ گھبرانے کی نہ ہوگی۔

میں جائز نہیں رکھتا کہ تم پرنس آف ویلز[89] کے دیکھنے کو، لوگوں کے ہجوم میں گھسو۔ ہم غریب آدمیوں کو شاہ زادوں سے کیا نسبت؟ اور ہمیشہ دیکھا ہے کہ لوگ دور سے دیکھ کر اکثر کسی مُصاحب کو شاہ زادہ فرض کر کے خوش ہو لیتے ہیں؛ اور بالفرض اگر واقعی شاہ زادے کو بھی دیکھا تو اس سے فائدہ کیا حاصل ہوا؟

86. لغۃً شائق اس کو کہتے ہیں جس کا کسی کو شوق ہو لیکن استعمالِ فارسی واردو میں شوق والوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں علم کا شائق مراد ہے۔

87. منت اور خوشامد مترادف بولے جاتے ہیں۔

88. شریر

89. شہزادۂ ولی عہد بہادر انگلستان

میرا حال یہ ہے کہ ایک لحہ طبیعت نہیں لگتی، لکھنے پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اکیلا اُداس بیٹھا رہتا ہوں، اور حیرت میں ہوں کہ اِس طرح کی زندگی کیوں کر اور کب تک بسر ہوگی۔ خدا کے لیے میرے اِس حال پر رحم کرو، یعنی جس غرض سے میں نے اِس مصیبت کو اپنے اوپر گوارا کیا ہے، اُس مطلب کو فوت مت کرو، پڑھو، اور محنت کرو، اور دنیا میں نام

۱۱/ جنوری ۱۸۷۶ء سہ شنبہ

[خط: 5]

تھیکر سپنک اینڈ کو[90] کی چٹھی جو میں نے تمھارے پاس بھیج دی تھی، اُس کو نکال کر دیکھو، اور مُحاوَرات کو یاد رکھو۔ مجھ کو جیسی کچھ ٹوٹی پھوٹی انگریزی آتی ہے، اِسی تدبیر سے آئی ہے۔ اخبار اور چٹھی اور کتاب میں جو مضمون دیکھتا، اُس کے مُحاوَرات اور طرزِادا کو خیال کر لیتا؛ اور یہی عمدہ تدبیر زبان دانی کی ہے۔ زبان کا جاننا اِس پر موقوف ہے کہ اہلِ زبان کی تحریر وتقریر کی تقلید کی جائے۔ یہی حال ہر زبان کا ہے، کچھ انگریزی پر موقوف نہیں؛ لیکن انگریزی کے واسطے اِس قدر سہولت ہے کہ اُس کے اہلِ زبان، یعنی انگریز ہم کلامی کے لیے مل سکتے ہیں بہ خلاف عرب وعجم کے۔

تم مجھ کو انگریزی میں خط لکھا کرو، مگر بالالتزام اُس میں کسی سے اصلاح لے کر بھیجا کرو۔ کوئی خاص بات راز کی ہو تو اُس کو البتہ عبارتِ اصلاحی سے خارج رکھو۔ میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ عربی عبارت کی شرح بھی کبھی کبھی لکھ بھیجا کرو تاکہ مجھ کو معلوم ہو کہ تم کچھ کرتے ہو۔ مجھ کو امید ہے کہ تم نے منطق کے لیئے انتظام مناسب کرلیا ہوگا۔

---

90. کلکتے کی تھیکر کمپنی جس کی کتابوں کی ایک عالی شان کوٹھی ہے، انگریزی، فارسی، عربی، ہندی، بنگالی، تعلیمی، غیر تعلیمی سب طرح کی کتابیں رہتی ہیں۔

بشیر! یہ بات میں تمھارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ جس مشغلہ میں تم ہو، یعنی طلبِ علم ، وہ ایک بہت بڑا مشکل کام ہے اور یوماً فیوماً[91] مشکل ہوتا جاتا ہے۔ اِس مشغلے میں کام یابی حاصل کرنے کی بھی ایک تدبیر ہے کہ آدمی صبر واستقلال کے ساتھ مُتَوَکّلاً عَلَی اللّٰہ[92] محنت کا سلسلہ برابر جاری رکھے۔ یادداشت ایک شرطِ ضروری ہے۔ منوہر ، جس سے تم گرامر پڑھا کرتے تھے، فیل[93] ہوگیا۔ تم کو معلوم ہے کہ وہ کیسی اچھی استعداد کا آدمی تھا، اور کتنا محنتی اور جفاکش اور کس قدر شوق رکھتا تھا۔ جب منوہر جیسے آدمی کا یہ حال ہو تو وائے برحال اُن کے جو بے پروائی سے پڑھتے ، اور جو پڑھتے اُس کو بھلا دیتے۔ میں نے سنا ہے کہ منوہر پر ناکامی کا اِس قدر سخت صدمہ ہوا کہ وہ بہت بیمار ہے۔ اِس سے ثابت ہے کہ وہ بڑا غیور[94] ہے اور ایک مرتبہ پھر اَپیر[95] ہوگا۔ بشیر! اگر تم کو مدرسے کے آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہو تو بے تکلف صاف کہہ دو ، میں تمھارے واسطے سواری کا انتظام کردوں۔ بشیر! قسم ہے خدا کی، مجھ کو تمھاری آسایش جائز میں روپیہ خرچ کرنا ہرگز بار نہیں۔ تم مجھ پر جیسی سخت فرمایش چاہو کر دیکھو ، انشاء اللہ میں اُس کو فی الفور بجا لاؤں گا ۔ اِس کے عوض تم میری صرف ایک فرمایش پوری کرو ، وہ یہ کہ پڑھو، اور لیاقت پیدا کرو۔ خدا تم پر دین ودنیا کی بَرَکاتِ مُتَکاثِرات[96] نازل کرے! آیندہ، میں تم کو بار بار لکھ چکا ہوں ، ہر زبان کی صَرف ونحو بڑی ضروری اور مفید چیز ہے ، اِس پر زیادہ توجہ کرو۔ حساب کی کتاب جو تم پڑھتے ہو، اُس کی عبارت بھی سبقاً سبقاً پڑھنی چاہیے۔ تم صرف اعمال مشق کرتے ہو، اور مطالبِ کتاب سے مطلق بے خبر۔ فقط

۱۷/فروری ۱۸۷۶ء

---

91. روز بروز
92. خدا پر بھروسا کرکے
93. امتحان میں گرگیا، ناکام رہا
94. غیرت مند
95. مجلسِ امتحان میں حاضر ہوگا۔
96. بہت زیادہ برکتیں

[خط: 6]

ہر چند انگریزی تلفظ کی تصحیح پر تم کو خود توجہ ہوگی، اور اِس میں شک نہیں کہ جس قدر تم نے مجھ سے پڑھا ہے، وہ قابلِ اطمینان نہیں؛ لیکن تمھی نے مجھ سے یہ بھی کہا ہے کہ تلفظ میں چنداں اختلافات نہیں نکلتے ۔ تاہم جب تک سبق ہو، یا جب تک تمھارے ماسٹر گفتگو کریں، اُن کے الفاظ کو کامل غور کے ساتھ سنتے رہو، اور خوب خیال رکھو کہ کس لفظ کو کیوں کر ادا کیا؟ انگریزی میں ایکسنٹ[97] بھی ایک بڑی ضروری چیز ہے، جس کی طرف ابھی تک تم نے مطلق توجہ نہیں کی۔ اِس کے معنی ہیں: زور دینا، دباو ڈالنا؛ مثلاً ٹیریلینی[98] ایک لفظ ہے۔ اِس میں آر پر زور ہے، اُسی کو پکار کر، اور مخاطب کو سنا کر، اور زور دے کر بولنا ہوتا ہے ۔ اِسی طرح کل الفاظ مرکّب میں کسی نہ کسی حرف پر ایکسنٹ ضرور ہوتا ہے۔ مخارجِ حروف میں شاید چنداں دشواری نہیں؛ صرف سی. ٹی. ایس. آر. چار حرف قابلِ لحاظ ہیں۔ سی جب کاف کی آواز دیتا ہے تو اُس میں ہاے ہوّز کا اِشمام کرتے ہیں، یعنی اِس طرح بولتے ہیں کہ ہ کی بو پائی جائے ، کنٹری[99] کو کہتے ہیں کھنٹری لیکن وہ ہ محض خفیف ہوتی ہے، اگر صاف ہ لگائی جائے تو غلط۔ یاد رکھو کہ کے اور سی میں فقط اِسی اِشمام کا فرق ہے۔ کے میں ہ کا اِشمام نا روا ہے۔ ٹی کا حال اِشمام ہاے ہوّز میں سی کا سا ہے۔ ٹائم[100] کو ٹھائم بولیں گے، مگر وہی ہاے خفیفہ لگا کر۔ ایس یا تو کبھی کھلی زَ کی طرح بولا جاتا ہے، جیسے :بوائز،[101] اور کبھی سَ؛ لیکن انگریز

97. شیخ عبدالرحیم دہری نے فرہنگِ دبستاں میں اس کو ضرب سے تعبیر کیا ہے۔
98. جودوسخا
99. ملک
100. وقت
101. لڑکے

س کو اِس طرح نکالتے ہیں کہ ش کی بو پائی جاتی ہے، بلکہ وہ ایس جو ز بولا جاتا ہے، وہ بھی اِس اِشمام ش سے خالی نہیں ہوتا۔ افسوس ہے کہ میں اِس بات کو تحریر میں ادا نہیں کرسکتا۔ لیکن میں نے انگریزوں کو سنا ہے کہ سَم[102] کو صاف س سے نہیں بولتے بلکہ ش سے ملا دیتے ہیں۔ تم بہ طورِ خود اِس پر لحاظ کرلو۔ آر کا عجب حال ہے۔ وہ شروع میں ڈبلیو کے قریب ہے۔ ایک مرتبہ انگریزی اخبار میں پرنس آف ویلز کی نسبت لکھا تھا کہ لفظ رائل[103] اُن کی زبان سے وائل نکلتا ہے، جو آر بیچ میں یا اخیر میں ہو تو صرف ایک حرکت ظاہر کی جاتی ہے اور بس، مثلاً فرسٹ[104] کو انگریز فرسٹ نہیں کہتے، بلکہ پورے منہ سے فَسٹ۔ ہاں ! اِشمام ہائے ہوز میں پی اور کیو کو بھی شامل کرنا چاہیے۔ پرنس[105] کو انگریز پھرنس کہیں گے، اور کوارل[106] کو کھوارل۔ ڈی کو فصیح انگریز سختی کے ساتھ ادا نہیں کرتے، بلکہ اُس کو د کے قریب قریب رکھتے ہیں، اور شاید اِس میں بھی ہائے ہوز کا اِشمام کرتے ہوں، اِس وجہ سے دال کے قریب معلوم ہوتی ہے۔ ٹی ایچ ایک عجیب حرف ہے، وہ د اور ز کے بَین بَین ہے۔ وی میں جو ضغطہ ہے اِس پر لحاظ رکھو، اُس کو ہونٹھ اور دانت کی مدد سے ادا کرتے ہیں۔ ہندوستانی ڈبلیو اور وی میں فرق نہیں کرتے، یہ فاحش غلطی ہے۔ اِس کو خوب توجہ سے پڑھ کر سمجھنا، اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم چاہو تو مجھ سے بہ ذریعۂ تحریر کسی قدر فائدہ حاصل کرسکتے ہو۔ تمھارے خطوط، جن میں علمی مطالب ہوں، میں اُن کو بہت خوشی سے پڑھوں گا۔

آج مجھ سے پھر کوئی منوہر کا تذکرہ کرتا تھا۔ مشن سکول[107] اعظم گڈھ سے

---

102. بعض
103. شاہانہ
104. اوّل
105. شہزادہ
106. جھگڑا
107. پادریوں کا مدرسہ

شاید کلیم دولڑ کے امتحانِ انٹرنس دینے گئے تھے۔ لٹریچر میں بہت اچھے تھے۔ اِس واسطے کہ پادری صاحب نے لٹریچر پر بڑا زور دیا تھا، مگر سائنس یعنی علومِ ریاضی ہندوستانی ماسٹروں کے سپرد تھے؛ اُن میں منوہر وغیرہ برے نکلے، اور ناکام رہے۔ اِس میں شک نہیں کہ اگرچہ انسان کی طبیعت خاص فن سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے، لیکن امتحان پاس[108] کرنے کو ضرور ہے کہ جس قدر چیزیں مشروط ہیں، سب میں جواب شافی دیا جائے۔ بشیر! تم ابھی سے ہر چیز پر توجہ رکھو؛ اگرچہ کوئی خاص چیز خلافِ طبیعت ہو، لیکن امتحان کی ضرورت سے چاروناچار سب چیزوں کو دیکھنا چاہیے، اس واسطے کہ جب مجموعہ کل نمبروں کا ایک حدِ معیّن تک پہنچتا ہے، تب آدمی پاس ہوتا ہے۔ والدعاء

۱۸/ فروری ۱۸۷۶ء

[خط: 7]

تلفظ کے اعتبار سے تو تمھاری انگریزی اُسی وقت صحیح و مستند ہوتی کہ تم کو چھ برس کی عمر سے مدرّسے میں انگریزی شروع کرائی گئی ہوتی۔ مشہور بات ہے، اور ٹھیک بھی ہے کہ بڑے ہو کر زبان موٹی پڑ جاتی ہے، اور آسانی کے ساتھ مخارج حروف پر نہیں ٹوٹتی۔ غرض صحیح تلفظِ انگریزی مُتقاضی تھی کہ تم کو شروع سے مدرّسے میں داخل کیا جاتا، مگر وہ وقت تھا تمھارے کیرکٹر (چال چلن) کے فارمیشن (تشکیل) کا، یعنی تمھارے دل میں آیندہ کے چال چلن کی بنیاد دھری جارہی تھی، اور بچّوں کی زندگی میں یہی وقت زیادہ نگرانی چاہتا ہے، اور یہی ضروری نہایت ضروری چیز ہے جس سے مدارس میں بالکل غفلت کی جاتی ہے۔ بس میں نے تم کو اپنے پاس رکھ کر تمھاری انگریزی کو بگڑنے دیا مگر فِی زَعْمِی[109]

108. امتحان میں کامل عَیار نکلنا

109. اپنے پندار میں

تمھارے کیرکٹر (چال چلن) کو سنبھالا۔ اگر مجھ کو اپنی انگریزی پر وثوق[110] ہوتا تو میں تم کو تمام عمر کسی مدرّسے کی صورت تک بھی نہ دیکھنے دیتا۔ پر کیا کروں، میں انگریزی کا کلانوت[111] نہیں ہوں، عطائی ہوں۔ ازبس کہ ہنوز نو عُمری ہے، اور کیرکٹر (چال چلن) راسخ[112] نہیں ہیں، تمھارے چال چلن کی طرف سے ہمیشہ خائف ہوں۔ اگر تم نے اُس کو بگڑنے دیا، جس کے مَحَامل[113] اور مَظانّ[114] مدرّسے میں بہ کثرت ہیں، تو یاد رکھو انگریزی سیکھنا کیا اگر خدانہ خواستہ انگریز بھی ہو جاؤ تو دنیا میں کامیابی نہیں ہوگی، نہیں ہوگی۔

[خط: 8]

تمھارے خط نے، جو بعدَ الاصلاح ملفوف ہے، مجھ کو سخت رنج پہنچایا۔ میں نے تم کو انگریزی کی طَمَع سے جدا کیا۔ سو میں دیکھتا ہوں کہ انگریزی و عربی دونوں جانا چاہتی ہیں۔ عربی تو یقیناً جا چکی۔ رہی انگریزی، سو میں پاتا ہوں کہ ایسی مکروہ غلطیاں تمھاری چٹھی میں ہیں کہ تنزّلِ اِستعداد اُس سے ظاہر ہے۔ تمھاری انگریزی اب ایسی ہونی چاہیے کہ میں اُس میں کوئی غلطی گرفت نہ کرسکوں؛ اِس واسطے کہ میں انگریزی داں نہیں ہوں، نہ مجھ کو انگریزی کا شوق، نہ خدا کے فضل سے انگریزی کی ضرورت؛ لیکن جب ایسی فاش غلطیاں دیکھوں تو کیوں کر صبر کروں۔ تمھارا یہی حال رہا تو میری برسوں کی محنت دہلی میں

110. اعتماد

111. جو لوگ علمِ موسیقی کو اصول کے مطابق سیکھتے ہیں کلانوت کہلاتے ہیں یعنی پکا مستند، باقاعدہ راگ گانے والے اور عطائی نقال، لے بھگو۔ سنی سنائی کوئی لے اڑالی اور الاپنے لگے۔

112. ٹھیرا ہوا، جما ہوا، مستحکم

113. محلِ احتمال

114. محلِ ظن

ضائع کر دوگے۔ میں نے تم سے بار بار کہا کہ خطوط کی اصلاح ضرور ہے، کسی کو دکھا لیا کرو، اور جو اصلاح دے اُس کو خیال رکھو۔ تم نے ایسی خودرائی اختیار کی ہے کہ تم کو میرے کہنے کی مطلق پروا نہیں ہوتی۔ اگر یہی انگریزی ہے جو تم نے لکھی تو لعنت بر ایں۔[115] میں نے صرف موٹی موٹی غلطیاں گرفت کیں، اگر عبارت کی عمدگی اور مُحاورات پر نظر کرتا تو ایک حرف باقی نہ رہتا۔ بے شک تمھارے ایسے خطوط سے مجھ کو اندازہ ملا کرے گا کہ تم کیا کرتے ہو۔ تم کو دہلی میں منطقی نہیں ملتے تو کیا اب اتنے بڑے شہر میں کوئی اتنا نہیں کہ تم کو انگریزی میں اصلاح دے دیا کرے؟ مگر تم سمجھتے ہو کہ دہلی اعظم گڈھ ہے، اور تمھارا باپ وہاں کا بھی حاکم ہے۔ اگر تمھارا یہی حال ہے تو دہلی میں رہنا تمھارے حق میں زبوں ہے۔ میں اس کالج سے باز آیا۔ بلا سے انگریزی میرے یہاں عمدہ نہیں، عربی تو ہے۔ خطِ اصلاحی کو حسبِ عادت عجلت سے مت پڑھو، بلکہ بہ غور۔ غالب ہے کہ سوالاتِ عربی کا جواب تم خوب سمجھ لو گے۔

۲۰/فروری ۱۸۷۶ء، تحصیل: نگرا

سوالاتِ عربی[116] کا جواب

قَالَتْ مَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاَرْوَاحَ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ مَا (مَوْصُوْلَةٌ اَيِ الْاَرْوَاحُ الَّتِی) تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَ مَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ. یہ حدیث کی عبارت ہے۔ یاد پڑتا ہے کہ شاید صحیح بخاری شریف میں نظر پڑی۔ معنی یہ ہیں: ''کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ روحیں فوجیں ہیں جمع کی گئی، یعنی عالمِ ارواح میں روحوں کے گروہ کے گروہ اکٹھے ہیں۔ اُن میں سے جو متعارفِ یک دگر ہیں یعنی جن روحوں میں اُس عالمِ ارواح کا تعارف ہے، اور ایک دوسری

115. ایسی بے ہودہ انگریزی پر خدا کی پھٹکار
116. ایک خط تو یہ اور دوسرا خط ۵۰ دونوں میں مولوی نذیر احمد صاحب کی تعلیم کا نمونہ موجود ہے کہ کیسی تحقیقات سے بیٹے کو پڑھاتے اور اس کا پڑھنا چاہتے تھے۔ حقیقت میں اگر اس کاوش کے ساتھ ایک کتاب بھی پوری نکل جائے کافی ہے۔

کی شناسا ہیں، وہ اِس دنیا میں بھی ایک دوسری سے اُنس واُلفت رکھتی ہیں، اور جو روحیں بے گانہ اور اجنبی اور ناشناسا ہیں، وہ یہاں بھی باخود باختلاف رکھتی ہیں، اور اُن میں برابر بگاڑ رہتا ہے۔ حاصلِ مطلب یہ کہ دنیا میں جو ملاپ اور بگاڑ اور موافقت ومخالفت ہے، وہ اثر ونتیجہ ہے روحی اُنس ونفرت کا۔

مَا تُقَصِّرُ تُرِيْدُ اَنْ تَاخُذَ مِنِّىْ مَرَّتَيْن. مَا تُقَصِّرُ صیغۂ واحدِ مذکرِ حاضر، مصدر: تقصیر بہ معنیٔ کوتاہی کردن۔ مصدرِ مجرد: قصور، یعنی "تو اِس میں کمی اور کوتاہی نہیں کرتا، تیرا ارادہ یہ ہے کہ مجھ سے دو مرتبہ یعنی دوبارہ لے۔"

اَنْيَاب جمع ناب بہ معنیٔ دندانِ نشتر یعنی کچلی۔ عربی میں دانتوں کے چار نام ہیں۔ اوپر اور تلے کے اگلے دو دانت ثَنَايَا، اِس کا مفرد ثَنِيَّة۔ ثَنَايَا کے پہلو میں دونوں طرف اوپر تلے کے چار رَبَاعِيَّات، پھر اُن کے پہلو میں اَنْيَاب، پھر اَضْرَاس جمع ضِرْس یعنی: ڈاڑھ۔

حَقَنَ دَمًا مَّهْدُوْرًا۔ حَقْن مصدرِ مجرد کے معنی ہیں: باز داشتنِ خون از ریختن، اور هَدْر کے معنی ہیں: خوں ریختن، پس لفظی معنی حَقَنَ دَمًا مَّهْدُوْرًا کے یہ ہیں کہ "بچایا خون کو جو بہتا گیا تھا" اور مرادی معنی یہ ہیں کہ "جاتی ہوئی جان بچائی" یعنی اگر وہ نہ بچاتا تو وہ جان تلف ہوجاتی، اور ضائع جاتی اور خون گرایا جاچکتا۔

[خط: 9]

یہ چٹھی تمھاری پہلی چٹھی سے بہتر ہے۔ اِس میں بھی تم نے اصلاح نہیں لی، اور لکھنے کے بعد نظر ثانی تک نہیں کی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ تم کچھ جملوں کے یاد کرنے پر متوجّہ ہوئے۔ بس زبان دانی کی یہی تدبیر ہے۔ تم صِلوں اور روابط میں اکثر غلطی کرتے

ہو۔ اردو میں کہتے ہیں: "میں نے اُس سے کہا"، عربی میں: "قُلْتُ لَهٗ"، انگریزی میں: " آئی ٹولڈہِم" یا" آئی سِڈ ٹوہِم" دیکھو، کتنے اختلافات ہیں۔ روابط پر بہت خیال رکھو کہ کس فعل کے ساتھ ٹو[117] یا آف یا فرام یا فار یا کیا صلہ لاتے ہیں؟ یاد کرنے کو واقع میں نظم عمدہ چیز ہے، لیکن یاد بھی ایسی کہ جب کسی نے کسی لفظ پر ٹوکا، جھٹ سند پڑھ دی۔ روابط تھوڑے ہیں، مگر وَرب[118] بہت؛ لیکن خیال رکھو گے تو رفتہ رفتہ ذہن پر چڑھ جائیں گے۔ گرامر تمھاری بہت خام ہے۔ چاہے مدرّسے میں تاکید ہو یا نہ ہو، اِس کو درست کرو، ورنہ بے گرامر زبان کا آنا معلوم۔ اپنے تئیں میرے اوپر قیاس مت کرو۔ برخوردارِ من! میں نے اِتنا بھی بے مددِ استاد[119] کیا تو بہت کیا۔ اور سو بات کی ایک بات تو حاجت ہے۔ مجھ کو اب کیا ضرورت ہے کہ سرزنش کروں، لیکن اگر آج کوئی مجھ کو یقین کرادے کہ بی۔اے۔ کا درجہ حاصل کرنے سے میری تنخواہ چھ سو ہو جائے گی، تو خیر اب بھی امتحان دینے کو موجود ہو جاؤں۔

دہلی میں تمھارے لکھنے کا سامان درست نہیں۔ ہندوستانی روشنائی سے انگریزی کو ٹرخاتے ہو۔ خط بگڑتا ہے۔ خوش خطی بھی عجب ہنر ہے۔ خواہ نخواہ اچھا خط دل کو بھلا لگتا

117. تک، کا، سے، لیے
118. فعل
119. یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ مولوی نذیر احمد نے کسی استاد سے انگریزی نہیں پڑھی اور ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی میں بی۔اے تک کی ان کی نظر میں وقعت نہیں تو یہ واقعہ مولوی نذیر احمد کی کمالِ ذہانت کی دلیل ہے۔ مولوی بشیر الدین احمد بیان کرتے تھے کہ دہلی کالج کے پرنسپل نے بہتیرا چاہا کہ مولوی نذیر احمد انگریزی پڑھیں مگر مولوی نذیر احمد کے والد نے اجازت نہ دی، یہاں تک کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جب مولوی نذیر احمد الہ آباد میں مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر ہوئے تو عبداللہ خاں مرحوم امین عدالت کے مکان پر ٹھیرے۔ وہ بڑے جید انگریزی داں تھے انھوں نے مولوی نذیر احمد سے عربی شروع کی اور اس کے معاوضے میں مولوی صاحب کو انگریزی کی ترغیب دی۔ مولوی صاحب اکثر دورے میں رہتے جب صدر مقام الہ آباد کو آتے تو خاں صاحب نے صحیح الفاظ کر لیتے اور رومن ڈکشنری کی مدد سے خود بے مدد استنباطِ مطلب کر لیا کرتے۔ دو برس میں انگریزی اخبار سمجھنے لگے۔

ہے۔ اگر کالج میں خط کو درست نہ کرو تو خیر بگڑنے دینا بھی عقل کی بات نہیں۔ چندے بنا کر، ہاتھ روک کر لکھو، پھر تو گھسیٹ بھی اچھی ہوگی۔

بشیر! افسوس، اگر تم نے عربی نہ پڑھی۔ عجیب چیز ہے، نرے[120] انگریزی داں جہاں دیکھیے بے تمیز اور مبہوت۔ نہ اپنی کہہ سکیں اور نہ دوسرے کی سمجھیں۔

میں تم کو انگریزی کی اصلاح کے لیے اس لیے تاکید کرتا ہوں کہ تمھاری اِستعداد کو جلد ترقی ہوگی، اور خط لکھنے کے بہانے ایک بڑا کام نکل جائے گا۔ تم مجھے خط لکھنے کا ایک معمول باندھو۔ ہفتے میں دو خط، ایک انگریزی مگر اصلاحی، خوش خط، نظرِ ثانی کیا ہوا؛ اور دوسرا عربی۔

بشیر! تمھاری کیا رائے ہے، تم کو کالج میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے، یا یہاں میرے پاس زیادہ فائدہ تھا؟ فقط

---

120. مولوی نذیر احمد صاحب بیٹے کا نرا انگریزی داں ہونا پسند نہیں کرتے ان کی یہ رائے ہے کہ نرے انگریزی داں بے تمیز اور مبہوت ہوتے ہیں۔ اگر بہ نظرِ انصاف دیکھا جائے تو فی الواقع ہندوستانی نرا انگریزی داں ہندوستانی سوسائٹی میں بے تمیز اور مبہوت دونوں ہوتا ہے، کیوں کہ اس نے نہ تو اپنی سوسائٹی کا ادب قاعدہ سیکھا اور نہ اپنی سوسائٹی کے قاعدے کی اس کے نزدیک کچھ قدر و وقعت ہے۔ وہ اپنی سوسائٹی کی ہر چیز کو حقارت کی آنکھ سے دیکھتا ہے حتی کہ اپنی مادری زبان کی تکمیل اور تہذیب کی طرف بھی اس نے مطلق توجہ نہیں کی اس کو اپنی زبان میں استدلال و مناظرہ کی قدرت نہیں، وہ ایک خیال کو بھی اپنی خالص بولی میں ادا نہیں کر سکتا، وہ اپنی زبان کو اس طرح اٹک اٹک کر اور رک رک کر بولتا ہے جس طرح مکتب کا سستی بھولا ہوا لڑکا سبق سناتا ہے۔ زور اور فصاحت کا کیا مذکور ہے اس کی گفتگو میں نہ روانی ہے نہ سلاست نہ برجستگی نہ شگفتگی، اس کے سر میں شاید معلوماتِ مفید کے جواہر بھرے ہیں مگر اس کے منہ پر مہر لگی ہے کہ وہی ایک رستہ ان موتیوں کے باہر نکالنے کا ہے۔ کیا مشکل ہے کہ انگریزی نہ پڑھیں تو ٹکڑوں کو محتاج پڑے پھریں، اپنے علوم نہ سیکھیں تو بے تمیز مبہوت سمجھے جائیں اور دونوں کا حوصلہ کریں تو اتنا وقت نہیں۔
ذکرِ خدا و عشقِ بتاں یادِ رفتگاں۔ دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے۔ غرض انگریزی عمل داری میں ہندوستانی بھلے آدمیوں کی مٹی ہی پلید ہے، یہ اونٹ کہیں ایک کروٹ بیٹھ بھی چکے۔

[خط: 10]

یہ چٹھی بھی اچھی ہے، مگر میں نے پھر بھی اِصلاح دی۔ مسٹر لو میرے ایک بڑے مہربانِ حال تھے، اور اوائل میں میری چٹھیوں میں اِصلاح دیا کرتے تھے۔ اب تک اُن کی اِصلاحی چٹھی میرے پاس ہے۔ لو صاحب بورڈ کے سکرٹری اور میور صاحب کے داماد تھے۔ لو صاحب کی نصیحت تھی کہ چھوٹے چھوٹے جملے اور ایسے لفظ، جو کثیر الاستعمال ہیں، اور جملے مختصر جن میں کوئی لفظ فضول نہ ہو، لکھا کرو۔ دیکھو، تمھاری چٹھی میں جو لفظ میں نے قلم زد کیے، فضول ہیں کہ بے اُن کے بھی کام چل سکتا ہے۔ اِصلاح کے لیے مولوی شہاب الدّین کے پاس چٹھی کا بھیج دینا کیا معنی؟ اِصلاح رؤ در رؤ ہونی چاہیے کہ جو لفظ بنایا جائے، اُس کی وجہ زبانی پوچھ لو۔ بوسہ بہ پیام![121] اِصلاحِ چٹھی کے لیے تم اپنا کوئی ماسٹر کیوں نہیں تجویز کرتے؟ مجھ کو شہاب الدّین کی انگریزی میں تامّل ہے، شاید میری راے برسرِ غلط ہو۔ خاک از تودۂ کلاں بردار۔[122]

بشیر! بہت کچھ اپنے واسطے پڑھو، لیکن خدا کے لیے عربی میری خاطر سے۔ اگر تم کو زیادہ فرصت نہ ہو تو اچھے بشیر! اتنا تو کرو کہ مناسبتِ عربی باقی رہے۔ تھوڑا بھی کرتے رہو گے تو چند روز میں ایک ذخیرہ ہو جائے گا۔ ورق اور صفحہ نہیں تو دو سطر ایک سطر۔ دن اور گھنٹہ نہیں تو منٹ یا سکنڈ۔[123] مِفتاح الادب[124] کو خوب سمجھ کر ابھی سے یاد کر چلو ورنہ وہ تمھارے بس میں آنے والی نہیں۔

---

121. فارسی کا یہ ایک محاورہ ہے یعنی جس طرح بوسہ بہ پیام امکانِ وقوع نہیں رکھتا اسی طرح اصلاح بدونِ مواجہہ ومشافہہ نہیں دی جاسکتی۔ غرض یہ ہے کہ اصلاحِ غائبانہ مبتدی کے حق میں مفید نہیں۔
122. مٹی اٹھاؤ تو بڑے ڈھیر سے مراد یہ ہے کہ علم حاصل کرو تو استادِ کامل سے۔
123. گھنٹے کا ساٹھواں حصہ منٹ اور منٹ کا ساٹھواں حصہ سکنڈ۔
124. عربی قواعدِ صرف ونحو کی ایک کتاب مدارس کے مصرف کی۔

[خط: 11]

سبحان بخش! [125]

وَعَلَیْکُمُ السَّلامُ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلیٰ ذٰلِکَ. [126]

مجھ کو امّید ہے کہ تم خوش دلی کے ساتھ رہو گے، اور اگر تمھاری مدد سے میاں بشیر علم حاصل کریں تو یہ ایک ایسا احسان مجھ پر کرو گے، جس کی تلافی سوائے شکر گزاری میرے پاس کچھ نہیں۔ علمِ شے بہ از جہلِ شے۔ [127] اگر بہلا بہلا کر بشیر کو فارسی پڑھاؤ تو وہ بھی خالی از منفعت نہیں۔ بشیر کے عادات واخلاق کی زیادہ نگرانی رکھو، کیوں کہ دنیا اور دین دونوں کی درستی عادات کی درستی پر موقوف ہے۔ والسّلام

125. مولوی نذیر احمد صاحب جب بطور ضلع کانپور میں تحصیل دار تھے تو اس شخص کو بشیرالدین احمد کے کھلانے کے لیے نوکر رکھ لیا تھا جب کہ وہ شیر خوار تھے اور یہ شخص بھی سات آٹھ برس کا ہوگا پھر یہ شخص برابر بشیرالدین احمد کی رفاقت میں رہا۔ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے: سگِ اصحابِ کہف روزے چند۔ پے نیکاں گرفت مردم شد۔ یہ شخص پڑھ لکھ کر مولوی ہوا اور اب وعظ گوئی سے اپنی معاش پیدا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ کا ایک لڑکا جو اورئی [شہر کا نام ہے] میں رکھا گیا وہ حیدرآباد کے علاقے میں تیس چالیس کا منشی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ مولوی نذیر احمد صاحب کے یہاں نوکروں سے صرف خدمت ہی نہیں لی جاتی بلکہ ان کی تعلیم اور اصلاحِ حالت پر بھی نظر رہتی ہے۔ ان کا یہ نمونہ واجب التقلید ہے۔

126. عافیت پر خدا کی ستایش ہے۔

127. چیز کے نہ جاننے سے اس کا جاننا بہتر ہے مگر جہاں فارسی کا نام آتا ہے مولوی نذیر احمد اس کو حقارت ہی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور سچ ہے دنیا کے اعتبار سے انگریزی کے مقابلے میں اور دین کے لحاظ سے عربی کے آگے فارسی ہے بھی بے قدر۔

[خط: 12]

بیوی صاحب[128] کو سلام کے بعد معلوم ہو، اِس خط میں ایک پرچہ... صاحب کے خط کا ملفوف ہے۔ جس قدر متعلّق مطلب نہ تھا، اُس کو میں نے سرخی سے قلم زد کردیا ہے۔ خط عبارتِ فارسی میں ہے، لیکن وہ فارسی ایسی ہے کہ تم اُس کو بہ آسانی سمجھو گی۔ ...صاحب اور بیگم صاحب دونوں کو اب تک منظور ہے، تم نے بات کو کھٹائی[129] میں ڈال رکھا ہے۔ اگر تم کو دِلّی میں اچھی جگہ ملتی ہے، دیر کیوں کر رہی ہو، ورنہ باہر تو... کی بات بھی مجھ کو بہت پسند ہے۔ اب تم سے کوئی امر مخفی نہیں۔ صورت، ہنر، عادت وغیرہ جتنے امور قابلِ لحاظ ہیں، سب تم کو معلوم ہیں۔ پس صلاح و مشورہ کرکے راے کو یک سو کر چکو، مگر یہ بھی سمجھ لو کہ یوں تو رہنا جانا بہ اختیارِ خدا ہے، لیکن بہ نظرِ ظاہر اب کوئی امید اِس ضلع میں میرے رہنے کی نہیں معلوم ہوتی؛ بہت رہا تو گری بھر۔

آخر صاحب زادۂ بلند اقبال نے عربی کو بالاے طاق رکھ دیا۔ میری دو برس کی محنت پر پانی پھرنا چاہتا ہے۔ کیا اگر آدھ گھنٹہ یا پاؤ گھنٹہ ہر روز، یا ہفتے میں دو بار، یا تعطیل کے دن، بشیر عربی پر صرف کرے تو کچھ مشکل ہے؟ مگر نہ کرنا منظور ہو تو سو حیلے اور ہزار بہانے۔ میں بھی کالج میں پڑھتا تھا اور یہ سب آفتیں تھیں، مگر باہر کا سبق ناغہ نہ ہونے دیا۔ بہ ہر کیف ایسا انتظام کرو کہ میاں بشیر پڑھنے میں کوتاہی نہ کرنے پائیں۔

یکم مارچ ۱۸۷۶ء

128. والدۂ بشیرالدّین احمد کو نوکر چاکر اندر باہر بیوی صاحب بیوی صاحب کہا کرتے تھے، ہوتے ہوتے بیوی صاحب ان کا علم ہوگیا۔ اب خاندان کے چھوٹے بڑے سب ان کا یہی نام لیتے ہیں۔

129. مولوی بشیرالدّین احمد کی منگنی کی بات چیت مراد ہے۔

[خط: 13]

میں تمھارا عربی خط دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ شاباش! شاباش! اِس تحقیق سے اگر پچاس سبق ہو جائیں تو کیا کہنا ہے۔ بس اِکسیر سمجھو۔ میں نے دو گھنٹے کی محنت میں تمھارے خط کو درست کیا، مہربانی کر کے اُس کا کوئی نقطہ چھوڑ مت دینا۔ جس لفظ کی تم سند نہ پاؤ یا تسکین نہ ہو، اُس کو مولوی خان بہادر شیخ ضیاء الدّین یا میر نصیرالدّین صاحب سے حل کرلو۔ بات بات میں حُجت مگر معقول، شرطِ طالب العلمی ہے۔ یہی تحقیق ہر زبان اور ہر فن میں پیشِ نظر رہے تو بشیر! اِس طرح پر ایک یا دو برس کا پڑھنا کافی ہے۔ بشیر! صاف لکھو کہ تم اپنی جماعت میں اوّل نمبر کے لڑکے گنے جاتے ہو یا کسی مضمون میں کوئی لڑکا تم سے بھی اوّل ہے؛ تو محنت کر کے اُس کے برابر ہو جاؤ۔ کھیلتے کھیلتے سبحان بخش سے ذرا سی فارسی بھی کبھی[130] دیکھ لیا کرو، آخر ایک چیز ہے۔

۳/ مارچ ۱۸۷۱ء

[خط: 14]

ایک ہفتے سے تمھارا خط بند ہے۔ جو شخص تمھاری طرح ایسے مکان میں رہتا ہو کہ وہاں سارے سارے دن کان پڑی آواز نہ سن پڑے، اُس کو اِس بات کا یقین کرانا سخت مشکل ہے کہ دنیا میں لوگ خط کے منتظر بھی رہا کرتے ہیں۔

بشیر! گو تم کو اُس قدر تحصیلِ علم کا شوق نہ ہو، جس قدر بہ اقتضاے حالاتِ زمانہ ہونا چاہیے، یا جس قدر میں چاہتا ہوں کہ ہو؛ تاہم میں کیا، جو تم کو جانتا ہے وہ یہ بھی جانتا

130. فارسی کی طرف سے کیا بے رغبتی اور بے مبالاتی ہے۔

ہے کہ تم سمجھ دار ہو، اور اُسی سمجھ کے بھرو سے پر میں تم کو یہ خط لکھتا ہوں۔ شرم وحیا شرط ادب و جوہر شرافت ہے، لیکن شرم تین قسم کی ہے: شرعی، عقلی، عرفی۔ شادی بیاہ کے بارے میں جو شرم لوگ کیا کرتے ہیں، وہ نہ شرعی ہے، نہ عقلی بلکہ محض عرف یعنی راہ و ورسم دنیا کی پابندی ہے۔ تم کپڑا اور کتاب اور کھانا، یہاں تک کہ ٹوپی اور جوتی، یعنی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں میں ہمیشہ اپنی ذاتی رائے کامل آزادی اور بے باکی کے ساتھ ظاہر کیا کرتے ہو۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ ایسے امرِ اہم کی نسبت، جس پر تمھارے دین و دنیا کا بناو بگاڑ منحصر ہے، تم سے رائے نہ طلب کی جائے۔ تم شاید یہ حیلہ کرو گے کہ یہ معاملہ مشکل ہے، اور مجھ میں ایسے امورِ عظیمہ کی نسبت رائے دینے کی قابلیت نہیں۔ سچ ہے، رائے طلب کرنے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ خواہ نخواہ تمھاری رائے پر عمل بھی کیا جائے بلکہ صرف اتنی غرض ہے کہ تمھاری طبیعت کا رُجحان اور مَیلان دریافت ہو۔ میں تمھارے بیاہ کی نسبت مستعجل ہوں۔

...کے یہاں جو تذکرہ ہوا تھا تم کو معلوم ہے اُن کو بھی انکار نہیں۔ اور جب اصلِ سخن میں اتفاق ہے تو چھوٹے اختلافاتِ مہر دغیرہ رَفع ہو جائیں گے۔ دہلی میں جہاں اِس کی گفت وشنود ہو، وہاں کے حالات تم کو بہ آسانی معلوم ہو سکتے ہیں۔ پس تم اپنی رائے بھی ظاہر کرو کہ تم کو کیا منظور ہے، اور کس جگہ تعلّق پیدا کرنا پسند ہے؟ برخوردار! یہ شرم کی بات نہیں ہے؛ انسان کی خِلقت اِسی طرح کی ہے کہ مرد اور عورت میں اختلاط ہو، اور اُن کی نسل چلے۔ تم خیال کرو کہ اگر بے شرمی کی بات ہوتی تو میں کیوں پوچھتا۔ میرا بہ اصرار پوچھنا اس کی دلیل ہے کہ تم کو اپنی رائے ظاہر کرنے میں مضائقہ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر تم کو لوگوں کا خیال ہے تو اپنی رائے کو اعلان کے ساتھ مت ظاہر کرو۔ اپنی ماں کے کان میں کہہ دو، یا اپنی بہنوں سے بیان کر:، یا مجھ کو لکھ بھیجو یا لکھوا بھیجو۔ ...صاحب کے خطوط برابر چلے آتے ہیں۔ ایک پرچہ جس میں اُن کا معمولی لفظ ماہی بے آب ہے، تمھارے ہنسنے کو بھیجتا ہوں۔ اِس پرچے سے بھی اُن کی گرویدگی ظاہر ہوگی۔ بیٹی والا اِس سے زیادہ کیا کرے گا۔ تم لوگوں نے بے چارے کو دُبدھے میں ڈال رکھا ہے، بات کو یک سو کر

چکو۔ بھئی سنو! دوری پر جو کچھ اعتراض کرو، تم کو دلّی میں ایسا گھر نہیں ملے گا، اور اِس منّت وزاری کے ساتھ؛ اور اگر ملے تو چشمِ ما روشن دلِ ما شاد۔[131]

...صاحب مجھ کو ہر خط میں ملامت لکھتے ہیں کہ تو نے میاں بشیر کو ناحق چھوڑا۔ تجھ سے بہتر اُن کو پڑھانے والا نہیں ملے گا۔ میں ہمیشہ اُن کو سمجھاتا ہوں کہ انگریزی میں میاں بشیر بڑا فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ سو بشیر! مجھ کو شرمندہ مت کرنا۔ ننھے نواب اور فیروزی کے لیے خواجہ صاحب نے بڑی سرگرمی کے ساتھ اہتمام کیا ہے۔ عبداللہ اور منوہر دونوں کو نوکر رکھ لیا ہے۔ حق یہ ہے کہ بے چارہ بڑی ہمت کرتا ہے، اور اِس وقت تک تعلیم بھی عمدہ ہو رہی ہے۔ سچ کہا ہے: یدّیا گر تے کی، یعنی علم اُس کا جو محنت کرے۔ انگریزی بولنے کا کیا حال ہے؟ تم کو خود بھی تو حال وسابق میں تفرقہ محسوس ہوتا ہوگا۔ واحد علی تھرڈ کلاس[132] میں ہے، راجندر مشن سکول میں پڑھتا ہے؛ غرض ہر طرف اور ہر جگہ لوگ کچھ کر رہے ہیں۔

ع فکرِ ہر کس بہ قدرِ ہمتِ اوست

اِس ضلع سے علی گڈھ میں بھی بہت لڑکے گئے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ علی گڈھ کی کیا تخصیص ہے، شوق ہو تو دیہاتی مکتب آکسفرڈ اور اڈنبرا[133] کی یونیورسٹی[134] کا حکم رکھتے ہیں۔

۸/ مارچ ۱۸۷۶ء

---

131. آنکھ ہماری روشن اور دل ہمارا خوش یعنی ازیں چہ بہتر۔
132. تیسری جماعت
133. آکسفرڈ اور کیمبرج انگلستان کے دو بڑے دارالعلوم ہیں۔
134. دارالعلوم

[خط: 15]

خطِ فارسی تمھارا پہنچا۔ میں تم کو خود چند بار فارسی کی طرف متوجہ کر چکا ہوں۔ اِس میں کیا شک ہے کہ اُردو سے فارسی بہ مدارج بہتر ہے۔ اِتنی بات سمجھ لو کہ انگریزی، عربی، فارسی؛ یہ سب دوسرے ملکوں کی زبانیں ہیں۔ ہم کو مِنْ حَيْثُ الْمُعَاشَرَة[135] اپنی اُردو کے علاوہ کوئی دوسری زبان درکار نہیں، لیکن اُردو ابھی حالتِ طفلی میں ہے، یعنی کُلھم ڈھائی تین سو برس اِس کو پیدا ہوئے گزرے ہوں گے۔ میرؔ تقی اور سوداؔ کے اشعار میں بھی بہت سے الفاظ عجیب پائے جاتے ہیں، جو اَب متروک ومہجور[136] ہیں، جیسے: جاگہ بجاے جگہ، ستی بجاے سے، آئیاں بجاے آئیں وغیرہ۔ شروع شروع بھاکھا کے الفاظ اُردو میں اِس کثرت سے تھے کہ ابتدائی اُردو کا ایک جملہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ سب سے پہلا اردو یعنی ریختہ گو وؔلی تھا، اُس کے اشعار سنو تو ہنستے ہنستے لوٹ جاؤ، لیکن یوماً فیوماً اُردو کی تہذیب ہوتی گئی، یہاں تک کہ میرؔ تقی نے ایسا ریختہ کہا کہ فارسی کو مات کیا۔ سوداؔ اُن کا ہم عصر تھا؛ زاں بعد ناسخؔ وآتشؔ کا زمانہ ہوا تو اِن کی بولی اور بھی صاف ہے۔ اب آخر میں شیخ ابراہیم ذوقؔ، اور دبیرؔ اور انیسؔ لکھنوی نے تو اُردو کو خوب رونق دی۔ انگریز بھی کبھی کچھ توجہ کرتے ہیں کہ اردو کو رونق ہو، مگر یہ سیکڑوں برس کے کام ہیں۔ غرض، اُردو میں افسوس ہے کہ علم نہیں، اور بولی ٹھولی کا بھی وہ لطف نہیں جو عربی فارسی میں ہے۔ بشیرؔ! عربی کا جب تم کو مزہ ملے گا تو سچ باور کرو آدمی پر وجد کی کیفیت طاری ہو ہو جاتی ہے۔ مفتی صدرالدّینؔ خانِ مرحوم کو میں نے دیکھا کہ با ایں وقار مجمعِ امتحان میں انگریزوں کے رؤبہ رؤ گانے لگتے تھے۔ علم اور لطفِ زبان کی جستجو میں ہم دوسری زبانوں کے حاجت مند ہیں، اور یہ وجہ داعی ہے کہ نِری اُردو سے کام نہیں چلتا، اور چار وناچار دوسری زبان سیکھنی

---

135. بہ لحاظِ معاشرت

136. متروک ومہجور مترادف ہیں۔

پڑتی ہے۔ اب دوسری زبان کون سی اختیار کی جائے، جس کے ذریعے سے علم حاصل ہو، اور بولی کا مزہ ملے؛ سو برخوردار! وہ زبان انگریزی ہے۔ کَلَامُ الْمَلِکِ مَلِکُ الْکَلَامِ۔[137] انگریزوں کی جستجو، انگریزوں کی تلاش اور محنت اِس درجے کی ہے کہ کسی قوم نے اِس صفت میں اُن کی ہمسری نہیں کی۔ اب انگریزی کا یہ حال ہے کہ گنجینۂ علوم ہے۔ یونانی اور عربی اور عبرانی اور سنسکرت اور لیٹن[138] وغیرہ میں جو ذخیرے تھے، انگریزوں نے سب اپنی زبان میں جمع کر لیے۔ اب یہ عجیب بات دیکھی جاتی ہے کہ اصلی زبان میں اُن علوم کا پتا نہیں، مثلاً جبر ومقابلہ فی الاصل عربی میں تھا، اُس کا نام اَلجبرا[139] اِس کا گواہ ہے۔ انگریزی میں کوڑیوں[140] جبر ومقابلے ہیں۔ عربی میں مجھ کو تو آج تک کوئی رسالہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، اور غالب ہے کہ مصر وروم میں بھی ہوں گے تو اب انگریزی کتابوں کے ترجمے ہوں گے؛ اصلی کتابیں معدوم اور مفقود۔ اِس سے قطعِ نظر، انگریزی زبانِ حکّامِ وقت ہے۔ اگر اِس میں علوم نہ بھی ہوتے تو اِس کا زبانِ حکّام ہونا کافی تھا۔ کیوں کہ اِس صورت میں وہ ذریعۂ رسائی ہے۔ غرض، جس جس پہلو سے دیکھا جاتا ہے، سب سے مقدّم انگریزی، اِس کے بعد عربی، اِس لیے کہ وہ کلاسکل ہے۔ فصاحت اور بلاغت اِس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ عربی شعارِ اسلام ہے۔ میرے نزدیک جو مسلمان[141] عربی نہیں جانتا وہ نام کا مسلمان ہے۔ سب کے

137. بادشاہ کا کلام کلام کا بادشاہ ہوتا ہے۔

138. زبانِ لاطینی

139. ناموں پر الف لام کا داخل ہونا اس کی شناخت ہے کہ یہ لفظ عربی الاصل ہے۔

140. جس طرح ۱۲ کی درجن اسی طرح ۲۰ کی کوڑی۔

141. سچ تو ہے قرآن عربی، حدیث عربی، نماز عربی اور آخر کار ان شاء اللہ جنت میں بھی عربی ہی بولنی ہوگی، تو جو عربی نہیں جانتا وہ مسلمان کاہے کا؟ اس میں ذرا سا بھی شک نہیں کہ بے عربی جانے آدمی قرآن سے پورا پورا فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اہلِ اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ نظمِ قرآن معجز ہے اس معجزے کی تصدیق بدون عربی کے کیوں کر ہوسکتی ہے؟ عربی بے شبہہ دوسرے ملک کی زبان ہے اور اس کا سیکھنا بھی اشکال سے خالی نہیں، مگر فی الواقع وہ اتنی مشکل نہیں جس قدر لوگوں کی بے تدبیریوں نے اس کو مشکل بنا رکھا ہے۔ اوسط درجے کے ذہن کا آدمی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بعد فارسی، وہ بھی اِس وجہ سے کہ ہماری اُردو میں فارسی کی ترکیبیں بہت ہیں، اور فارسی کے بدون تکمیلِ اُردو ممکن نہیں۔ حاصلِ کلام، فارسی کو اتنا دیکھو کہ اصل مطلب فوت نہ ہو۔ یہ کون کہے کہ فارسی کچھ نہیں۔ علم شے بہ از جہل شے۔ اگر کسی کو موقع ملے تو اُس کو سنسکرت اور ترکی اور پشتو اور چینی زبانوں کا سیکھنا تضییع وقت سے بہتر ہے۔ تم تکمیلِ انگریزی پر اپنی تمام ہمت صَرف کرو، فارسی کو لَہو ولَعَب کے عوض رکھو؛ لیکن فارسی میں ہزاروں الفاظ عربی کے ہیں، اُن کو نظر انداز مت کرو۔ تحقیق عجب چیز ہے، جو کرو تحقیق

(گذشتہ سے پیوستہ) اوسط درجے کی محنت کرے تو دو برس میں اچھی خاصی طرح عربی عبارت کے پڑھ لینے پر قادر ہوجاسکتا ہے بہ شرطے کہ صرف ونحو کے سیدھے سیدھے مسئلے سیکھنا چاہے اور مولویوں کی منطقانہ کٹھ حجتی سے قطعِ نظر کرے۔ مولوی نذیر احمد صاحب کے خطوط میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ انھوں نے بیٹے کو اردو زبان میں عربی کی صرف ونحو پڑھائی اور دو برس میں مولوی بشیرالدین احمد عبارتِ عربی کے پڑھ لینے پر قادر ہوگئے اور قرآن کے معنی سمجھنے لگے لیکن یہ ایک سخت مصیبت ہے کہ لوگ پرانی طرزِ تعلیم کو بدلنا نہیں چاہتے، نتیجہ یہ ہے کہ صرف ونحو کی مشکلات دیکھ کر لوگ عربی کے سیکھنے کا حوصلہ نہیں کرتے اور زبانِ عربی ہے کہ خود مسلمانوں میں سے مٹتی چلی جاتی ہے اگر چندے یہی حال رہا تو عن قریب وہ وقت آجائے گا کہ لوگ الحمد کی جگہ الجمد اور الخمد پڑھنے لگیں گے اور اس پر لڑیں گے۔ عربی کو ہندو یا عیسائی یا پارسی تو سنبھالنے سے رہے ہندوستان کی ملکی زبان یہ نہیں۔ دنیا کا کوئی کام اس پر بند نہیں پس ہندوستان میں عربی کے سنبھلنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ مسلمان بہ تقاضائے مذہب اس کی حمایت اور رعایت کریں۔ اب مسلمان اتنی بات خود سوچ سکتے ہیں ان کی موجودہ بے توجہی پر عربی ٹھیر بھی سکتی ہے یا نہیں؟ ہمارے سمجھنے میں تو عربی گئی اور ایسی گئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ مسلماناں در گور، مسلمانی در کتاب۔ انا للہ و انا الیہ راجعون، اوّل تو ہمارے نزدیک عربی کچھ ایسی مشکل نہیں اور فرض کیا کہ مشکل ہے بھی تو اے بندگانِ خدا! دنیا کے لیے کیسی کیسی زحمتیں اٹھاتے ہو۔ انگریزی پڑھتے ہو، قانون یاد کرتے ہو اور ہزاروں طرح کے ناچ ناچتے ہو۔ یارو، عربی کو دین کے لیے، خدا رسول کے لیے، اپنی عاقبت کے لیے سنبھالے رہو۔ عربی گئی (اور اب اس کے جانے میں کسر ہی کیا رہ گئی ہے) تو سمجھو کہ دین گیا، ایمان گیا اور دین وایمان کے ساتھ دنیاوی فخر واحتیاز بھی گیا، کس منہ سے کہو گے ہمارا قرآن، ہماری کلاسکل لینگویج، ہماری فصاحت، ہماری بلاغت، ہمارا ادب۔ و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔

کے ساتھ کرو۔

اِصلاح کے متعلق یہ بات ہے کہ مُبتدی مثل اُس لڑکے کے ہے جو چلنا سیکھتا ہے، اور اِصلاح دہندہ اُس کو چلنا سکھاتا ہے۔ ہم لوگ بچّوں کو اُنگلی پکڑا دیتے ہیں، لیکن چلنے کا سارا بوجھ لڑکے پر ڈالتے۔ مگر فرض کرو کہ بجاے اُنگلی پکڑا دینے کے ہم لڑکے کو بٹھادیں، اور خود دوڑے دوڑے پھریں تو اِس سے لڑکے کو کیا فائدہ ہوگا؟ اِصلاح دہندہ اگر خود ساری عبارت لکھ دے تو اِس سے مُبتدی کو کچھ نفع نہیں۔ بڑی اِصلاح شوق ہے۔ جی کو لگی ہوتی ہے تو آدمی وہ نکالتا ہے جو استاد کو نہ سوجھے۔

... کہاں ہیں، اور چوری الہ آباد میں ہوئی یا پھول پور میں؟ میں نے اِس غرض سے پوچھا کہ شاید میں کچھ مدد کرسکوں۔ اگرچہ اصلی مدد خدا کی چاہیے، لیکن قرابت مندی اسی دن کے لیے ہوتی ہے۔ سالی اور بہن لفظ دو ہیں، اور معنی واحد.... کے مجھ پر بھی حقوق ہیں، اور مجھ کو اُن کی مصیبت سے رنج ہوتا ہے۔

ریڈ صاحب بورڈ سے مل کر واپس آئے۔ یہ تو طے ہوگیا کہ بندوبست میں وان صاحب رہیں، اور مجھ کو ضلع ملے۔ علی گڑھ کا نام سن کر بورڈ نے کہا کہ نذیر احمد بڑا ہی خوش نصیب ہے، اُس کو بے نمبر ترقی ملی؛ اب کیا ضرور ہے کہ ضلع بھی اُس کو اُسی کی تعیین سے ملے۔ غرض جواب صاف۔

ع یہ راحت ملی ایسی محنت کے بعد

میں علی گڑھ کو لے کر کیا بھاڑ میں ڈالتا؟ یہ خدا صرف تمھارے لیے کہ تم کسی طرح پڑھو۔ بشیر! اگر تم چار پانچ برس لگ لپٹ کر محنت کرڈالو تو کچھ بات نہیں؛ پھر انشاء اللہ ساری عمر اِس محنت کا فائدہ اُٹھایا کرو گے۔ میں نے جس بے سامانی سے پڑھا، تمھاری ماں اُس کی گواہ ہیں، اور پھر میری محنت کا حال بھی اُنھی سے پوچھو کہ مجھ کو اطمینان سے سونا حرام تھا۔ یہ محنت ایک حیلہ ہوگئی، اور خدا نے مجھ کو اِفلاس اور بے توقیری کے عذاب سے نجات دی۔ تم بھی تو کبھی اپنی حالت کو میری اُس حالت سے مقابلہ کیا کرو۔ اب جو میں ست اور کاہل ہوگیا ہوں تو اِس وجہ سے کہ کوئی اختیاری تدبیر باقی نہیں، ورنہ اِس

پیری میں بھی میری کتاب بنی جوان ہے۔ باربار امتحانِ وکالت کو جی للچاتا ہے، لیکن تیس برس کی خدمت اور تعزز پر نظر کر کے ہمت قصور کرتی ہے۔ اب جو مجھ سے رہ گیا ہے تم کرو

ع اگر پدر نتواند پسر تمام کند

انگریزی کا انتظام ابھی خاطر خواہ تم نے نہیں کیا۔ گرامر کے قواعد مُستَحفَظ ہوں اور جو پڑھو سو اَزبر۔ اِصلاح دینے والا کوئی آدمی با استعداد ہو، اور ہر وقت ایک دُھن لگی رہے، تب جانو کہ انگریزی آئی۔ اور انگریزی کی کیا تخصیص ہے، ہر علم، ہر زبان کا یہی حال ہے۔

لفظ اوس اور آس کی بابت میں تم کو لکھنے والا تھا۔ حرکات بالحروف اردو میں نہیں تو اوس بالواو کیوں ہو، اور اوس ہو تو اِس کی جگہ ایس کیوں نہ ہو، اِسی طرح اٹھانا وغیرہ؛ لیکن ایک غلط دستور واو لکھنے کا رواج پا گیا ہے۔ تم چاہو دستورِ غلط کی تقلید کرو، یا پابندِ صحت ہو کر ترکِ واو کا التزام رکھو۔ فقط

۲۱/ مارچ ۱۸۷۶ء

[خط: 16]

تمھارے[142] خط کو جس میں تم نے... صاحب کے خاندان کی نسبت اپنی پسندیدگی ظاہر کی ہے، میں نے بہت خوشی سے پڑھا۔ شاباش! آزادی اور معقول پسندی اِسی کا نام

142. مولوی نذیر احمد صاحب کا طریق عمل دانش مندانہ اور اس قابل ہے کہ ہمارے ملک کا ہر ایک باپ اس کو اختیار کرے۔ مذہب اسلام میں تو سبھی کچھ ہے ایجاب وقبول بھی ہے، پسند وانتخاب بھی ہے، رضامندی بھی ہے مگر وہی مثل ہے کہ ہاتی کے دانت کھانے کے اَور اور دکھانے کے اَور، یہ ساری باتیں کتابوں میں لکھنے کے لیے ہیں، عمل درآمد میں کہیں ان کا سان گمان بھی نہیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے بہ اصرار بیٹے کو اظہار رائے پر مجبور کیا (دیکھو خط ۱۴) نوجوان بیٹا بہ قولِ سعدیؔ: درایام جوانی چناں کہ افتد دانی۔ حسنِ صورت پر ریجھا تو مولوی نذیر احمد صاحب نے سمجھا کر بیٹے کی شورش کو فرو کیا کہ یہ تعلق مرنے بھرنے کا ہے حسنِ صورت کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔ مجھ کو بھی تمھاری رائے سے اتفاق ہے۔ اور بات ابھی لگا رکھی ہے، اور چوں کہ یقیناً... صاحب کو تم سا آدمی مل نہیں سکتا، ہم کو عجلت کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جب تک ہماری طرف سے جواب صاف نہ ہو، وہ لڑکی کہیں جا نہیں سکتی، لیکن ایسے معاملات میں جملہ اطراف و جوانب پر نظر کرنی ہوتی ہے۔ ...صاحب کے گھر کا دستور کچھ عجب طرح کا ہے۔ نو برس ہوئے کہ زن وشو میں کچھ تعلق نہیں۔ اِس کا اثر اُن کی اولاد پر بہت ہی زبوں ہو رہا ہے۔ اُن کو نہیں دکھایا جاتا کہ تعلقِ زن وشوئی کیا ہے، اور اِس تعلق سے کیسے کیسے حقوق ایک کے دوسرے پر ثابت ہوتے ہیں۔ اُن کی طرزِ ماند وبود ہماری طرزِ ماند وبود سے اِس قدر مختلف ہے کہ جو اُن کے یہاں ہنر ہے، اُس کو ہم لوگ عیب سمجھتے ہیں۔

ع انچہ فخرِ تست در گفتار آں ننگِ من است

یہی بے تعلقی اگر خدا نہ خواستہ ہمارے یہاں ہو تو گھر ایک دم نہ چلے؛ ضرور ہے کہ مُفارقت ہو جائے۔ پھر صورت کا بچار غضب ہے۔ اُن کو نہ صرف اپنی صورتوں پر ناز ہے، بلکہ دنیا کو بدصورت سمجھتے، اور بدصورتوں سے نفرتِ قلبی رکھتے ہیں۔ جب مزاج کی یہ کیفیت ہو تو واقع میں ایک دن کا نباہ نظر نہیں آتا۔ مَہر وہ ایک کوڑی نہیں گھٹائیں گے۔ اور ...صاحب[143] بے چارے تو تخفیفِ مصارفِ شادی کی فکر میں تھے، وہ بھی پیش رفت نہ گئی۔ مَہر سے اُن کو بحث نہ تھی؛ اور سچ یہ ہے کہ ہمارے انتظامِ خانہ داری بے ہماری آمادگی کے درست ہو نہیں سکتے، گورنمنٹ کو کیا دخل۔ ناچ، آتش بازی اور دنیا بھر کی تفضیح

(گذشتہ سے پیوستہ) علاوہ دین داری، ہنرمندی، نیک دلی، اطاعت شعاری بہت سی باتیں جمع ہوں تو راحت کی توقع کی جائے۔ آخرکار مولوی نذیر احمد صاحب نے بڑی چھان بین کے بعد بیٹے کو مولوی حاجی نواب قطب الدین خاں مرحوم کے یہاں بیاہا اور جس طرح بیٹے کی تعلیم میں اہتمام کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اسی طرح ان کے لیے بہتر سے بہتر بی بی کے بہم پہنچانے میں حقِ سعی ادا کیا۔

143. ان دنوں جب کا یہ خط ہے اعظم گڑھ میں کلکٹر تھے۔

ممکن نہیں کہ نہ ہو۔ جس طرح مولوی[144] ...کا خاندان حقیقتِ مرگ سے واقف نہیں، ... صاحب کا خاندان نہیں جانتا کہ پردیس کیا چیز ہے، اور جہاں تک مجھ کو بیگم صاحب کا حال معلوم ہے، وہ بیٹی کو جدا نہیں کریں گی۔ گو اِس وقت منہ سے کہیں لیکن جب پالکی ڈیوڑھی پر لگا دی جائے گی، تب حقیقت کھلے گی۔ بے شک زن وشو میں اتحاد ہو تو ماں باپ کا کچھ زور نہیں، لیکن تخالفِ صورت، تخالفِ مزاج، تخالفِ عادات کے ہوتے اُس اتحاد کا ہونا موہوم۔ پھر حسن کی مثال ایسی ہے جیسے عمدہ کھانا؛ جس نے نہیں کھایا، اُس کا جی للچاتا ہے اور جو روز کھاتے وہ اُس کی مطلق قدر نہیں کرتے۔ میں نے...کو نہیں دیکھا، مگر سنا ہے کہ اب بھی وہ شہر میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ لیکن...صاحب کا برتاؤ اُن کے ساتھ کیسا ہے؟ دہلی میں بے شک اکثر جگہ فساد ہے، لیکن خدا کی قسم ایک ہمارے گھر کی عورتیں ہیں کہ ہر طرح کی عمدگی اُن میں ہے۔ پاک دامنی، دین داری، ہنرِ خانہ داری، شوہروں کی اطاعت گزاری، نیک دلی، کفایت شعاری؛ اور اِن باتوں کے ساتھ اِس قدر پڑھنا لکھنا جو ہماری سوسائٹی کی حالتِ موجودہ کے لحاظ سے عورتوں کو ضرور ہے، کیا ہے جو اِن میں نہیں۔ مجھ میں اور تمھاری ماں میں کبھی بگاڑ ہوتا، لیکن اُس میں کچھ میرا قصور، اور کچھ اُن کی غلط فہمی۔ مطلب یہ ہے کہ دہلی میں بھی جستجو کی جائے، شاید کوئی اچھی لڑکی مل جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ تم کو زیادہ آسایش پہنچائے گی۔ بعض عورتوں کے حالات پر نظر کر کے مت ڈرو۔ دہلی میں ہزاروں خاندان ہیں، اگر زن وشو میں موافقت نہ ہو تو دنیا کا انتظام کیوں کر چلے۔ مجھ کو صرف تمھارا منشائے خاطر معلوم کرنا تھا، سو ہوا۔ تم اِس بات کو اپنے ذہن میں مت رکھو۔ مجھ کو اور اپنی ماں کو اِس کا فکر و انتظام کرنے دو۔

---

144. اس سے ایک مولوی صاحب مراد ہیں جن کے خاندان میں بڑی بڑی عمروں کے لوگ موجود تھے اور اتفاق سے ان کے یہاں موت بہت کم ہوتی تھی، ان کی عورتیں کسی کے یہاں پُرسے کو جاتیں تو بے تکلف بھی رو نہ سکتیں۔ مجھ کو ان کا نام معلوم ہے مگر ظاہر کرنا کیا ضرور ہے اب سنا کہ اس خاندان میں بھی دوسرے خاندانوں کی طرح لوگ مرنے لگے۔

[خط: 17]

اجی حضرت! انگریزی میرے نزدیک گرتی چلی جاتی ہے، کچھ تم کو اس کی پروا ہے یا نہیں؟ فارسی ہو چکی، عربی نری الف لیلہ سے کیا ہوتا ہے۔
...نے ایسی بالیاں کس لیے بنوائیں، جن کو کان برداشت نہیں کر سکتے۔ کیا یہ کہاوت ان کے کان تک نہیں پہنچی؟ ''بھٹ پڑے (بھاڑ میں جائے) وہ سونا جس سے ٹوٹے کان'' عورتوں کے زیوروں میں ہاتھ پاؤں، گلے کے زیور پسندیدہ ہیں؛ زینتِ بے زحمت۔ اور کان ناک میں سوراخ کرنا ایک زمانِ جاہلیت کی رسم ہے کہ چلی جاتی ہے۔
میاں بشیر! امسال کچھ گرمی زیادہ سخت پڑے گی۔ کوئی ہلکی سی تبرید پیا کرو۔ پانی میں تھوڑا کیوڑا بڑی تفریح کا باعث ہے۔ اِن اطراف میں آب و ہوا اچھی نہیں؛ چیچک، تپ بلکہ ہیضہ بھی ہے۔ غازی پور، فیض آباد میں زیادہ شورش سنی جاتی ہے۔ اعتدال کے ساتھ آسایشِ جسمانی کا حاصل کرنا ضروریات سے ہے، خصوصاً گرمی اور برسات کے دو موسم ردّی ہوتے ہیں، احتیاط رکھنی چاہیے۔

۱۳/ اپریل ۱۸۷۶ء

[خط: 18]

خط، جس میں اطلاعِ ولادت مندرج ہے، پہنچا۔ مجھ کو لڑکیوں کے بارے میں کیا سمجھاتے ہو۔ مجھ کو تو مطلق اولاد سے افسردہ دلی ہے۔ تم جیو، اور خدا تم کو صالح و نامور و بااقبال کرے! پھولو پھلو! مجھ کو دوسرا بیٹا درکار نہیں...اور...اپنے گھروں میں آباد ہوں! اُن کو خوشی ہو! مجھ کو بیٹیوں کی تمنا نہیں۔ تمھارے آنکھوں دیکھتے ظہیر، نصیر، حسینہ، وہ دو

تُو اُم لڑکے اور اُمَنگ ڈھنگ کتنے ہوئے اور مر مر گئے۔

ع کس کس کا رنج کیجیے کس کس کو روئیے

فرقۂ نسواں عموماً، اور ہندوستانیوں کی عورتیں خصوصاً، کیسی تباہ حالت میں ہیں۔ کیا تم...کی مصیبت پر نظر نہیں کرتے، پھر بھلا کوئی عاقل لڑکیوں کے ہونے پر خوش ہوسکتا ہے؟ وہ جو وعیدِ قرآنی ہے: وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ. يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ.[145] یہ سب اِنسدادِ دختر کُشی کے لیے تھا، جس کا عرب میں بہت رواج تھا؛ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ. بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ.[146] جب مجھ کو اور تم سب کو اُس کی حیات و ممات کی طرف سے اطمینان نہیں تو ایسے مہمانِ چند روزہ کی نسبت خوشی و ناخوشی کا کیا محل ہے۔

لَهٗ مَلَكٌ يُنَادِيْ كُلَّ يَوْمٍ
لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ[147]

خداوندِ کریم نے اپنے فضل سے مجھ پر بَسطِ رزق بہت کچھ کیا ہے، اور میں بہت بہت اُس کی نعمت کا شکرگزار ہوں۔ اگر دس لڑکیاں ہوں تو مجھ پر ذرا بار نہیں، مگر ہوں اور صاحبِ نصیب ہوں، نہ یہ کہ کم بخت جب قوتِ تکلّم پیدا کریں، اور دلوں کو فریفتہ کرنے لگیں تو کنارِ مادر چھوڑ کر آغوشِ لحد میں جا کر سوئیں، یا جئیں تو ...کی سی اَسْوَءُ الْحَيٰوةِ جئیں۔ اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ.[148] بڑی مبارک باد یہ ہے کہ تمھاری والدہ

145. جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوش خبری پہنچے تو منہ اس کا رنج وغیظ کے مارے سیاہ پڑ جائے۔ اپنے لوگوں سے بیٹی کی برائی کی شرم سے چھپتا پھرے، آیا وہ اس کو زندہ چھوڑے اور ذلت قبول کرے یا مٹی میں داب آئے۔

146. اور جب کہ زندہ گاڑ دی بیٹی پوچھی جائے کہ تو کس گناہ پر ماری گئی۔

147. دنیا کا ایک فرشتہ ہے جو روز یہ منادی کرتا ہے کہ لوگو موت کے لیے پیدا ہو اور ویرانی کے لیے تعمیر کرو۔

148. اپنے غم و رنج آشکارا و نہاں کی شکایت خدا ہی سے کرتا ہوں، اقتباس ہے کلامِ مجید سے۔

نے جاں بَری حاصل کی۔ اب اُن پر تاکید کرو کہ یہ کم بخت دولت کیا ہوگی۔ کچھ تو اپنے تن بدن کو لگائیں۔ نام تجویز کرتے مجھ کو تامّل ہوتا ہے، یہ کم بخت جلد جلد مرتے اور میرا نام بھی خراب کرتے۔ مجھ کو ابوالحامد[149] اور محمودہ کا سخت قلق ہے۔ کیسے پیارے نام تھے؛ اِس لڑکی کی کیا تخصیص تھی، خدا کے فضل سے میرے یہاں سب روحیں مبارک قدم تھیں۔ اِس لڑکی کی آمد کے ساتھ مجھ کو علمِ ہیئت کی کتاب پر پانسو روپیہ انعام ملا، جس کی مطلق توقّع نہ تھی۔ اوّل تو میں اُس کتاب پر چار سو پا چکا تھا، پھر یہ مال تھا وِن صاحب کا، کہ اُن کی وفات کی وجہ سے لاوارث ہوگیا، اور بڑا خدشہ یہ تھا کہ ہمارے بالفعل کے لفٹنٹ گورنر بہادر انعام کے مخالف ہیں، اور جب سے زمامِ حکومت اِن کے ہاتھ میں ہے، شاید یہی ایک انعام دیا ہے؛ وہ بھی انعام کے نام سے نہیں، بلکہ کاپی رَیٹ یعنی حقِّ تصنیف خرید کیا ہے، لیکن مجھ کو روپے سے مطلب ہے، چاہے انعام ہو یا حقُّ الترجمہ کا دام۔ جی چاہتا ہے کہ یہ انعام مُقارِنِ ولادت واقع ہوا ہے، بھیج دوں مگر روپیہ اعظم گڑھ میں ملے گا، لہٰذا اوائلِ مئی میں بھیجوں گا۔ اِسی پانسو میں ہاتھ پاؤں کا زیور پورا کیا جائے، اور غالب ہے کہ کافی بلکہ کافی سے زیادہ ہو۔

بشیر! میں تمھارے امتحان کے نتیجے کا منتظر ہوں، نہ صرف نتیجے کا بلکہ اِس کا بھی کہ تم سے جواب دینے میں کیسی کیسی غلطیاں سرزد ہوئیں۔ اکثر فہمِ سوال میں غلطی ہوتی ہے۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ عبارتِ سوال کو بہ غور دیکھ کر سمجھا جائے کہ مُستفسِر کیا پوچھتا ہے؟ پھر بسا اوقات لوگ اظہارِ علمیّت کی نظر سے فضول باتیں لکھتے چلے جاتے ہیں۔ اَینڈ دی مور یُو ٹاک دی مور یُو اِر[150] تمھارا یہ پہلا امتحان ہے، ابھی سے اپنے تئیں سنبھالو۔ تم مجھ کو بیٹوں اور بیٹیوں کی طرف متوجّہ کرتے ہو، اور مجھ کو ہر دم و ہر لحظہ تمھارے خیال سے فرصت نہیں۔ تم ماشاء اللہ نقد ہو اور یہ نَسِیَہ، یعنی قرض؛ اور کیا تم نے نہیں سنا کہ ''نقد را بہ

149. مولوی بشیرالدین احمد کے ماموں مولوی عبدالحامد ڈپٹی کلکٹر کے بیٹے اور بیٹی کے نام ہیں جو شیرخوارگی میں مرے۔

150. اور جس قدر زیادہ بکو گے زیادہ خطا کرو گے۔

نسیہ گزاشتن کارِ خردمنداں نیست"[151] لڑکیاں آخور کی بھرتی ہیں، جن سے سوائے تکلیف کے کچھ توقع نہیں۔ مجھ کو خوف ہے کہ یہ رورح جدیدالعہد کچھ نہ کچھ تمھارا وقت ضرور صَرف کرائے گی۔ تم اُس کے ساتھ کھیلو مگر بہت تھوڑی دیر۔ گرامر انگریزی و عربی سے تم نے قطع نظر کر رکھا ہے، اور میں ہمیشہ اِس کی ضرورت تم پر ثابت کرتا رہا ہوں۔ کوئی استاد انگریزی داں، صاحبِ استعداد اصلاحِ انگریزی کے واسطے اب تک تجویز نہیں ہوا؛ یہ تمھاری طَمن ساری کا حال ہے۔ وَالدُّعَاءُ

۱۸/ اپریل ۱۸۷۶ء روزِ سہ شنبہ

[خط: 19]

غازی آباد میں رفیع الدین کا ساتھ ہوا، اور ہم لوگ آج مع الخیر الہ آباد پہنچے۔ تنقیحِ رخصت کے لیے یہاں قیام کرنا شاید کل ضرور ہو۔ میں گھڑی تم سے بہ ضرورت لایا؛ تم جانتے ہو کہ مجھ کو شوق نہیں۔ انشاء اللہ تم کو نئی گھڑی خرید دوں گا۔ میں انشاء اللہ تم کو اپنے حالات و منازل سے مطلع رکھوں گا۔ بشیر! پڑھنے میں غفلت اور کاہلی مت کرنا۔ وَالسَّلَامُ، فقط

۲۲/ اپریل ۱۸۷۶ء

[خط: 20]

میں پرسوں سے کھوی میں ہوں سر راہِ اعظم گڈھ، اور یہیں مجھ کو تمھارا خط ملا۔

151. نقد کو اودھار پر چھوڑنا عقل مندوں کا کام نہیں۔

میں تمھارے اِس خط کے پڑھنے سے مطلق خوش نہیں ہوا۔ میں شروع سے کہتا تھا کہ بشیر! محصّل کا یہ کام ہے کہ جو یوماً فیوماً پڑھے، اُس کو ضبط کرتا جائے، اور ہر وقت امتحان کے لیے آمادہ رہے، نہ یہ کہ جو پڑھا بلّی[152] کے... کی طرح توپ دیا۔ اب یہ عذر کہ مجھ کو امتحان کی خبر صرف دو دن پہلے ہوئی، عذرِ بدتر از گناہ[153] ہے۔ تم کو اِس کا بھی استحقاق نہیں کہ دو منٹ پہلے تم کو خبر ہو۔ یُو مَسٹ بی ریڈی اَیٹ اے مومنٹس نوٹس،[154] تم دو دن کو غنیمت نہیں سمجھتے۔ پھر جواب جو میں دیکھتا ہوں ہرگز ہرگز پورے نمبر کے لائق نہیں۔ تمھاری یادداشت ایسی ہے جیسے کوئی بھولا ہوا خواب بیان کرے، مثلاً ممتحن پوچھتا ہے کہ لَـمْ کیا عمل کرتا ہے؟ تم جواب دیتے ہو: ''آخر سے حرفِ علّت ساقط کر دیتا ہے، اور آخر میں ساکن کرتا ہے'' یہ نرا مہمل جواب ہے۔ لَـمْ کا اصلی عمل ہے: اِسکانُ الآخر، اِس کا ظہور تین طور سے ہوتا ہے۔ اگر آخر میں نِ اعرابی ہے تو حذفِ نون، یہی اِسکانُ الآخر ہے، اور اگر آخر میں حرفِ علّت ہے تو حذفِ حرفِ علّت ہی اِسکانُ الآخر سمجھا جائے گا ورنہ حذفِ حرکتِ حرفِ آخر سے اِسکانُ الآخر ہوگا۔ کہاں یہ جواب، اور کہاں تمھاری بکواس۔

'تمھارا گھر' کا ترجمہ دَارُکُمْ یا بَیْتُکُمْ یا دَارُکُنَّ یا بَیْتُکُنَّ ہونا چاہیے۔ لفظ تمھارا سے کیوں کر جانا کہ مخاطب مذکّر ہے اور جب مفرد کو بہ تعظیم خطاب نہ کریں تو دَارُکَ، دَارُکِ بھی ترجمہ ہوسکتا ہے۔ تم ضمائرِ اردو سے مذکّر ومونّث کا امتیاز کر نہیں سکتے۔ 'اُن کے بیٹے' کا ترجمہ اِبْنُھُمْ غلط اَبْنَاؤُھُمْ صحیح۔ بیٹے اور بیٹا میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ قُـلْـنَ تم لکھتے ہو دو جگہ اور وہ ہے تین جگہ۔ (۱) جمع مونّثِ غائب ماضی معروف (۲) جمع مونّثِ غائب ماضی مجہول (۳) جمع مونّثِ حاضر امر معروف، اصل اِن کا قَوَلْنَ، قُوِلْنَ، اُقْوُلْنَ ہے۔

اگر چہ امر کا قاعدہ تم نے نہیں لکھا مگر میں کہہ سکتا ہوں کہ تمھارا جواب ضرور غلط

152. بلّی کا قاعدہ ہے کہ اپنی نجاست کو دبا دیا کرتی ہے۔
153. یعنی گناہ تو خیر گناہ تھا ہی اس پر عذر نامعقول کرنا گناہ سے بھی بڑھ کر ہے۔
154. تم کو دم کے دم میں تیار ہو جانا چاہیے یعنی ہر لحظہ آمادہ رہنا چاہیے۔

اور ناتمام ہوگا۔ مُستفسِر نے امر میں حاضر کی تخصیص نہیں کی تو جواب میں امرِ حاضر وغائب دونوں کا قاعدہ لکھنا ضرور ہوا کہ امر دو طرح کے ہیں: حاضر و غائب۔ حاضر میں (۱) واحدِ مذکرِ حاضر (۲) تثنیۂ مذکرِ حاضر (۳) جمع مذکرِ حاضر (۴) واحدِ مونثِ حاضر (۵) تثنیۂ مونثِ حاضر (٦) جمع مونثِ حاضر، چھ صیغے ہیں جن کے بنانے کا ایک قاعدہ ہے، اور غائب میں چھ غائب کے، اور دو متکلّم کے، اور از بس کہ امرِ متکلّم کے صیغے امرِ غائب کے صیغوں کی طرح بنتے ہیں۔ امرِ متکلّم کے صیغوں کو تغلیباً امرِ غائب میں داخل کردیا۔ کیا امرِ حاضر اور کیا امرِ غائب، آخرِ صیغہ میں دونوں کا حال یکساں ہے کہ (۱) تثنیۂ مذکرِ غائب (۲) تثنیۂ مونثِ غائب (۳) تثنیۂ مذکرِ حاضر (۴) تثنیۂ مونثِ حاضر (۵) جمع مذکرِ غائب (٦) جمع مذکرِ حاضر (۷) واحدِ مونثِ حاضر، سات صیغوں سے نونِ اعرابی ساقط اور اگر نونِ اعرابی آخر میں نہیں تو حذفِ حرکتِ حرفِ آخر یعنی اسکان، بہ شرطے کہ آخر میں حرفِ علّت نہ ہو، ورنہ حذفِ حرفِ علّت۔ اوّل صیغہ میں جو تصرّف کرنا ہوتا ہے وہ امرِ حاضر وغائب میں مختلف ہے۔ امرِ غائب میں لامِ مکسورہ اوّل میں لگانا ہوتا ہے، اور امرِ حاضر میں پہلے حذفِ علامتِ مضارع یعنی تٓ پھر بعد حذف التاء اگر متحرک ہے تو آخر میں عملِ لَمْ اور اگر بعدِ حذفِ التاء ساکن ہے تو ابتداءِ بالسکون زبانِ عرب پر دشوار ہے اُس کے رفع کرنے کو ہمزۂ وصل کہ وہ ملانے کی حالت میں تلفّظاً گرجاتا ہے اور کتابۃً باقی رہتا ہے، شروع میں لاتے ہیں، اور حرکتِ ہمزہ تابع حرکتِ عینِ کلمہ ہوتی ہے لیکن عینِ مفتوح ومکسور دونوں کے لیے ہمزۂ وصل مکسور ہوتا ہے۔ یہ ہے پورا پورا قاعدہ امر کا، اب غور کرو کہ یہی تم نے لکھا، ہرگز نہیں۔

تمھارے انگریزی کے جوابوں سے بھی بدحواسی اور عجلت ظاہر ہے۔ یہ نہیں کہ مُستفسِر کی بات پر خوب غور کرکے، اور اطراف وجوانب پر اچھی طرح نظر ڈال کر ایک تُلا ہوا جواب دیا جائے۔ مجھ کو تم نے سمجھ لیا ہے کہ اِس کی عادت بکنے کی ہے۔ خدا خود تمھارے دل میں ڈالے کہ اگر ایک امتحان بگڑا تو خیر، اگلے امتحانوں کے لیے ایسی آمادگی کرو کہ ہر سوال کا نمبر کامل حاصل ہو! تمھارے سوالات آخر کسی ممتحن نے دیکھ کر اُن پر نمبر

لگائے ہوں گے۔ اُنھی سے پوچھو کہ کیوں جناب، میرے جواب میں کیا نقص تھا، اور اپنے اِس استفسار کی غرض اُن پر ظاہر کردو کہ میں صرف اِس مطلب سے پوچھتا ہوں کہ امتحانِ آیندہ میں غلطی نہ کروں۔

کیوں جی! کان پور میں کہاں کالج ہے؟ البتہ وہ مُلتقی[155] ہے دو ریلوں کا؛ اور غدر میں جو انگریز مارے گئے اُن کا موریل گارڈن[156] وہاں بنا ہے۔ بٹھور، ایک قصبہ ضلع کان پور میں ہے۔ وہ بڑا تیرتھ ہے۔ راجا رام چندر نے وہیں علم حاصل کیا، اور وہاں ہر سال بڑا میلا ہوتا ہے۔ الہ آباد میں گنگا جمنا کا سنجوگ ہے۔ اکبر کا قلعہ وہاں اور آگرے میں مشہور ہے۔

خلاصہ یہ کہ میں نے تمھارے جواب پسند نہیں کیے۔ اب جو نمبر تم کو وہاں کے ممتحن دیں، اُن سے مجھ کو ضرور اطلاع دو، اور لکھو کہ تم اپنی کلاس میں کیسے رہے۔ بڑا گُر یہ ہے کہ جو پڑھو، تحقیق سے پڑھو، اور یاد رکھو خصوصاً گرامر کہ یہ جس قدر ضرور ہے، اُسی قدر تم اِس سے بے پروائی رکھتے ہو۔ ایک بڑا خوف یہ ہے کہ لکھ کر نظرِ ثانی کرنے کی تمھاری عادت نہیں۔ ہم لوگ تو اپنے جوابوں کے مسودے لے آتے تھے، اور اُن کو کتابوں سے لا کر ملا لیتے تھے۔ بھلا خیر، اگر ضیقِ وقت کی وجہ سے مسودہ نہ کر سکو، تاہم جواب کو مکرّر بہ غور دیکھنا ضرور ہے۔ میں تم کو کسی قدر معذور بھی سمجھتا ہوں کیوں کہ یہ تمھارا پہلا امتحان تھا۔ یقین ہے کہ انشاء اللہ تمھارے آیندہ امتحان عمدہ ہوں گے، بہ شرطے کہ امتحان کا برا ہونا یا کسی ہم جماعت سے گھٹ کر رہنا تمھارے نزدیک مُوجبِ بے غیرتی ہو۔ بھئی، میرا تو یہ حال تھا کہ امتحان بگڑا تو مدّتوں مجھ کو ملال رہتا تھا۔ نَحْنُ رِجَالٌ وَّ هُمْ رِجَالٌ[157] سبب کیا کہ کوئی ہم سے اچھا ہو۔ ضرور ہمارا قصورِ ہمّت ہے؛ اور اگر ایک دفعہ کوئی بازی لے گیا تو دوبارہ کیوں لے جائے۔ لَایُلْدَغُ الْمُؤمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَیْنِ[158] سچ کہا ہے:

155. ملنے کی جگہ، سنجوگ
156. یادگار کا باغ
157. ہم بھی مرد ہیں اور وہ بھی یعنی مرد مرد برابر
158. ایمان والا آدمی ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا یعنی پہلی ہی خطا پر متنبہ ہوجانا دلیلِ ایمان ہے۔

عِنْدَ الْاِمْتِحَانِ یُکْرَمُ الرَّجُلُ اَوْ یُھَانُ۔[159] معزز وہ ہیں جن کو امتحان میں کام یابی نصیب ہے۔ دہلی میں تمھارے تضیعِ وقت کے بہت سامان ہیں، مگر پڑھنے لکھنے میں تمھاری مدد کچھ نہیں، اور جو ہے اُس سے مستفید ہونے کا تم کو سلیقہ نہیں۔ متنبّی کے چند شعر لکھتا ہوں، سہل ہیں۔ جب تم کو امتحان سے پوری فرصت ہو تو ان کا حل لکھو مگر بے مدد غیرے۔

صَحِبَ النَّاسُ قَبْلَنَا ذَاالزَّمَانَا   وَ عَنَاھُمْ فِیْ شَانِہٖ مَا عَنَانَا
فَتَوَلَّوْا بِغُصَّۃٍ کُلُّھُمْ مِّنْہُ   وَ اِنْ سَرَّ بَعْضُھُمْ اَحْیَانَا
رُبَّمَا تُحْسِنُ الصَّنِیْعَ لَیَالِیْہِ   وَ لٰکِنْ تُکَدِّرُ الْاِحْسَانَا
وَ مُرَادُ النُّفُوْسِ اَصْغَرُ مِنْ اَنْ   نَتَعَادٰی فِیْہِ وَ اَنْ نَتَفَانَا
غَیْرَ اَنَّ الْفَتٰی یُلَاقِی الْمَنَایَا   کَالِحَاتٍ وَ لَا یُلَاقِیْ الْھَوَانَا
وَ لَوْ اَنَّ الْحَیٰوۃَ تَبْقٰی لِحَیٍّ   لَعَدَدْنَا اَذَلَّنَا الشُّجْعَانَا
وَ اِذَا لَمْ یَکُنْ مِّنَ الْمَوْتِ بُدٌّ   فَمِنَ الْعَجْزِ اَنْ تَکُوْنَ جَبَانَا
کُلُّ مَالَمْ یَکُنْ مِّنَ الصَّعْبِ فِیْ الْاَنْفُسِ   سَھْلٌ فِیْھَا اِذَا ھُوَ کَانَا[160]

فقط ۲/مئی ۱۸۶۷ء

159. امتحان کے وقت کھلتا ہے کہ یہ آدمی قابلِ عزت ہے یا ذلت۔

160. ہم سے قبل بھی لوگوں نے اس زمانے کی رفاقت کی ہے اور اس کی بابت ان کو بھی وہی رنج پہنچا ہے جو ہم کو۔ پس سب کے سب اس سے ناخوش ہی پھرے۔ اگر چہ کچھ لوگوں کو گاہ گاہ خوش بھی کیا۔ کبھی کبھی اس کی راتیں حسن سلوک کرتی ہیں لیکن یہ احسان بھی تکدر سے خالی نہیں۔ دلوں کی مراد اتنی نہیں کہ ہم اس کے لیے آپس میں عداوت ورنج کریں، سوا اس کے کہ جوان مرد کالی کالی موتوں کا مقابلہ کرلیتا ہے اور ذلت وتوہین برداشت نہیں کرسکتا۔ اور اگر زندگی کسی صاحب حیات کی قائم رہتی تو ہم میں سے جو بہت ذلیل ہوتا اسی کو ہم شجاع گنتے۔ اور جب کہ موت سے کوئی چارہ ہی نہیں تو ڈرپوک اور بزدل ہونا داخلِ عاجزی وناتوانی ہے۔ نفس کے لیے جتنی دشوار باتیں ہیں وہ جب تک نہیں ہوئیں جبھی تک دشوار ہیں اور جب ہوگئیں تو پھر محض آسان ہیں۔

[خط: 21]

مجھ کو ابھی تک تمھارے اُسی خط کا کھٹکو لگا ہے، جس میں تم نے حالِ امتحان لکھا تھا، اور کھٹکو کیوں نہ لگے، میں زمانے کے حال پر نظر کرتا ہوں، پھر اپنی طرف دیکھتا ہوں کہ اَربعین[161] سے متجاوز ہوا، ضعفِ قویٰ مجھ کو محسوس ہونے لگا۔ تمھاری بدشوقی اور بداستعدادی کا یہ حال کہ پہلی سطر میں مرجع واحد، اور ظِلُّکُمْ میں کُمْ اور اَیامَکَ میں کَ، اور لَیَالِیْہٖ میں ہٖ، تین طرح کی ضمیریں۔ شاید میں نے کبھی تم سے خط لکھوایا ہے، اور اُس میں زَادَتْ مَعَالِیْہٖ وَ بُوْرِکَ فِیْ اَیَّامِہٖ وَ لَیَالِیْہٖ[162] آیا تھا۔ تم نے ضمیروں میں وہ خلطِ مبحث کیا کہ خیال کرنے سے ایذا ہوتی ہے۔ ہنوز دلّی دور۔ عربی دانی کا کیا مذکور، ابجد تک درست نہیں۔ اب دوسری سطر پر چلو تو آداے میں الف ممدودہ کیا معنی؟ اَدَاءٌ ایک وزنِ مصدرِ مجرد ہے، جیسے بَقَاءٌ، ثَنَاءٌ، اَدَاءُ الْفَرِیْضَۃِ، اَدَاءُ الدَّیْنِ، اَدَاءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ؛ فَعَالٌ کا فَاعَالٌ کیوں ہونے لگا؟ عربی آتی ہو، اور قواعد مُستَحفظ ہوں تو معلوم ہو کہ لوگ کیسی کیسی غلطیاں کرتے ہیں۔ اَدَاءِ آدَاب کو آداے اداب۔ آدَاب میں البتہ الف ممدودہ ہے، وہ جمع ہے اَدَب کی، جیسے اقوال، افعال۔ اء داب کا آداب ہوا؛ گویا ادب کا فرض ادا کرنے کے بعد۔ خدمت بھی بہ قاعدۂ رسم الخط غلط۔ جتنی تاے زائدہ ہیں، سب گول ۃ یا چھوٹی لکھنی چاہییں؛ پس خدمۃ ہوا۔ لوگوں کی سندمت پکڑو، یہاں قاعدے کا مذکور ہے۔ پھر خدمۃ کے مونث ہونے میں کیا شک ہے۔ علامتِ تانیث ۃ موجود، اُس کی صفت مقدسۃ یا مقدسہ ہونی چاہیے، نہ مقدّس کہ وہ صیغۂ مذکر ہے۔ سنو صاحب! تم ہو مُحَصِّل، تمھاری نظر چھوٹے چھوٹے قاعدوں کا حفظ نہ کرے گی تو تم کو قاعدہ یاد کیوں کر رہے گا؟

---

161. چالیس

162. اس کے رتبے بلند ہوں اور روز و شب میں برکت آئے۔

تم کو میری اِس عیب گیری سے تکلیف ہوتی ہوگی مگر معاف کرو، میرا فرض ہے کہ تم کو تمھارے عیوب پر مطلع کروں۔ تم نے عربی کا امتحان تو کچھ بھی نہ دیا، اور یہی حال ضرور انگریزی کا ہوا ہوگا کیوں کہ جس کی عادت احتیاط کی ہوتی ہے، وہ سب چیزوں میں احتیاط کرتا ہے۔ انگریزی سے میں خود عاجز ہوں اِس واسطے کہ مجھ کو نہیں آتی، اور اگر میری تقدیر میں کچھ آتا ہے تو خدا کرے کہ وہ علمِ دین ہو۔ میں بڑھوتی میں انگریزی سیکھ کر کیا کروں گا۔ مگر تم اُس کے سخت حاجت مند ہو۔ تم مجھ پر نظر مت کرو کہ میں ایک سگِ دنیا ہوں، لیکن مجھ کو چھوڑ کر علم تمھاری دادھیال اور ناتھیال کے لیے تمغائے شرف رہا ہے۔ کیا افسوس کی بات نہیں کہ تم خاندانِ علما میں ہو کر عربی میں خام رہو۔ یہ خدا مجھ کو... وغیرہ کی حالت پر نظر کر کے افسوس ہوتا ہے۔ ہم لوگ ایسے نا اہل پیدا ہوئے کہ علم سے مناسبت نہیں، سو بشیر! تم سنبھالو۔

ع اگر پدر نتواند پسر تمام کند

اگر صرف قرآن کا ایک رکوع بہ نظرِ تحقیق دیکھتے رہو، یا کوئی رسالۂ فقہ یا حدیث شروع کرو تو بھی خالی از منفعت نہیں مگر جو کچھ پڑھو تحقیق اور تدقیق کے ساتھ۔ خدا تم کو توفیق دے، اور میں اپنے جیتے جی عالم اور فیمَس مَین[163] دیکھوں!

تم نے چھوٹی بچی کا نام بُشریٰ خوب تجویز کیا، مجھ کو پسند ہے۔ میں نے اپنے خط میں فُعْلیٰ مونث اَفعل التفضیل لکھا تھا وہ بھی ہے مگر ایک فُعلیٰ صفتی کہلاتا ہے تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی. یہ تو ایک نا منصفانہ بانٹ ہے۔ ضِیْزٰی اصل میں ضُیْزٰی تھا یٰ کی رعایت سے ضؔ کو کسرہ آ گیا۔ لغت میں ضِیْزٰی کے معنی لکھے ہوں گے۔ جَائِرَۃٌ مِّنَ الْجَوْرِ. یہ قرآن کی آیت ہے، وَرَدَتْ رَدًّا عَلٰی مُشْرِکِی الْعَرَبِ کَانُوْا یَعْتَقِدُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ بَنَاتٍ فَاَجَابَھُمُ اللّٰہُ بِاَنَّھُمْ یُحِبُّوْنَ لِاَنْفُسِھِمُ الْبَنِیْنَ وَ یَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ بَنَاتٍ فَحِیْنَئِذٍ قِسْمَتُھُمْ قِسْمَۃٌ جَائِرَۃٌ لَا یَقْتَضِیْھَا الْعَدْلُ وَالْاِنْصَافُ

163. نام آور آدمی

فَاِنَّ اللّٰهَ اِنْ كَانَ مُتَّخِذاً وَلَدًا لَا سْتَحَقَّ الْبَنِيْنَ.[164] کبھی کبھی مردِ خدا! دو ایک سطر عربی بھی لکھا کرو۔

۴/مئی ۱۸۷۶ء

[خط: 22]

آج مجھ کو اعظم گڈھ آئے چھٹا دن ہے۔ صرف ایک دن کچہری گیا، پانچ دن علالت کی وجہ سے معذور۔ اصل میں مجھ کو زکام ہوا اور وہ بند ہو کر عروق کی طرف متوجہ ہوا، تپ آنے لگی۔ کل اچھا تھا، آج سردی کے ساتھ تپ آئی، ذائقہ اور شامہ دونوں معطل؛ تاہم محلِ تردّد نہیں۔ بڑی تکلیف یہ ہے کہ گوشت کھانے کو نہیں ملتا۔ نوکروں کی کورنمکی اس حد تک پہنچی کہ باغوائے طبیب اِن کو گوشت نہیں بہم پہنچاتا۔

مجھ کو اِس کی خوشی ہے کہ تم اتنے برے نہیں رہے کہ فیل ہوجاؤ، لیکن تاوقتے کہ تم نصف سے زیادہ نمبر حاصل نہ کرو پاسڈ وِتھ کریڈٹ[165] یا اکوئٹڈ ہمسلف وِتھ سکسس[166] کے مستحق نہیں ہوسکتے۔ کیوں صاحب! تم قاعدہ پڑھتے ہوتو تم کو کیریٹی سائز[167] کا کیا خوف۔ کوئی کیسی ہی نکتہ چینی کرے تم کو جواب اطراف وجوانب کو بجا کردینا چاہیے۔ تم

164. عرب کے مشرکوں کے رد میں نازل ہوئی ہے جن کا اعتقاد یہ تھا کہ خداوند تعالیٰ نے فرشتوں کو بیٹی بنایا ہے ۔ ان کے اس اعتقاد کے جواب میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھیراتے ہیں۔ پس ایسی حالت میں ان کی بانٹ نامنصفانہ بانٹ ہے جس کو عدل وانصاف قبول نہیں کرتا کیوں کہ اللہ اگر کسی کو اولاد ہی بناتا تو بیٹوں کا مستحق تھا۔

165. تعریف کے ساتھ پاس کیا۔

166. کام یابی کے ساتھ نکل آئے۔

167. نکتہ چینی

کومُدرّسوں نے پاس کیا، یعنی اُنھوں نے تمھارا پاسِ خاطر کیا۔ بشیر! زبان دانی مقدّم ہے۔صَرف ونحو، لغت، انشا، محاورات، اَمثال وحکایات پر زیادہ زور دو۔ زبان دانی کے نمبروں پر بڑا لحاظ ہوتا ہے، اور سائنس گو فی نفسہٖ افضل ہے لیکن عام پسند نہیں۔ غرض ایسا قصد کرو کہ امتحانِ آیندہ میں یہ نقص باقی نہ رہیں۔ بے شک کلاس میں ۴۰/ طلبہ ہیں اور سب پر سبقت لے جانا مشکل کام ہے، لیکن آخر کوئی اوّل ہوگا۔ کیا وجہ کہ وہ کوئی تم نہ ہو، اور دوسرا ہو۔ ابھی چالیس دیکھ کر ڈرے؛ اَجی حضرت! یونیورسٹی کے امتحان میں ہزاروں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

مرد باید کہ ہراساں نشود
مشکلے نیست کہ آساں نشود

کام یابی کی تدبیر یقینی یہ ہے کہ جو پڑھا بہ تحقیق، اور جتنا نظر سے گزرا یاد۔ اگر کوئی قاعدہ یا محاورہ یا کوئی مضمون قابلِ یادداشت آگیا، ایک نشانِ خاص حاشیۂ کتاب پر کردیا، یا بہ طورِ یادداشت ایک کتاب میں لکھ لیا، اور اوقاتِ فرصت میں غور کرتے رہے۔ محنت پایداری کے ساتھ جاری رکھو نہ یہ کہ سارا وقت غفلت میں ضائع کرو، امتحان قریب ہو تو گھبرا جاؤ، اور ہر مہینے خود اپنا امتحان لے لیا کرو۔ خود سوال بنا لیے یا دوسرے سے بنوالیے، اور بہ طورِ مشق اُن کے جواب لکھے۔ عربی میں اگر کہو مَیں سوالات بھیج دیا کروں۔ کمالِ فن میں عجیب قدرت اور قوّت ہے۔ ایک زبان میں عمدہ معلومات ہو تو دوسری زبانوں کے حاصل کرنے میں ضرور مدد ملتی ہے۔ جس قدر لوگ مجھ سے تعارف رکھتے ہیں، سب تمھارا حال اکثر پوچھا کرتے ہیں اور:

ع فکرِ ہر کس بقدرِ ہمّتِ اوست

کوئی کہتا ہے خوب کیا، کوئی کہتا ہے برا۔ یہ تمھاری کوشش اور محنت پر منحصر ہے کہ مجھ کو لوگوں کے نزدیک احمق بناؤ یا دانش مند۔ خدا کرے کہ تم کو امتحانوں میں کام یابی ہو، اور زورِ استعداد تم کو نصیب ہو! ریڈ صاحب بہادر تمھارے حالات کے مُستفسِر تھے، اگر مناسب سمجھو تو کبھی کبھی اُن کو چٹھی لکھا کرو۔ گرمی کا دن پہاڑ ہوتا ہے، دن کا سونا خلافِ

انتظام الٰہی ہے۔ جَعَلْنَا اللَّیْلَ لِبَاساً وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشاً.[168] اور ایک نقصانِ عاجل یہ ہے کہ جو لوگ دن کو سوتے ہیں، رات اُن پر دوبھر ہو جاتی ہے۔ امید ہے کہ تم نے دن کے سونے کی عادت نہیں کی؛ تو دن بھر کیا کرتے ہو؟

تم نے ایک خط میں جنابمن لکھا۔ جناب اور من دو کلمے جداگانہ ہیں، اُن کا ملانا خلافِ قاعدہ۔ عوام کو عائشہ میں بڑی غلطی ہے۔ عائشہ اور آسیہ دو نام ہیں۔ عائشہ کے معنی جیونی یا جینے والی؛ عیش سے نکلا، جس کے معنی زیستن، اور پیغمبر صاحب کی ازواجِ طاہرات میں اُن بیوی کا نام ہے جو حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں۔ آسیہ عَلَم ہے فرعون کی عورت کا جس کے لغوی معنی غم خوار کے ہیں۔ آسیٰ: غم وغم خوارگی۔ پس آشیہ یا عاشیہ یا عاسیہ سب غلط ہیں، یاد رکھو۔

لوگوں کی ضرورتوں میں کام آنا اچھی بات ہے، لیکن اوّل خویش بعدۂ درویش۔ اپنی ضرورت سب پر مقدّم ہے۔ ایسا مت کرو کہ تمھارا کام کا وقت لوگوں کے خطوط لکھنے یا بچّوں اور مبتدیوں کی تعلیم میں صَرف ہو۔ تمھارا خط لکھنا اگر بہ کار آمد ہے تو صرف اِسی قدر کہ مجھ کو لکھو۔

نحو میں توضیح المرام ایک نہایت عمدہ کتاب ہے، بہ شرطے کہ جی لگا کر، غور سے اُس کو بالاستیعاب دیکھو، اور یاد رکھو۔ مَا یُغْنِیْکَ فِیْ الصَّرْف بھی صَرف میں اچھی ہے۔ مشارق الانوار جس کا ترجمہ مولوی خرّم علی صاحب نے کیا، تمھارے لیے نافع ہے۔ ہر روز دو حدیث کا سمجھ کر دیکھنا بڑا فائدہ دے گا۔ لیکن اپنے مطالعے سے استفادہ کرنا تم سے امید نہیں؛ اِس نظر سے میں یہی صلاح دوں گا کہ عربی میں کوئی نہ کوئی چیز باہر ضرور پڑھو۔ تم نے منطق کا نام سن کر ہمت ہار دی ورنہ اب تک دو تین چھوٹے چھوٹے رسالے ختم ہوئے ہوتے، اور ایک طرح کی مناسبت پیدا ہو گئی ہوتی۔

اکثر سرکاری مدارس میں یہ دستور ہے کہ مئی، جون کے مہینوں میں مہینے سَوا مہینے کی

---

168. رات کو ہم نے پردہ بنایا (کہ لوگ اپنے گھروں میں چھپ کر آرام اور چین سے بسر کریں) اور دن کو روزگار (کہ لوگ تلاشِ وجہِ معاش میں سرگرم پھریں)

تعطیل ہوتی ہے۔تم نے اپنے کالج کی نسبت کیا تحقیق کیا؟ اور اگر بالفرض تعطیل ہوگی، تو کب اور کتنے دن کی؟ اور تم نے دِی ہٹر یوس آف اِٹ[169] کیا تجویز کیا ہے؟ شاید تمھارا میرے پاس چلا آنا زیادہ مفید ہوگا، اِس سے کہ دہلی میں تمھارا وقتِ گراں بہا ضائع ہو۔ فقط

۱۲/ مئی ۱۸۷۶ء

[خط: 23]

بشیر! کہ کی جگہ کے بڑی شرم کی بات ہے۔اضافت یا حروفِ جارّہ یا ظروف کی وجہ سے کے آتا ہے، اور جب جملہ صلہ یا صفت آتا ہے تو کہ؛ سنو جی، غور سے اِس کو سمجھو۔ وَالْمُمْتَحِنُوْنَ الَّذِیْنَ مِنْ عَادَتِهِمِ الْمُسَاهَلَةُ فِیْ اُمُوْرِهِمْ وَالْمُدَاهَنَةُ فِیْ مَشَاغِلِهِمْ الخ وَالْاَجْوِبَةِ الَّتِیْ رَدَّتْ اِلَیَّ مَوْجُوْدَةٌ عِنْدِیْ. اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّ الْكِذْبَ قَبِیْحٌ مَّذْمُوْمٌ وَّ لَا یَلِیْقُ بِاَحَدٍ اَنْ یَّجْتَرِیَ عَلَیْه. اب تم دیکھو کہ کے ٹھیک ہے یا کہ۔
برخواست غلط، برخاست صحیح۔ خواستن: چاہنا، خاستن: اُٹھنا۔

تمھارے آنے کی بابت بہت غور کیا۔بے اختیار جی چاہتا ہے کہ تم کو بلا لوں۔ روپے کی کچھ پروا نہیں، مگر حرارتِ موسم سے بہت جی ڈرتا ہے۔اگر دھوپ میں ریل پڑگئی تو تکانِ سفر اور گرمی سے شاید تم علیل ہوجاؤ؛ ہمت نہیں پڑتی کہ بلاؤں۔

بشیر! انگریزی کی زبان دانی پر پوری توجہ کرو۔لٹریچر بڑی ضروری چیز ہے۔ اِس کا علاج ہے یادداشت کہ صفحے کے صفحے اور ورق کے ورق یاد۔کوئی خیال نہ ہو کہ جس کا طرزِ ادا تم کو سنداً یاد نہ ہو، اور گرامر۔

مجھ کو نئی روح کے حالات لکھتے رہو؛ خدا کرتا کہ بچ جاتی ،اللہ تعالیٰ اپنا کرم کرے!

---

169. اس کا عمدہ استعمال

[خط: 24]

بشیر! تمھارا خط پہنچا۔ اشعار مشکل تھے مگر اِشکال صرف لغاتِ عربیہ کا ہے، عبارت مُغلَق نہیں۔ میں نے محنت سے جواب لکھا ہے۔ مہربانی فرما کر غور سے پڑھو، بے مَصرَف سمجھ کر پھینک مت دینا۔

میں طیّار اور طوطا کو رؤبہ راہ سمجھتا ہوں۔ ہندی لفظ ہیں جن کا ماخذ عربی میں نہیں۔ فارسی میں طوطی دوسرا جانور ہے، لیکن اگر کوئی توتا اور تیّار لکھ دے تو غلط نہیں کہا جاسکتا۔

تم بشریٰ کے لیے دل چھوٹا مت کرو، یہ انتظامِ الٰہی ہے اور ضرور اِس میں کوئی مصلحت مضمر ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ [170] میں اب اچھا ہوں، مگر تنہائی بجاے خود علالت ہے، جی خوش نہیں رہتا۔ خدا تم میں تلافی کرے اُن صدماتِ متواترہ کی جو ضیاعِ اولاد سے مجھ کو اور تمھاری والدہ بے چاری کو پہنچے ہیں!

بشیر! گرمی ہے، اور موسم رذی؛ اِحتیاط اور حفظِ صحت کرو۔ اللہ تمھارا حافظ و نگہبان ہے۔ وَالدُّعاءُ

۱۸/ مئی ۱۸۷۶ء

[خط: 25]

تین یا چار دن سے میں تمھارے خط کا سخت منتظر ہوں، کچھ ضرور نہیں کہ بے شمول

170. ہم خدا کے ہیں اور اسی کی طرف پھر جانے والے ہیں۔ یہ آیت ہے نزولِ مصیبت کے وقت مفیدِ صبر و تسکین۔

سبق خط وکتابت نہ کی جائے۔ اِس تنہائی و وحشت میں مجھ کو تمھارے خطوط سے بڑی تسلی ہوتی ہے۔ یہ دن ردائت آب وہوا کے ہیں، فیض آباد اور اضلاع آودھ و غازی پور سے شکایت چلی آتی ہے۔ صرف اِسی وجہ سے تم کو میں نے آنے کی اجازت نہیں دی۔ اگر تم کو میرا منع کرنا برا لگا ہو تو برخوردار! تم فوراً چلے آؤ۔ سبق لکھنے نہ لکھنے کا تم کو اختیار ہے، میں متقاضی نہیں۔ جب تم کو فرصت ہو تو لکھو، لیکن تمھارا خط چوتھے پانچویں نہیں آتا تو طبیعت بے چین ہو جاتی ہے۔ کچھ قواعد لکھنے تھے، لیکن انتظار خط میں طبیعت مُشَوَّش ہے اِس وقت نہیں ہوسکتا؛ انشاء اللہ تمھارا خط خیر وعافیت آنے پر لکھوں گا۔ فقط

۳۱/ مئی ۱۸۷ء

[خط: 26]

بیوی صاحب کو سلام کے بعد معلوم ہو۔ یہ بھی ایک دنیا کا دستور قرار پا گیا ہے کہ جب کسی کا کوئی عزیز قریب مر جاتا ہے، لوگ اُس کی ماتم پُرسی کیا کرتے ہیں۔ میں یہ خط تم کو اُس دستور کے مطابق نہیں لکھتا کیوں کہ مصیبت تنہا تم پر نہیں مجھ پر بھی ہے۔ میاں بی بی کا عجب رشتہ ہے کہ مرد و عورت نکاح کے ہو جانے سے دنیا کی سب چیزوں میں شریک ہو جاتے ہیں؛ یہ بات کسی دوسرے رشتے میں نہیں پائی جاتی۔ میرا تمھارا مال مشترک، گھر مشترک، کھانا پینا مشترک، اولاد مشترک، آبرو مشترک، خوشی مشترک، رنج وغم مشترک؛ اگر وہ لڑکی جیتی تو کیا تمھاری اکیلی کی بیٹی ہوتی؟ نہیں، میری تمھاری دونوں کی۔ پس اب اگر مر گئی تو کیا تمھاری اکیلی کی بیٹی مری؟ نہیں، میری تمھاری دونوں کی۔ پھر بھی میں اِس کو تسلیم کرتا ہوں کہ تم کو اُس سے بڑا قوی تعلق تھا، لیکن روحانی تعلق کی وجہ سے شاید جس دن وہ مَری ہے، میرا دل خود بہ خود بے قرار تھا، اور میں نے اُسی گھبراہٹ میں میاں بشیر کو خط بھی لکھا۔ تاریخ ملا کر دیکھو، غالب ہے کہ خط کی تاریخ اور اُس کے مرنے

کی تاریخ ایک ہوگی۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. ظہیر، نصیر وغیرہ کے مرنے سے یہ تو بہ خوبی تجربہ کر چکے کہ موت پر انسان کا کچھ اختیار نہیں چلتا؛ رہا رنج وہ بھی رفتہ رفتہ کم ہو جاتا ہے۔ میں تم پر الزام نہیں لگاتا، اپنا حال بیان کرتا ہوں کہ نصیر کو کس قدر پیار کرتا تھا۔ اُس کی قبر میری آنکھوں کے سامنے ہے، اور میں سوتا بھی ہوں، ہنستا بولتا بھی ہوں، دنیا کا کوئی کام بھی مجھ سے نہیں چھوٹا؛ تو جب ظہیر، نصیر کے رنج کو ہم نے چند سال میں بھلا دیا تو یہ لڑکی بے چاری کے دن کی تھی؛ آخر پھر دنیا اور دنیا کے کام۔ کتابوں میں بہت ٹھیک لکھا ہے کہ دانا اور احمق صبر دونوں کرتے ہیں مگر فرق اتنا ہوتا ہے کہ احمق رودھو کر چُپ کرتا ہے، اور دانا شروع سے خدا پر نظر کر کے چُپ ہو رہتا ہے۔ غرض، صبر تو آخر کرنا پڑے گا، پس کیا فائدہ کہ اپنا ثواب ضائع کریں۔ دل کو مضبوط کر، آنسو پونچھ، سنبھل بیٹھو۔ خدا ہمارا مالک ہے؛ اُس نے دیا، اُس نے لیا۔ خدا کو ہم سے عداوت نہیں، بَیر نہیں ۔ جو کچھ کرتا ہے، ہمارے نفع کے لیے کرتا ہے، لیکن اپنی کم فہمی کی وجہ سے ہم اُن مصلحتوں کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ دنیا کے انتظام پر نظر کرو تو تن درستی، مال، اولاد، حکومت، شرافت، دین داری؛ ہزاروں طرح کی نعمتیں ہیں، اور یہ نعمتیں خداوندِ کریم نے اپنی مرضی کے مطابق لوگوں میں تقسیم کی ہیں۔ فَضَّلْنَا بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ.[171] ہم کو بھی اُس نے اپنی رحمتوں میں سے بڑا بہت بڑا حصّہ عطا فرمایا ہے، تو کیا ہم ٹھیکہ دار ہیں کہ خدا کی سب نعمتیں اپنے گھر میں گھسیٹ کر بھر لیں۔ اور پھر اولاد سے، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے، ہم محروم نہیں۔ اُن کی عمروں میں خدا برکت دے! اُن کو دین و دنیا کی فلاح ہو! کافی ہیں، اب زیادہ اولاد لے کر کیا کروگی۔ اُنھی پر اپنی محبت صَرف کرو، اُن کے حق میں خدا سے دعائیں مانگو، اور مصیبت پر صبر کرو کہ خدا کی مرضی۔ شاید عاقبت میں اِنھی مصیبتوں کے طفیل سے ہم پر رحم ہو۔ کسی استاد کا کیا اچھا قطعہ ہے:

قسمت کیا ہر ایک کو قسّامِ اَزل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

---

171. ایک سے ایک کو بڑھ کر بنایا ہے۔

بلبل کو دیا نالہ، تو پروانے کو جلنا
غم ہم کو دیا، سب سے جو مشکل نظر آیا

اے خدا! ہم کو صبرِ جمیل کی توفیق دے، آمین! آدمی کو چاہیے کہ جب اُس پر کوئی مصیبت نازل ہو، دوسرے بندگانِ خدا کے حال پر نظر کرے، اور وہ پائے گا کہ ہزاروں آدمی اُس سے بد تر حالت میں مبتلا ہیں۔ تم گھر کے گھر میں بے چاری...کو دیکھو۔ بڑی ناشکری کی بات ہے کہ ہم ٹوکروں احسان اور چھکڑوں سلوک بھول جائیں، اور تنکے بھر رنج کی برداشت نہ کریں۔ بشیر بچہ ہے، تم کو روتے دیکھ کر سہا جاتا ہوگا۔ اُس کے حال پر رحم کرو۔ اپنے حال پر رحم کرو کہ کیا تمھاری حالت ہوگئی ہے۔ آخر یہ کالبدِ خا کی سدِّ سکندر تو نہیں ہے۔ اِسی طرح رنجوں کے مارے اِس کو تحلیل کر ڈالو گی تو کیا انجام ہوگا۔

خبردار، جو اِس خط کے بعد بشیر نے تم کو روتے دیکھا؛ اُس کے دل پر چوٹ لگتی ہے، اور تم کو اِس بات کا لحاظ نہیں۔ میرا حال یہ ہے کہ رخصت کی امّید میں جیتا ہوں، اور ابھی کوئی سامان نظر نہیں آتا۔ موسم اچھا نہیں ہے۔ بشیر کے کھانے پینے، چلنے پھرنے کی زیادہ نگرانی کرو۔ میں نے گرمی کے لحاظ سے اُس کو یہاں آنے کی اجازت نہیں دی۔

۴/ جون ۱۸۷۶ء

[خط: 27]

لاؤ اُس مختصر اور گول ۃ کے قاعدے کو زیادہ صاف کر ڈالیں۔ واضح ہو کہ سوائے الفاظِ عربی کے گول ۃ لکھنی روا نہیں، کیوں کہ یہ رسم الخط عربی کی ہے اور بس۔ پس عجمی الفاظ میں ہمیشہ لمبی ت لکھنی ہوگی، جیسے بت، دست، آتش پرست، مست، ہمالیہ پربت، مورت، سورت۔ عربی میں صرف چار قسم کی ت لمبی لکھی جاتی ہے (۱) وہ ت جو ماضی کے صیغوں میں ضمیرِ فاعل یا مفعول مالم یُسمّ فاعلہٗ ہوتی ہے ضَرَبْتُ. ضَرَبْتَ. ضَرَبْتِ.

ضَــــرَبَـــتْ وغیرہ (۲) تاے جمع مونثِ سالم جیسے مُسلمات، صالحات، واہیات، بنات (۳) تاے اصلی جیسے وقت، سبت، التفات، قوت، موت (۴) جب لام کلمہ حذف ہو کر کلمہ ثنائی رہ گیا تو اُس کے آخر میں جو تاے تانیث لاحق ہوگی، طولانی لکھنی ہوگی جیسے بنت، اخت؛ اصلی مادّہ بَنَوٌ، اَخَوٌ ہے۔ اِن چار قسموں کے علاوہ جتنی تیکیں ہیں، سب کو مختصر یا گول لکھنا ہوگا۔ھٰذا فاحفظ۔[172]

تمھارے خط کے ایک لفظ لَوَالِیٔ میں بحث تھی۔ لُؤلُؤٌ بر وزنِ فُعْلُلٌ، ایک وزن رباعی مجرد کا ہے، اُس کی جمع بر وزنِ فَعَــالِلُ کہ ایک وزن منتہی الجموع کا ہے لَآلِیءُ ہونی چاہیے لیکن عدول کسرے سے طرف ضمّے کی درست نہیں تو لآلیءُ رہ جائے گا۔

بشیر! تم بھائی بہن مل کر ماں کو تسلّی دو اور سمجھاؤ۔ غموں کے مارے اُن کا بدن بہت تحلیل ہو گیا ہے۔ تَـاللّٰـهِ تَـفْـتَـؤُا تَـذْكُـرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ.[173]

بشیر! چند روز کے لیے ایسا التزام کرو کہ اکثر اپنی ماں کے پاس بیٹھا کرو تا کہ اُن کو ایذادہ تصوّرات کا موقع نہ ملے۔

۶/ جون ۱۸۷۶ء

[خط: 28]

کیوں جی! خیریت کیا لفظ ہے؟ ضرور عربی ہے۔ خیر و شر ایک دوسرے کی ضد ہیں؛ پس یٰ اور ۃ مصدری ہوگی، جیسے قابلیت، جاہلیت۔ یٰ اور ۃ لگا کر صرف صفت

172. اس کو لو اور یاد رکھو

173. یہ خدا تو تو یوسف کی یاد سے باز نہ آئے گا یہاں تک کہ تیرے ہوش وحواس جاتے رہیں یا ہلاک ہو جائے، یہ اخوانِ یوسف کا قول ہے یہاں اقتباساً نقل ہوا ہے، مرجع مونث ہے اور یوسف سے مجازاً اولاد مراد۔

کے صیغوں کو مصدر بناتے ہیں، یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبّہ۔ چناں چہ لفظِ خیر اسم اور صفت دونوں ہے بھلائی اور بھلا تو خیریت ٹھیرا، لیکن درحالے کہ لفظِ خیر خود مصدر ہے تو اُس کو یؔ، ۃ لگا کر مصدر بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ چناں چہ خیروعافیت کہتے ہیں؛ پس آیندہ سے صرف خیر یا خیروعافیت لکھا کرو۔

تم نے غلط سنا کہ میں ...کو پڑھاتا ہوں۔ صرف ایک دن مولوی صاحب کی آنکھوں میں دردِ شدید تھا، میں نے پڑھا دیا۔ میں اُن کو پڑھاتا نہیں بلکہ اُن کے پڑھنے پر رشک (حسد نہیں) البتہ کرتا ہوں۔ ماشاء اللہ ایسا کھرا اور ٹکسالی پڑھنا میں نے تو امیرزادوں میں نہیں دیکھا، اور سبب اصلی اُس کا یہ ہے کہ اوّل تو مولوی ...کا طرزِ تعلیم ایسا ہے کہ بے یاد اور بے مطالعے اُن سے کوئی پڑھ نہیں سکتا۔ اُن کو نئے مطالب کے بتانے میں تامّل ہوتا ہے، نہ کہ پڑھا ہوا۔ دوسرے یہ کہ لڑکوں سے محنت بہت لی جاتی ہے۔ یہ بلا کی گرمی اور ہرروز بلا ناغہ صبح سے نصف شب تک؛ اِس میں کہاں تک شاگرد بے دلی کرے گا۔ اب تم اپنی حالت سے مقابلہ کرو۔ یاد اور مطالعہ دو لفظ ہیں جو تمھاری ڈکشنری[174] میں داخل نہیں۔ رہی محنت، وہ اگر ہے بھی تو برائے نام۔

میاں بشیر! علم کسی کی میراث نہیں؛ کرتے کی بِدیا مشہور بات ہے۔ تم اِن سب سے بہتر ہو، بہ شرطے کہ جی لگاؤ اور کامل توجّہ صَرف کرو۔ تمھارا پڑھنا دنیا کی کل ضرورتوں پر مقدّم ہے۔ خدا کے لیے تم اِس سے غفلت مت کرو۔ تم فارسی کو زیادہ نہیں تو اِس قدر درست کرلو کہ مُراسلت کرسکو۔ اگر غور کرو تو ایک پہاڑ کاٹنے کو ہے ۔ فارسی، انگریزی، عربی، علوم ایک دفتر ہے لیکن ہمّت قوی رکھو، خدا تمھارا مددگار ہے، محنت کیے جاؤ۔

۱۲/ جون ۱۸۷۷ء

---

174. لغات کی کتاب

[خط: 29]

تمھارا دہلی سے نفرت کرنا تمھارے حق میں ایک فالِ نیک ہے، اور جس کو خدا نے عقل وغیرت وحمیت دی ہوگی، ضرور ہے کہ وہ اہلِ دہلی کے اَوضاع و سادات کو نا پسند کرے۔ تم اپنے تئیں ایسا سمجھو کہ بہ ضرورتِ تحصیلِ علم پردیس میں ہو۔ تم اِن کے جھگڑوں میں مت پڑو۔ دَعْ فِئَةً اَضَلَّهَا اللّٰهُ كَيْفَ تُرْشِدُهَا.[175] میں جانتا ہوں کہ اِن کو دینا اکارت ہے، لیکن کیا کروں، دینا ہی پڑتا ہے۔ تم اگر وہاں نہ ہوتے تو شاید برسوں بھی مَیں دہلی کی خبر نہ لیتا؛ اور تم کو معلوم ہے کہ میں نے اِن لوگوں کو نا قابلِ خطاب سمجھ کر مطلقاً ترکِ مُراسلت کیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ مجھ سے اِن لوگوں کو گزند کیا پہنچتا ہے۔ میں کسی طرح اِن کا بارِ خاطر نہیں۔ خدا نے تمام عمر مجھ کو اِن کا شرمندۂ احسان نہیں کیا، اور جہاں تک ہو سکتا ہے، سلوک کر دیتا ہوں۔ اگر شیوۂ انصاف سے دیکھو تو مرد اور عورت، بڑے اور چھوٹے؛ ہر ہر مُتَنَفِّس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ایصالِ نفع ضرور کیا ہے۔ احسان فراموشی کا علاج نہیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے اپنے فضل وکرم سے مجھ کو اِن کی مدح و ذم دونوں سے مستغنی کیا ہے۔ اگر یہ لوگ میری مدح کریں تو مجھ کو کیا بخش دیں گے، سوائے اِس کے کہ مجھ کو خوش کر کے دو چار روپیہ مجھ سے لیں، مجھ کو کون سا نفع پہنچا سکتے ہیں؛ اور اگر ساری دِلّی میں مجھ کو برا کہتے پھریں تو میرا کیا نقصان ہے۔ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُم.[176] اب ذرا بجنور والوں کی غیرت کو دیکھو کہ مولوی... صاحب کا مجھ پر کتنا بڑا حق ہے، اور اگر آ کھڑے ہوں تو میں اُن کو ٹال نہیں سکتا۔ اُن کے ہاتھوں سے مجھے کبھی کسی قسم کی ایذا نہیں پہنچی، اور اُن کے مدِّ مقابل حضراتِ دہلی ہیں کہ عمر بھر دیتا رہا، اور

---

175. چھوڑ اس گروہ کو جس کو خدا نے گم راہ کیا ہے، کیوں کر تو اس کو راہ پر لائے گا۔ متنبی کے شعر کا ٹکڑا ہے، پورا شعر یوں تھا: یا عازل العاشقین دع فئۃً. اضلها الله کیف ترشدها

176. کہہ دے کہ اپنے غصے میں جل مرو۔ اقتباس ہے۔

پھر بھی اُن کے مزاج درست نہ ہوئے۔ حقیقت میں یہ مادّۂ حسد ہے؛ اُن کو جلن اِس بات کی ہے کہ خدا نے اُن میں سے کسی کو یہ نعمت نہیں دی۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ [177] بشیر! خدا کے لیے تم اپنے خیالات اونچے، حوصلہ فراخ، ہمّت بلند، نظر سیر رکھو۔

حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر ست

رفتن بہ پایمردیِ ہمسایہ در بہشت

تُف ہے اُس آسائش پر جو دوسرے کے طفیل میں حاصل کی جائے۔ خدا تم کو کسی کا دستِ نگر نہ کرے، اور ہمیشہ تمھارے ہاتھ سے لوگوں کو دلواتا رہے۔ برخوردار! تم اِن سب باتوں سے قطعِ نظر کرو، اور پڑھنے میں جی لگاؤ جس کی بڑی ضرورت ہے۔ تم اپنی کوئی حاجت ... سے متعلّق مت رکھو اور تم کو میرے برتاؤ سے خود معلوم ہو جائے گا کہ میں کہاں تک تمھارے مقابلے میں روپے کو عزیز رکھتا ہوں۔ اے دشمنانِ عقل! اگر روپیہ تمھارے خلافِ خواہش کچھ پس انداز ہوگیا ہے تو تم کو اِس کا حسد کیوں ہے؟ میں تو اِس کو اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ یہ لوگ کبھی خوش ہو نہیں سکتے، تا وقتے کہ اپنے حسد کے مطابق مجھ کو تنگ حال نہ دیکھیں۔ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ ....[178]

بشیر! کہاں تک تم سے دُکھڑا روؤں۔ معاملے کی صفائی کا یہ حال کہ گھر کے گھر میں روپیہ غائب۔ تم اِن جھگڑوں میں اپنا وقت ضائع مت کرو۔

عَجِبْتُ مِنْ شَيْخِيْ وَ مِنْ زُهْدِهٖ

وَ ذِكْرِهِ النَّارَ وَاَهْوَالَهَا

يَكْرَهُ اَنْ يَّشْرِبَ فِيْ فِضَّةٍ

وَ يَسْرِقُ الْفِضَّةَ اِنْ نَالَهَا [179]

---

177. خدا جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے انتصاص بخشتا ہے اور خدا بڑا ہی فضل والا ہے۔

178. خدا نہیں چاہتا مگر یہ کہ اپنی روشنی کو پورا کرے اگرچہ......کو برا لگے، اقتباس ہے۔

179. مجھ کو شیخ اور اس کی پرہیزگاری اور بیانِ آتشِ جہنم وشدائدِ دوزخ سے تعجب آیا۔ چاندی کے برتن میں کچھ پینے کو برا جانے اور پائے تو چرالے۔

اگر کہیں یہ خط نظر پڑ گیاتو نارِ فساد مشتعل ہوگی، اور تم پر سب مل کر نرغہ کریں گے۔ اِس خط کو پڑھ کر چاک کر دینا۔ میں نے صرف تمھاری اطلاع کے لیے یہ حال لکھا ہے، ورنہ میں نے تو سمجھ لیا ہے۔

ع شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

... کے باب میں یہاں بیٹھا ہوا کیا راے دوں، مُصالحہ اچھا ہے، بہ شرطے کہ صمیم قلب سے اُس کی خواہش ہو، اور طرفین سے اُس کی تمنا کی جائے۔ فَاصْطَلِحَا وَالصُّلْحُ خَیْرٌ۔[180]

بشیر! ذرا کھانے پینے میں احتیاط رکھا کرو؛ وہ احتیاط یہ ہے کہ اوقات منضبط۔ خلافِ وقت مت کھایا کرو، اور اقسامِ اطعمہ بھی مُضر ہیں۔ گوشت روٹی سے پیٹ بھر لینا ضامنِ تن درستی ہے۔

۱۵/ جون ۱۸۷۷ء

[خط: 30]

تمھارے کان بھی ضرور اِس مصرعے سے آشنا ہوں گے۔

ع خدا پنج انگشت یکساں نکرد

طول اور وضع اور تعدادِ اَنامِل[181] کے اختلاف سے انگلیوں کو اعانت اور اِستعانت کا عمدہ موقع دیا گیا ہے، یعنی انگلیوں کے اختلافِ حالت نے ہاتھ کو زیادہ قوی اور بہ کار آمد بنا رکھا ہے، مگر اِس اختلاف کی بھی ایک حد ہے معیّن، جس میں افراط تفریط کی گنجایش نہیں؛ یہی حال ہے ایک خاندان کے لوگوں کا۔ اگر اُن کی حالتیں ایک اندازۂ

180. پس دونوں مل جاؤ اور ملنا اچھی بات ہے۔
181. انامل جمع انملہ انگلیوں کے بند یعنی پوریں

مناسب تک متفاوت ہیں تو یہ اختلاف منفرداً اُن کے اور مجتمعاً سارے خاندان کے حق میں مفید ہوگا۔ لیکن فرض کرو کہ کسی کے ہاتھ کی ایک انگلی بے موقع بڑھ کر گز بھر کی ہو جائے تو وہ لمبوتری انگلی عذاب ہوگی اپنے حق میں، اور دوسری انگلیوں کے حق میں، اور سارے ہاتھ کے حق میں۔ تموّل کے اعتبار سے اپنے خاندان کے ہاتھ میں وہ لمبوتری انگلی مَیں ہوں؛ نہ آپ خوش رہ سکتا ہوں، اور نہ دوسروں کو خوش رکھ سکتا ہوں۔

[خط: 31]

آج میں... صاحب کے یہاں بیٹھا تھا، کیا دیکھا کہ... اور ... مولوی صاحب سے سبق پڑھتے، اور ہر وقت اُن کو ... صاحب اپنے روبہ رو بٹھا کر یاد کراتے۔ دانا احمق نما[182] اگر نہ دیکھا ہو تو ... صاحب کو دیکھو کہ اِس شخص کا قیافہ اور گفتگو خالی از سفاہت[183] و سادہ لوحی نہیں، لیکن اپنے معاملات کو یہ شخص بڑے انہماک[184] اور اہتمام سے انجام دیتا ہے۔ رعایاے تعلقہ کو حسنِ تدبیر سے ایسا ثمر کیا کہ آج وہ علاقہ مثل زَد ہو رہا ہے۔ اب اِن بچّوں کی تعلیم میں اِس بَلا کی آمادگی اور تن دہی ہے کہ اگر اُس کی کیفیت واقعی لکھی جائے تو مبالغہ معلوم ہو۔ وہیں بیٹھے بیٹھے میرے ذہن میں یہ خیال گزرا کہ یہ شخص تین بیٹے رکھتا ہے اور جائداد وافر و مُستجرّ[185] کا مالک ہے۔ اگر اِس کے لڑکے نہ بھی پڑھیں تاہَم کم سے کم ہر مُتَنفّس سو سو روپیہ ماہوار کی آمدنی رکھے گا۔ میرا کیا حال ہے کہ ایک بیٹا، اور پیشہ نوکری، اور علم میراث خاندانی۔ تو جب ... صاحب کو اپنے بچّوں کی تعلیم میں یہ سرگرمی ہے،

182. یعنی ظاہر میں دیکھو تو معلوم ہو کہ احمق ہے مگر حقیقت میں بڑا سیانا

183. حمق، نادانی

184. ہر وقت ایک کام کے پیچھے پڑا رہنا

185. جس کو ہمیشہ کے لیے قیام ہو۔

مجھ کو اُس سے ہزار چند ہونی چاہیے؛ لیکن میں یہاں، تم وہاں، دور بیٹھے کیا کرسکتا ہوں؛ سوائے اِس کے کہ خطوط کے ذریعے سے تاکید کیا کروں، لیکن پھر یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آدمی کے دل کو خدا نے آزاد پیدا کیا ہے۔ انسان کا بدن قید کیا جاسکتا، اُس کی آنکھ پر پٹی باندھ سکتے، کان میں رُوئی ٹھونس سکتے، منہ پر مُہر لگا سکتے، پر دل کو قابو میں نہیں لاسکتے۔ پس نہ میں تم پر جبر کرتا نہ تاکید کرتا بلکہ بہ عجز والحاح تم سے عرض کرتا کہ بشیر! خدا کے لیے لیاقت پیدا کرو۔ میں ایسا احمق نہیں ہوں کہ تم سے توقعات پیدا کرلوں۔ جب تک تم کو لیاقت حاصل ہو، اور اُس لیاقت پر کوئی فائدہ مترتب ہو، ضرور نہیں کہ میں جیتا رہوں۔ میرے باپ نے میرے پڑھانے میں بڑی جاں فشانی کی تھی لیکن افسوس کہ وہ مرحوم ومغفور تَغَمَّدَهُ اللّٰهُ بِإِحْسَانِهٖ وَأَسْكَنَهٗ بِحُبُوْحَةِ جِنَانِهٖ.[186] دنیا سے ناکام گئے۔ میری ڈپٹی کلکٹری ہونے سے اُن کو مطلق نفع نہیں پہنچا؛ پس اُن کی محنت کا نفع نہ اُن کو ملا بلکہ مجھ کو اور تمھاری ماں بہنوں کو اور تم کو اور دوسرے اَعزّہ واَقارب کو۔ جو معاملہ میرے والد اور میرے ساتھ ہوا، کیا میرے اور تمھارے ساتھ ہونا ناممکن ہے؟ اِس سے قطع نظر خدا نے مجھ کو ایسی حالت میں رکھا ہے کہ اگر اِس کو ثبات ہو تو شاید تا دمِ مرگ مجھ کو ضرورت نہ ہوگی کہ تم کو تکلیف دوں۔ پس ایسی حالت میں میرا تم پر بار بار مؤکد ہونا یہ خدا صرف تمھارے ذاتی نفع کے لیے ہے جس کو میں بہ اقتضائے شفقتِ پدری اپنے ذاتی نفع پر مقدم رکھتا ہوں۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را

نصیحتے کنمت بشنو، و بہانہ مگیر
ہرانچہ ناصح مشفق بگویدت بپذیر

میں یہ نہیں کہتا کہ تم کو سود وزیاں کا تفرقہ، نیک وبد کا امتیاز نہیں، لیکن اتنا کہوں گا

186. خدا ان کو اپنے احسان سے ڈھانپے اور اپنی جنتوں کے بیچوں بیچ بسائے۔

کہ تم کو بے قراری کا شوق نہیں ؛ یہ اگر ہو تو پھر وہی تمھارا استاد ہے، وہی تمھارا سازوسامان۔ آدمی خود ایجاد کرتا ہے کہ کیا کروں، کیوں کر کروں۔ نِسسِٹی از دی مَدَر آف اِنونشن [187] پس نِسسِٹی [188] پیدا کرو، اور وہ نہیں ہے مگر طلبِ صادق، جیسے زور کی بھوک، تڑاقے کی پیاس۔ یہ تصوّر کہ شاید عربی مَیں تم کو بہتر پڑھاتا، مجھ کو اکثر ایذا دیا کرتا ہے، لیکن وہی شوق ہو تو ہر استاد باپ سے بڑھ کر کام دے۔

ع شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست

اِس کہنے سے کیا فائدہ ہوگا کہ تم فلاں چیز فلاں شخص سے پڑھو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے وقت سے پورا پورا فائدہ لو۔ تم بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ فراغ، جو تم کو ماشاء اللہ اب میسّر ہے، کب تک رہے گا؛ پس اَن سَرٹنٹی [189] کی صورت میں صرف اِس قدر تعطّل [190] جائز ہے جو حفظِ صحت کے لیے ضرور ہے۔ میں کیا صرف تاکید کرنے پر قانع ہوں؟ میرا دل کم بخت کب صبر کرتا ہے۔ میں تمھارے فائدے کے لیے پس انداز کرتا ہوں، لیکن سمجھتا ہوں کہ علم سے بڑھ کر دولت نہیں، اور اگر دولتِ علم پر میرا وہ اختیار ہوتا جو روپے پر ہے تو بشیر! خدا کی قسم میں تم کو زبان تک نہ ہلانے دیتا۔ افسوس اِسی کا ہے کہ دولتِ علم بے اپنی محنت کے جمع ہو نہیں سکتی۔ خدا اِس کا گواہ ہے۔ وَ كَفىٰ بِاللّٰهِ شَهِيْدًا. [191] کہ میں تم سے روپے کو دریغ نہیں کرتا۔ اگر تم فیسِ مدرسے کے علاوہ روپیہ خرچ کرنے سے فائدۂ علمی حاصل کرسکو، میں بہ طیبِ خاطر اُس خرچ کو گوارا کروں گا؛ چاہے وہ کتاب کا دام ہو یا معلّم کی اُجرت۔ الغرض میں تمھاری تعلیم میں ہر طرح کی کوشش مالی و دماغی وجسمانی وروحانی کرنے کو موجود تھا اور ہوں اور رہوں گا۔ گو، تم نے اب تک کامل شوق نہیں کیا، لیکن پھر بھی مجھ کو تم سے توقعات ہیں، اور میں باور کرتا ہوں کہ تم کبھی نہ کبھی ضرور شوق

187. حاجت ام الایجاد ہے یعنی حاجت سے سب باتیں پیدا ہوتی ہیں۔

188. حاجت، ضرورت

189. تذبذب، عدمِ یقین

190. بے کاری

191. اور خدا کی گواہی بس ہے۔

کرو گے کیوں کہ خدا نے تم کو سمجھ اچھی دی ہے۔ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ.[192] اگر میں تم کو نامور اور کام یاب زندگانی میں چھوڑ کر دنیا سے اٹھ جاؤں تو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ بڑے اطمینان سے جاؤں گا۔ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ.[193]

۱۹/ جون ۱۸۷۶ء

[خط: 32]

کل تمھارا خط مولوی برکتُ اللہ صاحب کے نام کا نظر پڑا۔ تم اس کو دشمنی تجویز کرو یا دوستی، مجھ کو ہر وقت تمھارے عیوب پر نظر رہتی ہے۔ تمھارے خط میں چار غلطیاں تھیں (۱) زَیَّدَاللّٰهُ رُوْزْگَارَهٗ (۲) سَلَامٌ وَعَلَیْکَ (۳) جُمَادَی الثَّانِی (۴) قصدِ سر روح۔ زَادَ یَزِیْدُ اجوف یائی ہے بَاعَ یَبِیْعُ۔ کل تعلیلات دونوں کی یکساں ہیں، پھر زَادَ یَزِیْدُ لازم ومتعدی دونوں ہیں۔ زَادَ کے معنی زیادہ ہوا اور زیادہ کیا۔ وَمَازَادَ عَلٰی ثَلٰثَةِ حُرُوْفٍ اَصْلِیَّةٍ فَهُوَ الْمَزِیْدُ. اور قرآنِ مجید میں ہے: وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ. پس زَادَ کا متعدی دوسرے باب میں نہیں ہوسکتا، خود زَادَ متعدی ہے۔ اگر خود متعدی بنفسہٖ نہ ہوتا تو بابِ اِفعال یا تفعیل میں لے جا کر متعدی کرتے۔ تم نے زِیْدَاللّٰهُ رُوْزْگَارَهٗ میں زِیْدَ کو متعدی استعمال کیا کہ خدا اُس کا روزگار زیادہ کرے تو یہ لفظ

---

192. اور یہ خدا کی دین ہے جس پر چاہے فضل کرے

193. خدایا تو نے مجھ کو ملک دیا (یعنی حکومت) اور باتوں کی تاویل کا سلیقہ سکھایا۔ اے پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے تو دنیا اور آخرت میں میرا حامی ومددگار ہے۔ اٹھا مجھ کو مسلمان اور ملا مجھ کو نیکو کاروں سے

زَیْدٌ ہوسکتا ہے مگر مستعمل نہیں۔ تم نے زَیْدٌ سمجھ کر لکھا ہے اور اُس کے معنی 'زیادہ کیا جائے' کیوں کہ زَادَ لازمی کا مجہول آ نہیں سکتا، پس ضرور زَادَ متعدی کا مجہول ہوگا تو اُس صورت میں لفظِ اَللّٰہ فضول ہے کیوں کہ رُوْزْگَارَہٗ مفعولِ مَالَم یُسَمَّ فَاعِلُہٗ موجود ہے پھر اَللّٰہ کیا ہوگا، اور اَللّٰہ مفعولِ مَالَم یُسَمَّ فَاعِلُہٗ ہو نہیں سکتا کیوں کہ 'زیادہ کیا جائے اللہُ' کلامِ مہمل ہے۔ روزگار لفظِ فارسی ہے اور رُوْزْگَارَہٗ ترکیب خالص عربی۔ یہ خلطِ مبحث سخت مہمل اور بے جا ہے۔ اگر ایسی ترکیبیں جائز ہوں تو پدرۂ، وَمادَرۂ ، وَخواہرۂ بھی جائز ہو؛ تم کو بجائے زِیْدَ رُوْزْگَارَہٗ کے بَارَکَ اللّٰہُ فِیْ رِزْقِہٖ یا بَسَطَ اللّٰہُ رِزْقَہٗ یا بُوْرِکَ فِیْ رِزْقِہٖ یا وَسِعَ اللّٰہُ لَہٗ رِزْقَہٗ لکھنا مناسب تھا۔ افسوس! ایسی غلط عبارت تمھاری قلم سے نکلے۔ سَلَامٌ وَعَلَیْکَ تمھاری معمولی غلطی ہے؛ تم نہیں سمجھتے کہ سَلَامٌ عَلَیْکَ یا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ صرف دو ہی عبارتیں سلام کے لیے موضوع ہیں۔ سررودح کوئی رگ نہیں، سررو البتہ ایک رگ ہے جس کا خون نکالنے سے اَمراضِ وَجہ[194] کا ازالہ ہوتا ہے۔ لوگوں کی غلطیوں کو کہاں تک گرفت کروگے۔ ہفت اندام کو ہفتمدام اور باسلیق کو بادلیخ بولتے ہیں۔ جُمَادیٰ بر وزنِ فُعالیٰ مونث کا صیغہ ہے، الفِ مقصورہ علامتِ تانیث موجود ہے پس الثّانیہ اُس کی صفت ہوسکتی ہے نہ الثّانی، یعنی جُمَادَی الْاُوْلیٰ وجُمَادَی الثَّانِیَہ کہنا چاہیے، نہ جُمادی الاوّل اور جُمادی الثّانی۔ جُمادیٰ کے معنی ہیں زمینِ شور کے۔ چوں کہ یہ مہینا عرب میں خشکی اور گرمی کا ہے، جُمادیٰ کہلایا۔

۲۱/ جون ۱۸۷۶ء

[خط: 33]

تمھارا بہت وقت مراسلت میں صَرف ہوتا ہے۔ مطلق کھیلنے سے تو خط لکھنا بہ مدارج

194. چہرے کی بیماریوں کا دفعیہ

بہتر ہے، لیکن سٹڈی میں خلل انداز ہو تو واجبُ الترک ہے۔ اور جو شخص اِس کثرت سے خط لکھے گا، ممکن نہیں کہ وہ سٹڈی[195] کے لیے زیادہ وقت بچا سکے۔ میں تم کو منع نہیں کرتا، لکھو پڑھو، مگر اپنا اصلی مطلب فوت مت ہونے دو۔ جتنی لگاوٹ تم اِن کشامرہ[196] اور پورب والوں سے کرتے ہو، اِن نابکاروں میں اُس کا عُشرِ عَشیر[197] بھی نہیں پاتا۔ دِنائت[198] اِس درجے کو پہنچی کہ ایک خط بیرنگ آجائے تو منہ بنائیں، گالیاں دیں، اور بے چارے ہرکارے سے ناحق دست وگریباں[199] ہو پڑیں۔ یہ اُلّو کے پٹھے عربی کے اشعار کیا سمجھیں، مگر اُن کو بُزِ اَخفش[200] بنا کر مشق بہم پہنچانا اچھا ہے۔ اِس کا لحاظ رہے کہ تمھارے الفاظ پر یہاں بڑی گرفت ہوتی ہے اور یہ اچھی بات ہے۔ تم نے کہیں السّلامی علیکم لکھا تو یہ صریح غلط تھا۔ سَلامِی مضاف مضاف الیہ میں اضافتِ معنوی ہے، کیوں کہ جب صیغۂ صفت اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو تو اُسی کو اضافتِ معنوی کہتے ہیں، اور اضافتِ معنوی تعریف پیدا کرتی ہے مضاف میں، اگر مضاف الیہ معرفہ ہو ورنہ تخصیص۔ تو یہاں یاے متکلّم أعرف المعارف مضاف الیہ ہے تو سَلامِی معرفہ ہوا، اب اُس پر الف لام آ نہیں سکتا۔ اور بھی چند غلطیوں کا تذکرہ یہ لڑکے مجھ سے کرتے تھے، اِس میں بُرا مت مانو، یہ تو ایک فائدے کی بات ہے۔ تمھاری عبارت پر اِن کو سرقے کا احتمال ہے، یعنی یہ کہ تم کسی کی عبارت چُراتے یا کسی دوسرے سے لکھواتے۔ اِن میں شقِ دوم سخت مذموم ہے۔ سرقہ ابتدا میں سب کرتے، اور اُس کا کوٹ[201] نام رکھتے لیکن

195. مطالعۂ کتاب، مراد ہے لکھنا پڑھنا، تحصیلِ علم
196. کشمیری کی جمع
197. دسویں حصے کا دسواں حصہ یعنی سواں حصہ
198. خست
199. ہاتھا پائی کرنے لگیں
200. اَخفش ایک بڑا عالم نحوی تھا۔ اس نے اپنا طریقہ یہ رکھا تھا کہ باریک مسائلِ نحو کو اپنے ایک بکرے کے آگے بیان کیا کرتا اور توضیح در توضیح کرتا جاتا یہاں تک کہ اتفاقی طور پر جب بکرے کا سر ہل جاتا تو الگ ہو جاتا اور سمجھتا کہ بس اتنی توضیح کافی ہے۔
201. ایرادِ اقوالِ اساتذہ

جب کوٹ کرو، اساتذہ کا کلام؛ صرف نامی لوگوں کے کلام پر نظر پڑتی رہے۔ لیکن بشیر!
انگریزی کا درست کرنا مقدم ہے، اور یہ تو فراغِ خاطر کے مشغلے ہیں۔ اگر ابھی سے طبیعت
کو اِدھر مصروف کرو گے تو انگریزی سے محروم رہ جاؤ گے۔ کجااردو و فارسی، کجا انگریزی؛
شَتَّانَ بَیْنَهُمَا.[202] بہ ہر کیف جو کچھ کسی کو لکھو، معترضانہ مخاصمانہ اُس کو مکرّر دیکھ لیا کرو۔
ایک خط اِس میں ملفوف ہے اُس کو میں نے بہ مجبوری لکھا، بہ مجبوری بھیجتا ہوں، اور بہ مجبوری
تم سے درخواست کرتا ہوں کہ ... صاحب کو تنہائی میں سناؤ۔ والسّلام

۲۷/ جون ۱۸۷۶ء

[خط: 34]

کل والا طولانی خط میں نے بھیجتے تو بھیج دیا، لیکن تب سے خدشہ لگا ہے، دیکھیے
انجام کیا ہو۔ عقلوں کی سلامت اور نفوس کی صلاح معلوم، کسی معقول بات کا اثر پیدا کر دینا
مُحَذّر ہے۔ تم کچھ عقل رکھتے ہو، لیکن تمھاری وقعت کیا ہے، اور پھر کوئی آدمی اپنے تئیں
احمق کیوں سمجھنے لگا؟ سعدیؔ کا کیا اچھا قطعہ ہے، اور سچ یہ ہے کہ اُس کا سارا کلام نظم
ونثر عمدہ اور یاد رکھنے کے لائق ہے۔

یکے جہود و مسلماں مناظرہ کردند
چناں کہ خندہ گرفت از نزاعِ ایشانم
جہود گفت: بتوریت می خورم سوگند
وگر دروغ بُوَد ہمچو تو مسلمانم
بطنز گفت مسلماں کہ گر قبالۂ من
صحیح نیست خدایا جہود میرانم

202. دونوں میں بڑا بُعد ہے۔

گر از بسیطِ زمیں عقل منعدم گردد
بخود گماں نَبَرد ہیچ کس کہ نادانم

بشیر! اگر ہو سکے تو بہ نظرِ تحقیق اِس شخص کا کلام پیشِ نظر رکھو۔ میں کہاں سے کہاں جا نکلا۔ غرض جتنے احمق ہیں، وہ اپنے پندار میں احمق نہیں، تو ایسی صورت میں کیا توقّع کی جاسکتی ہے۔ خصوصاً جب کہ اِدّعائی رنجش درمیان میں ہو۔ اگر تم دیکھو کہ زیادہ بے لطفی کا احتمال ہے تو برخوردار! اُس خط کو پھاڑ ڈالو اور ... صاحب کو مت سناؤ، اور مجھ کو میری حالت پر چھوڑ دو۔

بشیر! خدا کے لیے جی لگا کر پڑھو، اور پڑھنے پر محنت کرو۔ چند روز کی تکلیف ہے اور انشاء اللہ عمر بھر کی آسایش۔ تم کو دہلی والوں کے جھگڑوں میں دخل دینا ضرور نہیں۔ تم یہ سمجھو کہ تحصیلِ علوم کی ضرورت سے مسافرانہ دہلی میں ہو۔ کتاب سے سروکار رکھو، اور تمھارا وطن یا گھر میرے دل میں ہے۔ جس قدر تم اِن لوگوں سے بے تعلق اور الگ تھلگ رہو گے، آسایش میں رہو گے۔ رہی یہ بات کہ فلاں شخص ہم سے کم محبت کرتا ہے، اِس کی کچھ شکایت نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم کو اُس نے اپنے فضل وکرم سے لوگوں کی محبتوں کا محتاج نہیں کیا۔ خدا کی محبت ومہربانی کافی ہے۔ تمھارا مزاج میری طرح اُنس پزیر ہے، اور جب تم کو خلافِ توقّع لوگوں کی مُدارات نظر آتی تو بہ اقتضاے بشریّت رنج ہوتا۔ استغنا کو اپنا اُصولِ زندگی قرار دو۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے:

جب توقّع ہی اُٹھ گئی غالب!
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی؟

لگ لپٹ کر ضروری امتحانوں سے فراغت کرو، پھر کہاں تم اور کہاں دہلی۔ یہ بھی امورِ اتّفاقیہ ہیں۔

دمے با نیک خواہاں متّفق باش
غنیمت داں اُمورِ اتّفاقی

یاد آیا کہ تم نے کسی خط میں اَلْمُسْلِمُ مِرْآۃُ الْمُسْلِم [203] کو مِرَاءَۃُ الْمُسْلِم لکھا۔ مِرْآۃٌ اصل میں مِفْعَلَۃٌ اَوزانِ آلہ میں سے ہے مِفْعَلٌ. مِفْعَلَۃٌ. مِفْعَالٌ. مادّہ رَأی مصدر مجرد رُؤْیَۃ. مِرْاٰیَۃ کی ی بہ وجہ تحرک و فتح ماقبل الف ہو گئی۔ مِرْآۃ یعنی دیکھنے کا آلہ، وہ کیا ہے آئینہ۔ فارسی کی انشاؤں میں اکثر الفاظ عربی ملے جُلے رہتے ہیں۔ جب کوئی ترکیب دیکھو اُس کی اصلیت تحقیق کرو، مثلاً خاطرِ نیاز مآثر اور تسلیمات کورنش سمات اور اِسی طرح کے ہزاروں لفظ ہیں کہ بے توجہی میں نظر سے گزر جاتے ہیں، اور تحقیق کرنے کو بیٹھو تو ایک گھنٹے سے کم میں وہ لفظ ٹھکانے نہیں لگتا۔

۲۸/ جون ۱۸۷۶ء

[خط: 35]

میں اِس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ آدمی اپنی رائے کے ظاہر کرنے میں مطلق باک نہ کرے۔ جو لوگ ظاہر نہیں کرتے، وہ رائے تو رکھتے ہیں مگر بزدلی یا نفاق کی وجہ سے اُس کے اظہار پر قادر نہیں۔ گو تم اپنے پندار میں اپنی رائے کو منصفانہ سمجھتے ہو، اور عجب نہیں کہ ایسی ہی ہو بھی، لیکن میں اُس کے منصفانہ پن کا قائل نہیں ہوں؛ تاہم مَیں تمھاری مدح کروں گا کہ تم نے ویکر سکس [204] کی جانب داری کی۔ انسان جس سوسائٹی [205] میں ہوتا ہے وہ اپنے تئیں اُس سوسائٹی کے انفلوئنس [206] سے بچا نہیں سکتا۔ پس پہلی دلیل تمھاری پارشیلٹی [207] کی تمھارا اُس سوسائٹی میں ہونا ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ضَعِیْفاً. [208] کے

203. مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے۔
204. صنفِ ضعیف، نسواں
205. صحبت، مجمع
206. اثر
207. جانب داری
208. حق یہ ہے کہ آدمی ضعیف پیدا کیا گیا ہے

ضعف میں ضعفِ رائے بھی داخل ہے۔ میں ایسا ہٹ دھرم نہیں (یا نہیں ہونا چاہتا) کہ تم مجھ کو میری فالٹس[209] پر متنبہ کرو، اور میں اعتراف کرنے سے عار کروں۔ میں تمھاری نظر میں اپنے تئیں اُس سے زیادہ نیک بنانا چاہتا ہوں، اور اُس سے زیادہ معقول پسندی کی صفت ظاہر کرنے کی فکر میں ہوں جتنی کہ مجھ میں ہے، اور یہ شاید آدمی کے نیچر[210] کا اقتضا ہے، فقط۔

[خط: 36]

تمھاری انگریزی نہ میرے پاس ہے، اِس واسطے کہ میں نے دیکھنے کا قصد بھی نہیں کیا؛ اور دیکھتا تو کیا دیکھتا۔ اگر تم سوچ کر لکھو، اور پڑھنے میں طرزِ ادا اور محاورات کا لحاظ کرلیا کرو تو شاید میری برابر لکھ سکو۔ اور نہ وہ انگریزی منوہر کے پاس ہے کیوں کہ اُن کو اتنا دماغ کہاں؛ البتہ ... بہ مددِ گرامر اُس میں اصلاح دے رہے ہیں۔ کیا تم کو اِس لڑکے کی اُفتادِ مزاج معلوم نہیں؟ ایک دو برس کے بعد وہ متقدمین پر بھی ضرور جرح[211] کرے گا۔

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس دَرَد
میلش اندر طعنۂ پاکاں بُرَد

مولوی ... کو تو کنایۃً میاں جی بد استعداد کہنے لگا۔ تم کو نہ وہ پہلے کچھ سمجھتا تھا، نہ اب سمجھتا ہے، اور اِس کا سبب خود اُسی کی جہالت اور نادانی ہے۔ پس تم ایسے احمقوں سے کیا معارضہ کرتے ہو۔ تَکَلَّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ۔[212] تم کو خدا نے اُس

209. عیوب
210. طبیعت، سرشت
211. اعتراض
212. لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کیا کرو

پراور ایسے ہزاروں پر برتری دی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ وَلَا فَخر.[213] تم اپنی حالت کا موازنہ اپنے ابنائے جنس میں کرو۔ ...اپنے فخرِ خاندان ہیں، مگر اُس خاندان کو علم وفضل سے کیا مناسبت؟ فارسی کو تو اُس نے مدّت ہوئی طاقِ بلند پر رکھ دیا، بدیں عبارت ''مؤت کر چھوڑا'' عربی میں ہر روز مولوی صاحب سے تو تو مَیں مَیں ہُوا کرتی ہے۔ انگریزی کا حال مجھ کو معلوم نہیں۔ کسی سے کہتا تھا کہ ''گرامر ڈپٹی صاحب نہیں جانتے، لغت مَیں نے کئی پوچھے، اُن کو نہیں آئے، پھر نہیں معلوم انگریزی کیا جانتے ہیں'' یہ اُس کا کہنا حق تھا، مگر وہ حق جس کو اَلْحَقُّ مُرٌّ[214] کہا ہے۔ ...کے مزاج میں ابھی کچھ سلامت روی ہے مگر عارضی۔

ع عصمتِ بی بی ست اَز بے چادری

تم کو کوئی ضرورت اُن لوگوں سے بگاڑ کرنے کی نہیں ہے۔ میں بھی اُن لوگوں سے تفریحاً ملتا ہوں، تم بھی ایسا ہی تعلّق رکھو۔ دل خوش کن دو چار باتیں کہیں سنیں، الگ ہو گئے۔ غلطیاں جو تم نے گرفت کیں، سب درست ہیں، اور بہت غلطیاں تم نے نظر انداز کیں۔

خط لکھا ایسا کہ سر تا پا غلط

خود غلط، املا غلط، انشا غلط

ایک جگہ تم نے زبانِ مقطوع البیان کو زبانِ مقطوع اللسان سمجھ کر لتاڑ کی ہے۔ اوّل تو زبانِ مقطوع اللسان یا لسانِ مقطوع اللسان مہمل ہے۔ دوسرے فرضِ غلط پر اِس قدر شورش! مقطوع البیان بھی عبارت اچھی نہیں، قاصر البیان چاہیے۔ لیکن کیا ...نے یہ لفظ اپنی طبیعت سے ایجاد کیا؟ ضرور کسی انشا سے لیا ہوگا۔ عجمیوں نے عربی کی ایسی بہت سی مٹی پلید کی ہے۔ کاش! اِسی کاوش سے انگریزی پر نظر ہو، اور اے کاش! یہی کاوش چندے عربی میں چلی جائے۔ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ. وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ

---

213. اور اس پر خدا کی ستایش ہے نہ نازش

214. سچی بات کڑوی ہوتی ہے۔

كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوْا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ.[215]

ایک محقق کا مقولہ ہے کہ انگریزی دو قسم کی ہے: کتابی اور روزمرّہ (ماڈرن انگلش)۔ کہتے ہیں کہ روزمرّہ کے واسطے اور قوتِ تحریر زیادہ ہونے کے واسطے اور معلوماتِ عامّہ کے واسطے مطالعۂ اخبارِ انگریزی ضرور ہے۔ تم کسی سوسائٹی[216] یا کلب[217] میں جایا کرو یا خود کوئی عمدہ اخبار لیا کرو۔ بشیر! پڑھنے کے سامنے خرچ کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ اگر خدا برکت دے تو یہ خرچ ایسا ہے کہ چند روز میں اَضعافاً مضاعفہ[218] اِس سے حاصل ہوگا۔ پس یہ خرچ تجارتِ رابحہ[219] ہے۔

تم نے خط میں ذرا لکھ کر زرا بنایا۔ اصل میں ذرّہ عربی ہے۔ ذرّات جمع۔ تصرّفاتِ عجم سے مخفف ہوگیا تو کتابۃً ذرا درست۔ فقط

[خط: 37]

مولوی برکت اللہ صاحب تمھارا اسباب لے گئے ہیں۔ تم اپنی ضرورت کی چیزوں سے مطلع رکھو۔ کتاب وغیرہ، جو کچھ درکار ہو، لکھ بھیجو، میں روانہ کردوں گا۔ تم جو چاہو فرمائشیں کیا کرو، میری صرف یہی ایک فرمائش ہے کہ تم پڑھو۔

---

215. جو کچھ خدا نے چاہا۔ اور قوت نہیں ہے مگر خدا کی مدد سے اور کافر قریب ہے کہ تجھ کو وعظ سنتے وقت اپنی نظروں سے ڈگادیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو دیوانہ ہے۔ یہ آیت دفعِ نظر کے لیے پڑھتے ہیں۔

216. مجلس

217. انجمن

218. چند در چند

219. پرمنفعت تجارت

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکار اند
تا تو نانے بکف آری وبغفلت نخوری
ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ وفرماں بردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

تم نے آخر اپنا فارسی خط تو درست کیا کہ ہاتھ سنبھال کر لکھتے ہو تو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ذرا سا لحاظ قاعدوں کا کرلو کہ کس طرح حروف کو ترکیب دیں تو اُور عمدگی پیدا ہو، لیکن انگریزی خط کو تم نے پیٹ بھر کر بگڑنے دیا۔ خوش خطی کوئی کمال نہیں مگر ہنر ہے، اور شروع میں تھوڑا سا اہتمام کرنے سے آدمی خوش خط ہوجاتا ہے، اور جب ہاتھ نے ایک رَوِش اختیار کر لی تو گھسیٹ میں بھی وہی شان باقی رہتی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ مجھ میں ہنرِ خوش خطی نہیں ہے، تو کیا ضرور ہے کہ تم میرے معائب ومَناقِص کی تقلید کرو۔ خُـذْمَـا صَـفَا وَ دَعْ مَـا كَـدِرَ.[220] اگر مجھ میں کوئی صفت ہے، خدا تم میں وہ صفت عَـلٰـىٰ وَجْـهِ الْكَمَال پیدا کرے۔ میرے عیوب سے خدا تم کو بچائے، آمین! ذرا انگریزی خط پر توجّہ کرو۔ اگر قلم، دوات، کاغذ عَـلٰـىٰ وَفْقِ الْمُرَاد نہیں، یہ چند پیسوں کی چیز ہے، اور ہنر اگر ہاتھ میں آگیا تو دولتِ لازوال ہے۔

گو تم کو اپنی والدہ سے عارضی ناخوشی ہو، لیکن بشیر! تم کو خدا نے عقل دی ہے، تم اُن کی پوری اطاعت کرو۔ ماں میں نمونہ شفقتِ الٰہی کا ہے، اور ماں باپ کے جو حقوق شارع نے قرار دیے ہیں، وہ حقیقت میں تلافی اُن احسانوں کی ہے جو ماں باپ اپنی اولاد پر کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ نقصانِ عقل کی وجہ سے تمھاری والدہ کبھی تم سے بے سبب ناخوش ہوں لیکن:

آں را کہ بجاے تست ہر دم کرمے
عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے

۲/ جولائی ۱۸۷۶ء

---

220. نتھرے ہوئے کو لے لو اور گدلے کو چھوڑ دو

[خط: 38]

مجھ کو تمھاری تین باتیں پسند آئیں۔ تم نے فارسی خط کچھ درست کیا، قرآنِ مجید پر تمھاری نظر ہے کہ اُس سے استشہاد کرتے ہو، یہ بڑی مفید چیز ہے۔ عبارتِ فارسی لکھنے پر قدرت پیدا کرتے جاتے ہو۔ اگر زبانِ انگریزی، گرامر، کمپوزشن اور علومِ ریاضی میں بھی اسی نسبت کے ساتھ توجہ کرو تو بس۔ اِس کو سمجھ لو کہ عربی فارسی لوگوں یعنی ابنائے جنس میں سرخ روئی پیدا کرنے کی چیز ہے، اور انگریزی تو بابافِیْ زَمَانِنَا ھٰذَا [221] رزق کی ڈوئی ہے۔ اگر انگریزی کو شرطِ رزق کہا جائے تو بجا۔ پس انگریزی کی طرف مزید توجہ لازم، اور ظاہرا تم یہ نہیں کرتے، اور برا کرتے ہو۔ اجی حضرت! انگریزی مؤل [222] اور عربی فارسی رذکھن۔ جتنی عربی فارسی تم اب جانتے ہو، دنیا کی کارروائی کو بہت ہے لیکن انگریزی کیا ہے ہیچ بدتر از ہیچ۔ اِس کو خدا کے لیے سمجھو۔ مصیبت یہ ہے کہ مجھ کو انگریزی نہیں آتی ورنہ تم غفلت نہیں کرنے پاتے۔

۳/ جولائی ۱۸۷۰ء

[خط: 39]

بشیر! اب میں سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملا ہوں۔ میں نے پادری صاحب سے بیبل [223] پڑھنی شروع کی ہے۔ افسوس کہ اُن کو ہفتے میں دو دن فرصت ہوتی ہے وہ بھی صرف ایک گھنٹہ، لیکن اتنا بھی خالی از منفعت نہ ہوگا۔ پہلے ہی سبق میں مجھ کو اپنی چند

221. ان دنوں

222. اصل راس المال

223. تورات وانجیل، کتابِ مقدس

غلطیوں پر تنبّہ ہوا۔

بشیر! کتنا کتنا میں نے تم کو لکھا، مگر تمھاری کوتاہ قلمی کا یہ حال ہے کہ ۸/ جولائی کے بعد سے تم نے مجھ کو خط نہیں لکھا، اور میرا حال یہ ہے کہ زندگی تو نہیں مگر عافیت تمھارے خط کے آنے پر منحصر ہے۔ ایک ہفتے سے سخت پریشان ہوں۔ سنو صاحب! اپنے ہزار کام بند کرو، مجھ کو بالالتزام ہفتے میں دو خط بھیج دیا کرو۔ الغرض یہ خط تم کو میں نے حالتِ اضطراب میں لکھا ہے، فوراً اِس کا جواب بھیجو، اور لکھو کہ وجہِ توقُّفِ مُراسلت کیا تھی۔

۱۱/ جولائی ۱۸۷۷ء

[خط: 40]

بشیرالدین احمد! بَارَکَ اللّٰهُ فِیْکَ۔[224]

خدا کی شان ہے، وہ شخص جو برسوں دہلی کو خط لکھنا نہ جانے، اب دہلی کے خط کو ترسے۔ میں تمھارے طرزِ مزاج سے خوب آگاہ ہوں، اور مطمئن ہوں کہ تم نے خط کا لکھنا اپنے ارادے سے بند نہیں کیا۔ عجب نہیں کہ تم کو وہاں کے عُقلا نے مُخبر یا نمّام[225] کہا ہے، اور تم نے اُس تہمت کا انتقام یوں لیا ہے۔ لیکن ترکِ مراسلت میں تم اپنا بڑا نقصان کر رہے ہو۔ آخر میں تم کو یہاں دور بیٹھا ہوا تعلیم نہیں کرسکتا، تاہم نیک صلاح تو دے سکتا ہوں۔ مجھ کو امید ہے کہ عربی کے اصلاحی خطوط فائدہ دیتے ہوں گے۔ انگریزی میں اصلاح نہیں، نہ سہی، صلاح کیا کم ہے۔ بس تم بہ قدرِ تعلّقِ تعلیم ترکِ مراسلت مت کرو۔ اگر عَلَیٰ وَفْقِ الْعَادَةِ الْمَعْهُوْدَة[226] تمھارے اصلاح طلب خطوط کا سلسلہ جاری

224. خدا تم میں برکت دے

225. چغل خور، سخن چیں

226. معمولی عادت کے موافق

رہے، مجھ کو رضامند رکھنے کے لیے کافی ہے۔ میں اُنھی خطوط سے تمھاری ذاتی خیروعافیت بھی مستنبط کرلیا کروں گا۔ تمھارے امتحانی سوالات کل میں نے واپس کردیے۔ سوالات کا واپس دینا ایک اچھا طریقہ ہے، اِس سے تم کو اپنی غلطیوں پر تنبُّہ ہوسکتا ہے۔ میں نے سیّد احمد خاں کے کالج کے کاغذات بھی تم کو بھیجے ہیں۔ اب سیّد احمد خاں نے پنشن لی اور بہ نفسِ نفیس مقیمِ علی گڑھ رہیں گے۔ ضرور ہے کہ اب اُس مدرسے کا انتظام یوماً فیوماً عمدہ ہوتا جائے۔ سیّد احمد خاں کو سکالرشپ[227] بہت مل گئے ہیں اور یہ جلبِ ترغیبات[228] کا اچھا ذریعہ ہے۔

مَـایُغْـنِیْـکَ فِیْ الصَّـرْف کے پُروف عن قریب آنے والے ہیں۔ میں اُن کو تمھارے پاس بھیجتا رہوں گا۔ مَایُغْنِیْـکَ اور تَوْضِیْحُ الْمَرَام کو اردو میں، لیکن غور سے سمجھ کر پڑھو، اور یاد رکھو تو صَرف ونحو میں کافی ہیں۔ پہلے امتحان میں جس مضمون میں برے رہے، اُس پر زیادہ توجہ کرو۔ مجھ کو اپنے لکھنے پڑھنے سے بے خبر مت رکھو کیوں کہ اُس کا گزند تمھاری طرف عائد ہوتا ہے۔

۳/ اگست ۱۸۷۶ء

[خط: 41]

میں نے نورشاہ کا خط بجنسہٖ بھیج دیا تھا، اور پوچھا تھا کہ جو کہو سو کروں۔ لیکن تم نے میرے استفسار کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا، اِس واسطے کہ مطلقاً مجھ کو خط لکھنا ہی غیرضروری ہو رہا ہے۔ اب محبّ اللہ نے اپنے والد کو لکھا ہے کہ اماں سخت محتاج ہے، اور نورشاہ بیمار، اور لڑکی کا نکاح در پیش۔ کچھ آپ دیجیے اور کچھ ڈپٹی صاحب سے

227. وظیفہ
228. رغبتوں کی کشش

دلوا دیجیے۔ میں نے تم کو لکھا، اور تم کو پہلے سے معلوم بھی ہوگا کہ اماں سے میں نے ایک طرح کا وعدہ ضرور کیا تھا، مگر وعدہ ایسے عام الفاظ میں تھا کہ میں نے کسی مقدار خاص کی تعیین نہیں کی، اور اُس میں فی الحقیقت یہ شرط معہود فِی الذِّھن[229] مضمر تھی کہ وہ اِنجازِ وَعد[230] کے وقت تک تم لوگوں کو رضامند رکھے؛ سو اُس دشمنِ عقل نے شاید ایسا نہیں کیا۔ اِس میں بھی شک نہیں کہ مِنْ حَیْثُ الْقَرَابَۃُ[231] اماں کو کچھ استحقاق نہیں، لیکن استحقاقِ تعارُف ہے۔

ع اِنَّ الْمَعَارِفَ فِیْ اَھْلِ النُّھَیٰ ذِمَمٌ.[232]

دہلی کے لوگوں سے اُس اطاعت اور وفاداری کی توقع رکھنا، جو یہاں کے نوکر کرتے ہیں، ایک توقع بے جا ہے؛ خصوصاً ہرجائی اور ہربابی جیسے اماں اور زیب النسا کہ یہ لوگ اپنی چرب زبانی سے شکم پروری کرتے ہیں اور کسی کے پابند نہیں۔ چاپلوسی اور خوشامد سے جہاں موقع ملا، کام نکال لیا۔ اگر اِن کا یہ شیوہ پیشِ نظر رکھو تو پھر اِن کی کوئی حرکت ناگوارِ طبع نہ گزرے۔ تم اپنی غلط فہمی سے توقعات پیدا کر لیتے ہو، اور جب خلافِ توقع کوئی امر پیش آتا ہے، تم کو برا لگتا ہے اور بے شک برا لگنا چاہیے۔ مولوی برکتُ اللہ ...روپیہ بھیجتے ہیں، میں نے بھی ... روپیہ دینے کو کہہ دیا ہے۔ سو بھائی! اگر بہ طیبِ خاطر تمھارا اور تمھاری والدہ کا جی چاہے تو دو، ورنہ خدا کے نام کا دینا ہے، جس کو زیادہ مستحق سمجھو بہ تفاریق یا یک مُشت اُس کو دو۔ اماں وغیرہ، گو یہ لوگ برے ہیں مگر میں یہ دیکھتا ہوں کہ اِسی برائی کے ساتھ انھوں نے اپنی عمریں تمھارے گھر یا کنبے میں بسر کر دیں، اور بہ وقتِ ضرورت خوش دلی یا بے دلی سے تمھارے شریکِ حال بھی یہی لوگ ہوتے ہیں۔ میں روپیہ تم کو دیتا ہوں کہ اِس کو راہِ خدا میں صَرف کرو اور مَصرَف اِس کا متعیّن نہیں

---

229. ذہن میں ٹھیری ہوئی

230. ایفائے وعدہ

231. قرابت کے لحاظ سے

232. جان پہچان کی بھی عقل مندوں کے درمیان ذمہ داریاں ہیں۔

کرتا۔ لیکن مجھ کو امّید ہے کہ اِس خط کے پہنچنے تک تم کو اماں خوشنود کر لے گی۔ والسّلام

۵/ اگست ۱۸۷۶ء

[خط: 42]

چھوٹی طلائی گھڑی[233] آج روانہ کی جاتی ہے۔ اگر چہ لوگ منع کرتے تھے کہ لڑکوں کو ایسی قیمتی چیز کا دینا مناسب نہیں، لیکن میں نے مضائقہ نہیں کیا؛ کیوں کہ تم لڑکے ہو لیکن خدا کے فضل سے بے تمیز بچّے نہیں ہو کہ گھڑی کی احتیاط یا حفاظت ضروری نہ کرسکو۔ دوسرے تمھاری جائز خواہشوں کا پورا نہ ہونا مجھ کو پسند نہیں۔ تم جانتے ہو کہ یہ گھڑی اگر بے قدر ہے تو صرف اِس سبب سے کہ مجھ کو مفت ملی ہے اور میں اِس کا اہل نہیں ہوں۔ جب یہ گھڑی نئی نئی مجھ کو ملی تو ہنڈرسن صاحب کلکٹر کان پور نے دیکھ کر کہا کہ کوک اینڈ کلوی[234] کی دُکان سے نا اقل[235] چھ سو روپے کو ملے گی، اور زنجیر پورے سَو کی نہیں تو مجموع کو فی الحال لا اقل پانسو کا مال سمجھو۔ چوں کہ مجھ کو شوق نہ تھا، میں نے نہ تو اِس کے لیے کوئی عمدہ خانہ بنوایا، نہ خوش نما غلاف سلوایا، اور نہ نفیس آویزے لٹکائے بلکہ کنجیاں میلی ہوگئی تھیں، اِتنا بھی نہ ہو سکا کہ اُنھی کو اُجلوا لیتا یا تجدیدِ ملمّع کراتا۔ مگر اِتنی احتیاط میں نے ضرور کی کہ اِس کو بگڑنے نہیں دیا۔ جدھر سے گھڑی کوکی جاتی ہے کھول کر دیکھو، دو سوراخ ہیں، ایک وسطِ دائرہ یا مرکزِ دائرے میں، اُس کی راہ گھڑی کا وقت ملایا جاتا ہے لیکن ضرور ہے کہ سوئی الٹی نہ پھرائی جائے، یعنی سوئیوں کی اصل رفتار نشان ۱۲ سے نشان ۱ و ۲ وغیرہ کی طرف ہے، تو گھڑی کے ملاتے وقت بھی سوئیاں اصل رفتار کے

233. یہ وہ گھڑی ہے جو انڈین پینل کوڈ کے ترجمے کے صلے میں مولوی نذیر احمد کو گورنمنٹ سے انعام ملی تھی پس وہ قیمتی ہونے کے علاوہ فخر کی چیز ہے۔

234. کلکتے کی ایک بڑی بھاری کمپنی جس کے ہاں ہر قسم کی اعلیٰ اعلیٰ گھڑیاں رہتی ہیں۔

235. کم سے کم۔

خلاف نہ چلائی جائیں ورنہ گھڑی کے پُرزوں میں فتور پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا سوراخ کوکنے کا ہے اور کوکنے میں الٹی کنجی دی جاتی ہے جس طرح ہم لوگ معمولی قفلوں کو بند کرتے ہیں؛ لیکن یاد رکھو کہ گھڑی کے ملانے میں ہمیشہ سیدھی کنجی دینی ہوتی ہے تاکہ سوئیوں کی رفتار الٹی نہ ہو، اِس کو غور سے سمجھو۔ لوگوں کی گھڑیاں دیکھو، اِن سوراخوں پر کنجی کے صدموں سے ایسے نشان پاؤ گے، جیسے بیلوں کے پٹھوں پر نشان آر کے۔ پر میری احتیاط پر آفرین کہو کہ ایسی جانچ سنبھال کے ساتھ کنجی پھیرتا تھا کہ دونوں سوراخ خدشہ وخراش سے محفوظ ہیں، اور یہ حالت کامل پندرہ برس کے استعمال کے بعد ہے۔

گھڑی کے متعلق چند باتیں یاد رکھنے کی ہیں، وہ یہ ہیں: اوّل، گھڑی کو حتی المقدور ہمیشہ ایک وقتِ معیّن پر کنجی دینا چاہیے، یعنی جس وقت آج کوکی ہے، دوسرے روز بھی اُسی وقت کوکی جائے۔ کنجی دینے کے لیے صبح کا وقت سب سے بہتر ہے۔ کنجی دیتے وقت دیکھ لینا چاہیے کہ کنجی گرد سے پاک ہے اور زنگ آلود نہیں ہے، اور وہ مُربّع کیل جس میں کنجی دی جاتی ہے، اُس میں کنجی کو برابر بھرپور بٹھانے کے بعد آہستہ آہستہ پھرائی جائے جب تک کہ از خود نہ رک جائے۔ دوم، گھڑی کو بے کار اور معطّل رکھ دینے سے خراب ہو جانے کا احتمال ہے؛ اگر استعمال نہ کرو تو بےضرورت بھی دوسرے تیسرے کنجی دے کر رکھ دیا کرو۔ سوم، کنجی دیتے وقت گھڑی کو مضبوط ایک ہاتھ سے پکڑو اور صرف کنجی کو پھراؤ، گھڑی کو پھرانا یا چکّر دینا یا جھٹکے دینا ضرور نہیں۔ چہارم، گھڑی کی جیب کو ہمیشہ گرد سے پاک رکھو۔ پنجم، جب گھڑی کسی کھونٹی سے لٹکائی جائے تو خیال رہے کہ وہ ہلتی نہ رہے بلکہ جمی ہوئی رہے۔ جب نیچے رکھی جائے تو خانے میں رکھو یا کسی نرم چیز پر۔ کتاب یا میز پر یا کسی سخت چیز پر رکھنے سے وائبریشن[236] ہوتی ہے۔ ششم، جب کبھی گھڑی کسی وجہ سے بند ہوجائے یا اُس کے صاف کرانے کی ضرورت ہو تو ضرور ہے کہ کسی معتبر، واقف کار درست کرنے والے کو دی جائے ورنہ عموماً یہ جھٹ بھیّے لوگ بہ سبب ناواقف ہونے

236. تھرتھراہٹ، لرزش

کے تمام ورکنگ[237] کو خراب کر کے گھڑی کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔

خانہ اور کنجیاں دو چیزیں خراب ہیں، اُن کو درست کرالو۔ گھڑی کو بازیچۂ طفلاں مت بناؤ بلکہ عاقلانہ طور پر کام لو۔ سوائے تمھارے کوئی اُس کو نہ چھوئے، کَـائِـنـاً مَّنْ کَانَ.[238] لوگوں میں مادّۂ حسد ایسا عام ہے کہ شاذ ونادر کوئی نفسِ قُدسی اِس سے بَری ہو تو ہو؛ پس دَفعُ العین کے لیے بے ضرورت حاسدین کو دکھانا لاحاصل ہے۔ مجھ کو یہ خوف نہیں کہ تم گھڑی کو بگاڑو گے، خوف یہ ہے کہ بہ اقتضاے شباب کہیں رکھ کر اٹھ کھڑے ہو گئے، ایسا نہ ہو دلّی کا کوئی عیار لے کر چلتا ہو۔ مدرّسے کے لڑکے شاید اب بھلے مانس ہوں، میرے زمانے میں کَـانَ اَکْثَـرُهُـمْ فَاسِقِیْنَ سَارِقِیْنَ کَاذِبِیْنَ.[239] تمھارا مکان جیسا کچھ غیر محفوظ ہے، مجھ کو معلوم۔ ایک دن پانچ وقت کی نماز پڑھ لینے سے تمھارے یہاں آدمی معصوم سمجھا جاتا ہے، اور حال یہ ہے:

اے بسا ابلیس آدم روے ہست

پس بہر دستے نباید داد دست

الغرض تا کہ کسی وقتِ آیندہ میں لوگ میری تحمیق نہ کریں، اِس متاعِ گراں مایہ کو ضائع مت کرو۔

[خط: 43]

تم نے خط میں یہ کیا لکھا تھا کہ اُقلیدس ۵۰، الجبرا ۳۰، حساب ۳۰۔ اگر اِس سے نمبر کامل مراد ہے تو لَا بَـاسَ بِـهٖ اور اگر وہ نمبر مراد ہے جو تم نے کامل نمبر سَو میں سے

237. کیل پرزے

238. کے باشد، کوئی ہو

239. اکثر ان میں فاسق، چور اور جھوٹے تھے

حاصل کیا تو افسوس! جبر ومقابلہ اور ہائے افسوس! حساب۔ اگر تم نے عربی اور اُقلیدِس میں پاس کیا تو مدح نہیں۔ یہ چیزیں تم نے یہاں سمجھ کر پڑھی تھیں مگر تم تو جبر ومقابلہ اور حساب بھی یہاں سمجھنے لگے تھے۔ تم زور لگاؤ اُدھر، جدھر ضعف پاؤ۔

یہ تم نے کس سے سنا تھا کہ میری تنخواہ میں اضافہ ہوا؟ اضافے کا نمبر نہیں۔ میور صاحب لفٹنٹ گورنر نہیں؛ تم کو فوراً تکذیب کرنی چاہیے تھی۔ اَھْلُ الْبَیْتِ اَبْصَرُ بِمَا فِیْ الْبَیْت.[240] حق یہ ہے کہ اب وہ ولولہ مجھ میں باقی نہیں، ورنہ دنیا دارُالاسباب ہے۔ چند در چند تدبیریں تھیں، مگر مجھ سے اب کچھ ہو نہیں سکتا۔

ع		جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

اب تمھارا وقت ہے۔

اگر پدر نتواند پسر تمام کند

آدمی کی ظاہری نمود کچھ بہ کار آمد نہیں، اصلی نمود ہنر اور لیاقت کی ہے۔ مجھ کو پوری امّید ہے کہ تم پر کسبِ ہنر کی ضرورت ثابت ہو چکی ہے۔ بس کسر اتنی ہے کہ اپنے وقت کو ضائع مت ہونے دو، اور اپنے اَقران واَمثال میں امتیاز پیدا کرو۔ جب تم کو کسی مضمون میں فیل ہوتا سنتا ہوں، میرا دل ٹوٹ جاتا ہے، اور سوچتا ہوں کہ کیا تدبیر کروں کہ تم کو وہ مضمون آ جائے۔

۲۱/ اگست ۱۸۷۷ء

[خط: 44]

تمھارے معاملات میں یہ بڑی مشکل ہے کہ اپنی ضرورتوں کی پیش بینی نہیں کرتے۔ چند روز ہوئے کہ گھڑی بھیجی گئی، اگر اُنھی دنوں میں معلوم ہوتا تو نوٹ گھڑی میں

240. گھر والے گھر کے حال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں

رکھ دیا جاتا۔ ابھی گھڑی کی رسید تک نہیں آئی کہ تم روپیہ طلب کرتے ہو۔ تم کو طلب کرنا آسان، مجھ کو بھیجنا مشکل۔ پانچ روپیہ کا نوٹ اِس خط میں ملفوف ہے۔ تم اپنی حوائجِ ضروری کا اندازہ کرکے ایک اوسط مقرّر کرو کہ اُسی حساب سے ایک مقدار کافی جمع کردی جائے کہ وہ بشیر فنڈ[241] ہو، اور تم وقتاً فوقتاً بہ اختیارِ خود اپنی تجویز سے اُس کو صَرف کیا کرو۔ جو روپیہ تمھاری تعلیم وآسایش میں صَرف ہو، مجھ کو ہرگز دریغ نہیں۔ میں صرف اِسی قدر کہتا ہوں کہ اپنی عادتوں کو مت بگڑنے دو۔ کوئی آدمی نہیں جان سکتا کہ اُس کو آیندہ کیسے اتفاقات پیش آئیں گے۔ اِس سے قطعِ نظر بگڑی ہوئی عادتیں عُسر ویُسر[242] دونوں حالتوں میں تکلیف دہ ہوتی ہیں۔

تم کو اِن دِنوں خبریں خوب پہنچنے لگی ہیں مگر غلط؛ ترقّی کو سنا وہ جھوٹ، رمضان علی کا حال جو دریافت ہوا وہ افترا۔ مجھ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ رمضان علی کہاں ہے، اور کس حال میں ہے۔ میرے ساتھ وہی اگلے کورنمک[243] ہیں۔ اب میری تکلیفیں انتہا کو پہنچیں۔ تمتعاتِ دُنیوی میں بس ایک کھانا تھا، اُس کا یہ حال ہے کہ کوئی ہفتہ فاقے سے خالی نہیں جاتا۔

ع بس جی چکے بہت ہم اب کیا کریں گے جی کر

گھڑی کے بارے میں مجھ کو چند باتیں اور لکھنے کی ہیں۔ دو کنجیاں دو مَصرَف جداگانہ رکھتی ہیں۔ ایک مرتبہ خوب پہچان لو کہ کون سی کنجی کس سوراخ کے لیے موضوع ہے تاکہ وَضۡعُ الشَّیۡءِ فِیۡ غَیۡرِ مَحَلِّهٖ[244] نہ کرسکو۔ جس طرف آئینہ ہے، اُسی طرف سے داخلِ گھڑی کھولا جاتا ہے۔ آئینہ ایک حلقے میں جڑا ہوا ہے، اور حلقے میں وہ جگہ باہر نکلی ہوئی ہے جس میں ناخن اڑا کر آئینے کو اُٹھا دیتے ہیں۔ اُس کے بعد دو فولادی نشان نیچے

241. خزانۂ بشیر، تحویلِ بشیر
242. تونگری ومفلسی
243. نمک حرام نوکر
244. چیز کو بے محل رکھنا

ہیں۔ ایک میں ناخن لگا کر اندر کو دبا دینے سے گھڑی خود بہ خود کھل جاتی ہے؛ کوئی ضرورت داخلِ گھڑی کے کھولنے کی نہیں۔ رگیولیٹر کو کبھی تیز یا سست کرنا پڑتا ہے اور وہ رگیولیٹر داخلِ گھڑی میں ہے۔ رگیولیٹر اُس پرزے کو کہتے ہیں جس سے گھڑی کی رفتار رگیولیٹ[245] کی جاتی ہے، اور وہ ایک لوہے کی سوئی ہے جس کے دونوں طرف درجے بنے ہوئے ہیں، اور ایک طرف ایس اور دوسری طرف ایف لکھا ہوا ہے، یعنی سلو[246] اور فاسٹ[247]۔ جب گھڑی سست چلنے لگتی ہے یا تیز ہوجاتی ہے تو اُس سے کام لیا جاتا ہے، مگر عموماً عمدہ گھڑیاں رگیولیٹ کی ہوئی ہوتی ہیں۔ تم داخلِ گھڑی کو بلاضرورتِ شدید مت کھولو، ورنہ گرد اور ذرّات اُس کے پُرزوں میں گھس جانے، اور سیل[248] اور اٗیٹما سفیئر[249] کے اثر سے گھڑی کے خراب ہوجانے کا احتمال ہے۔ سب سے زیادہ خطرناک بات گھڑی کی مرمّت ہے۔ چوں کہ گھڑی کے پرزے بہت نازک ہیں، ضرور ہے کہ ہر سال اُس میں واچ آئل[250] دیا جائے، یعنی صاف کرائی جائے تاکہ گرد وغیرہ سے صاف ہوجائے۔ مگر جہاں عمدہ صاف کرنے والے نہ ملیں، وہاں ایسے صاف کرانے سے گھڑی کا ناصاف ہی رہنا بہتر ہے۔ لوگ ایسے بدمعاملہ ہوتے ہیں کہ گھڑی کے عمدہ ولایتی پرزے بدل لیتے ہیں؛ اِسی واسطے محتاط لوگ گھڑی کا مرمّت کرانا پسند نہیں کرتے۔ بعض وقت گھڑی ساز اپنی کم فہمی اور ناواقفیت سے بھی پرزے بے ترکیب جمادیتے اور گھڑی کو تباہ بلکہ ازکاررفتہ کردیتے۔ ممکن ہے کہ تم اِن سب باتوں کو پہلے سے جانتے ہو لیکن بہ نظرِ مزید احتیاط مجھ کو لکھنا لازم تھا۔

...کو تم نے خطِ منظوم لکھا، اُس میں کثرت سے زحافات اور سکتات تھے، اور

245. ملائی اور درست کی جاتی ہے۔
246. سست
247. تیز
248. نمی
249. ہوائے جو ی
250. گھڑی میں ڈالنے کا تیل

بہت سے شعر ساقط الوزن۔ افسوس ہے کہ تمھاری طبیعت ناموزوں واقع ہوئی ہے، اُس کی تدبیر کرو؛ یہ عیب شاید مُتوارث ہے۔ ناھیال میں تمھارے نانا صاحب کو وزن کا مطلق امتیاز نہیں اور... کا بھی یہی حال ہے۔ اساتذہ نے اوزانِ اشعار کو منضبط کر دیا ہے، ہر خاص وزن بحر کہلاتا ہے، اُس میں ف، ع، ل میں کلمات مقرّر ہیں، مثلاً فعولن، مفعول، مستفعلن، فاعلن، متفاعلن، فع، فعلاتن، فاعلاتن۔ تسیم کا یہ مصرع: ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری؛ اِس کی بحر ہے: مفعول مفاعلن فعولن، جس کی تقطیع یا توزین یوں ہے:

ہر شاخ = مفعول، م ہے شگو = مفاعلن، فہ کاری = فعولن۔ اِس طرح ہر ہر مصرع کو تقطیع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں وزن بگڑا، اور جن کو خدا نے طبیعت کی مناسبت عطا فرمائی ہے، وہ ایک مرتبہ پڑھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ یہاں سکتہ یا زحاف ہے۔

شعرے گویم بہ از آبِ حیات
من ندانم فاعلاتن فاعلات

شعر ایک شعبۂ موسیقی ہے جس میں تال اور سَم سب موجود ہیں۔ تم نے وزن پر خیال نہیں کیا۔ اب سے اِس کا خیال رکھو تو چند روز میں بحروں کی لے ذہن نشین ہو جائے گی، مگر یاد رکھو کہ ناموزونی ایک بڑا سخت عیب ہے۔

فارسی میں شاید یہ عمدہ تدبیر ہے کہ مولوی امام بخش صہبائی نے مینا بازار، پنج رقعہ، نثرِ ظہوری کی شرحیں لکھی ہیں۔ میں نے یہ کتابیں دیکھی تھیں، فی الواقع بڑی عمدہ ہیں۔ اگر اِن کتابوں پر ایک نظرِ محققانہ ہو جائے تو فارسی میں استعدادِ متعارف حاصل کرنے کو کافی ہے۔ اگر تم کچھ فارسی دیکھنے کی فرصت پاتے ہو تو اُنھی کتابوں کو دیکھو، اور جب مناسبت پیدا ہوگئی تو بے تخصیصِ کتاب آدمی اَخذِ مفہوم کر لیا کرتا ہے۔

مَشاغل متعدّد اور وقت محدود؛ پس وقت کے انتظام میں اَلْاَقْـدَمُ فَالْاَقْدَمُ[251] کا قاعدہ برتنا چاہیے، یعنی مَشاغل میں تقدّم و تاخّر ٹھیرالو، مثلاً اوّل انگریزی، اُس میں بھی مقدّم زبان پھر سائنس، اور انگریزی کے بعد عربی اور سب سے آخر میں فارسی۔

251. پہلے وہ جو سب پر مقدم ہے پھر وہ جو اس سے کم ہے وعلیٰ ہذا

شاید تمھاری کلاس میں بھی سکالرشپ ہوں گے۔ ہر چند مِنْ حَیْثُ الْمَالِیَّتْ [252] اِس کی طمع نہیں کرنی چاہیے، لیکن اِس اعتبار سے کہ سکالرشپ ایک علامتِ امتیاز ہے، وہ ایک قدر کی چیز ہے، اور اُس کے حاصل کرنے میں جہاں تک ہو سکے سعی کرو۔

غالب ہے کہ تم نے منطق شروع کی ہوگی، یا عن قریب شروع کرنے والے ہوگے۔ اب کے بڑے دن کے واسطے بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ملکۂ معظمہ نے خطابِ قیصرۂ ہند لیا جس کی یادگار کے لیے دہلی میں عمائدالہند کا اجتماع ہوگا۔ مَـا لَا عَیْـنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ۔ [253]

بابو شیو پرشاد صاحب کی انگریزی ایسپس فیبل [254] شاید تمھارے ساتھ چلی گئی ہے۔ تلاش کی، نہیں ملی۔ یہ وہ کتاب حکایاتِ لقمان ہے جس میں سے چند حکایتوں کا ترجمہ حسبِ خواہشِ بابو شیو پرشاد صاحب میں نے کیا۔ بابو صاحب اپنی انگریزی کتاب مانگتے ہیں، اطلاع دو کہ تمھارے پاس ہے یا نہیں۔

۲۵/ اگست ۱۸۷۷ء

[خط: 45]

گھڑی کی رسید میں جو خط تم نے لکھا، اُس میں یہ بھی پوچھا تھا کہ زنجیر طلائی ہے یا ملمّع؛ سو میرے علم ویقین میں وہ ضرور طلائی ہے، اِس واسطے کہ ایک معتبر آدمی نے ایک معتبر دُکان سے مول لی ہے، اور پورے دام دیے ہیں۔ یہ ایک مشہور بات ہے کہ انگریز طلاے خالص کا استعمال نہیں کرتے۔ لوگ، جن کو انگریزوں کی نسبت بدگمانی ہے، اِس کو

---

252. مالیت کے لحاظ سے

253. جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ اقتباس ہے حدیث سے۔

254. حکایاتِ لقمانیہ

مکر و خدیعت پر محمول کرتے ،لیکن بات یہ ہے کہ خالص سونا اِس قدر نرم ہوتا ہے کہ وہ زحمتِ نقش ونگار کا متحمل نہیں ہوسکتا؛ اِس مصلحت سے، اور ٹانکے کی غرض سے اُس میں آمیزش کرنے کی ضرورت واقع ہوتی ہے، پس تمھاری زنجیر کا سونا بھی اِس اعتبار سے کھوٹا ہے۔

۱۷/ستمبر ۱۸۷ء

[خط: 46]

اب تم کو ایک برس دہلی میں ہونے آیا۔تم جانتے ہو کہ ایک برس میں کس قدر وسعت ہوتی ہے۔ مجھے خیال ہے کہ شاید تم نے شرح مُلّا بالاستیعاب ایک برس میں پڑھ لی تھی۔ گو تم نے جیسا چاہیے،نہیں پڑھا لیکن ورقاً ورقاً نظر کرنے کو بھی وقت درکار ہے۔ اب تم سوچو کہ تم نے اِس برس میں کیا کیا؟ عربی میں تم نے ایک انچ ترقی نہیں کی، اور چوں کہ تم کو خود بے قرارانہ شوق نہ تھا، چندے یہ حیلہ رہا کہ استاد نہیں۔ آخر کار مولوی احمد حسن ملے تو اب تم کو ضیقِ[255] وقت اور بُعد[256] کا حیلہ ہے،لیکن اگر صرف تعطیل کے دنوں میں تم نے اکتساب کا شغل کیا ہوتا تو بھی ایک مناسبت ہو جاتی۔ دوری کے واسطے سواری کا انتظام کرو۔تم کو تامّل ہوتا ہے کہ میں اِس خرچ کو پسند نہیں کروں گا، حال آں کہ میں ایسے مَصارِف کو اُکل وشُرب[257] کے مَصارف پر بھی مقدّم رکھتا ہوں، اِس واسطے کہ تحصیلِ علم میں جو خرچ کیا جائے گا، آگے چل کر تم کو اَضعافاً مضاعفہ ملنے والا ہے۔ اگر تم اِس برس یہاں ہوتے تو میں یقین کرتا ہوں کہ تنگی نکل جاتی۔ اُقلیدِس، حساب، جبرومقابلہ

255. تنگی

256. دوری

257. کھانے پینے

سب کا حال مثلِ عربی ہے۔ رہی انگریزی، میں نہیں جانتا کہ تم نے کتنا فائدہ جمع کیا ہے؛ اِس کا فیصلہ تم مجھ سے بہتر کر سکتے ہو۔

بشیر! جہاں تک میں غور کرتا ہوں، دنیا میں اپنے رہنے کی ضرورت نہیں دیکھتا، اور نہ دنیا میں کوئی کام مجھے کرنے کو ہے، نہ اب کوئی نیا علم میں حاصل کرسکتا، اور نہ اب وہ اگلے وَلوَلے میری طبیعت میں باقی ہیں۔ رہی خداپرستی، اِس سے تو میں کوسوں دور رہا ہوں۔ پس دنیا کا کام اگر ہے تو یہ کہ تم میرے جیتے جی پڑھ لکھ کر فراغ حاصل کرو کہ میں تمھاری طرف سے حسرت لے کر نہ مروں، اور مرتے وقت مجھ کو اِس کی تسلّی رہے کہ میرے بعد تم کو مطمئن زندگی کرنے کا سامان مہیّا ہے۔ میرے معدے میں ایسے فسادات ہوگئے ہیں کہ یوماً فیوماً زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ اور یہی حال ہے زندگی کا کہ خود یہ خود اِس کُل میں کچھ بگاڑ پڑتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن بند ہوجاتی ہے۔ تم اگر اَور کسی غرض اور مطلب سے پڑھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تو یہ مطلب کیا کم ہے کہ مجھ کو اپنے اخیر وقت میں اِس تصوّر سے کہ تم نے پڑھا، اور خوب پڑھا، بڑی مسرّت پہنچے گی۔

تمھاری والدہ اگر نہیں آئیں تو اِس میں کوئی مصلحت مضمر ہوگی۔ عجب حالت ہے دنیا اور اہلِ دنیا کی کہ چند روزہ اجتماع میں بھی یہ لوگ ایک دوسرے سے مُلول ہوجاتے، حال آں کہ افتراق ایک دن ضرور ہوتا ہے۔ متنبّی نے کیا اچھا کہا ہے:

وَلَقَدْ عَلِمْنَا اَنَّنَا سَنُطِيْعُهٗ
لَمَّا عَلِمْنَا اَنَّنَا لَانَخْلُدُ[258]

یعنی یہ تو ہم پہلے ہی سے سمجھے بیٹھے تھے کہ ایک نہ ایک دن مفارقت ہونی ہے کیوں کہ ہم کو دنیا میں قیامِ خلود[259] نہیں۔ بشیر! تم دِلّی والوں کے جھگڑوں میں اپنے تئیں مبتلا مت کرو۔ ایک موٹی بات تمھارے سمجھنے کو بس ہے کہ تم سے علم وعقل و تجربہ وعمر سب باتیں مجھ میں زیادہ ہیں، لیکن میں اُن کے معاملات کے سلجھانے پر قادر نہیں ہوسکا۔

258. جب ہم کو یہ معلوم ہے کہ دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں تو پھر خدا کا شکر ماننا ہی ضرور ہے
259. ہمیشہ رہنا

اگر تسلّی ہے تو اِس میں ہے کہ بہت گزر گئی، تھوڑی سی رہ گئی ہے؛ خدا اِس کو بھی آبرو کے ساتھ گزار دے، اور خاتمہ بہ خیر کرے! اِس تنہائی میں بھی ایک راحت ہے۔ اتنا سمجھ لیا ہے کہ نوکروں پر بے اعتمادی نہیں کرنی چاہیے، اور نہ اِن لوگوں سے خصوص واختصاص کا متوقع ہونا مناسب ہے۔ روپیہ کچھ زیادہ خرچ ہوجاتا لیکن یہ لوگ مجھ کو آرام دینا چاہتے ہیں۔ رہا وقت، اُس کو عمدہ طور پر صَرف کرنا مشکل ہے۔ غرض انسان کے دل کو خدا نے کچھ ایسا بنایا ہے کہ جس حالت سے وہ خوگر کیا جاتا، اُسی میں رضامند ہوجاتا ہے۔

رنج سے خوگر ہوا انساں، تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

البتہ اِس کی خبر رکھو کہ تم لوگ خرچ کی طرف سے تکلیف مت اٹھاؤ۔ جب خدا نے دیا ہے تو اُس سے مُتمتّع نہ ہونا بھی ایک طرح کی ناشکری ہے۔ اب خدا کے فضل سے ایک مقدارِ مُعتدٌ بہٖ موجود ہے۔ کاوش کرنے کی ضرورت نہیں۔ بڑی دولت تو تم ہو، خدا تم کو زندہ وسلامت رکھے، اور توفیقِ نیک دے!

تمھارے ہم عمروں کا یہ حال ہے کہ واحد علی نے آخر رودھو کر باپ سے بنارس جانے کی اجازت لی۔ بلامبالغہ ساری ساری رات اُس لڑکے کو پڑھتے گزر جاتی ہے۔ یہ حاجی جی کی خوش قسمتی ہے، اور جانے کی کیفیت یہ کہ تنہا۔ اور جب پوچھا کہ ''واحد علی! کیا کروگے؟'' تو ہشاش بشاش جواب دیا کہ'' جب بھوک معلوم ہوگی، بازار سے لے کر کچھ کھالیا کروں گا''شوق اِس درجے کو پہنچا ہے کہ کھانے کی ضرورت سے بھی اُس کو قطعِ نظر ہے۔ وَذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ۔ ۔...کا حال پڑھنے میں گو واحد علی کا سانہیں مگر مناسبِ حالت اچھا ہے۔ لیتھبرج ہسٹری[260] تک پہنچا، اور اُس کو سمجھ بھی لیتا ہے۔ اُس کو خود پسندی اور خویشتن ستائی اُچکاتی ہے۔ اب بے باکی یہاں تک پہنچی کہ کِرانی، انگریز، بابو جس کو دیکھا، بھڑ گیا۔ دوسرے کی سنتا نہیں اپنی ہانک چلا۔ اب کے سالانہ امتحان کے لیے ہر ایک سبجکٹ میں ایسی تیاری کرو کہ تمام کلاس میں سب سے بہتر رہو۔

260. لتھبرج صاحب کی تاریخ[ترجمہ]

جن چیزوں میں تم کم رہتے ہو، اُنھی پر زور لگاؤ؛ اگلے سال مع الخیر سکنڈ کلاس میں جانا چاہیے۔

۳۰/ستمبر ۱۸۷۱ء

[خط: 47]

سَلَامٌ کَعُوْدِ الْهِنْدِ اَوْ کَعَبِیْر

عَلَی الْوَلَدِ الْبَرِّ الرَّشِیْدِ بَشِیْر

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَبْطَأَ عَلَیَّ کِتَابُکَ فَمَا جَوَابُکَ. وَ اَمَّا الْاِعْتِذَارُ بِالصَّوْمِ. فَلا یَعْصِمُکَ مِنَ اللَّوْمِ لِاَنَّهُ وَاِنْ اخْتَلَّ بِهِ الْاَوْقَاتُ. لٰکِنَّهُ یَزِیْدُ فِی الْفَرَاغِ وَیُطِیْلُ السَّاعَاتِ. سِیَّمَا النَّهَار فَاِنَّ لَهُ طُوْلاً لا یَکَادُ یَزُوْلُ. وَلَوْ وَافَقَهُ الشِّتَاءُ مِنْ بَیْنِ الْفُصُوْلِ. فَلا اَقَلَّ مِنْ رُقْعَةٍ مَرْفُوْعَةٍ. مَرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ فِیْ کُلِّ اُسْبُوْعَةٍ. وَاَمَّا اِرْسَالُ الْحِکَایَاتِ اللُّقْمَانِیَّةِ اِلٰی رَاجَهْ شِیُوْ بَرْشَادْ فَلا بُدَّ لِیْ مِنَ الْاِطِّلَاعِ عَلَیْهِ قَبْلَ اَنْ یَاتِیَنِیْ غَرَّهُمُ الطَّلَبُ مِنْ لَدَیْهِ. وَ نَحْنُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بَعْدَ شَهْرِنَا هٰذَا الرَّاحِلُوْنَ اِلٰی سِکَنْدَرْ بُوْرْ. وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ. وَالسَّنَةُ کَمَا تَعْلَمُوْنَ لَمْ یَبْقَ مِنْهَا اِلَّا شَهْرَانِ. فَاسْتَعِدُّوْا لِلْاِمْتِحَانِ وَ لَنِعْمَ مَا قِیْلَ وَ قَدْ جَرٰی بِهِ التَّمْثِیْلُ. عِنْدَ الْاِمْتِحَانِ یُکْرَمُ الرَّجُلُ اَوْ یُهَانُ. فَیَاخَیْبَةَ مَنْ نَسِیَ مَا فِی الْکِتَابِ وَ لَمْ یُحْسِنِ الْجَوَابَ فَضَلَّ وَ ذَلَّ وَصَغُرَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ وَ قَلَّ. وَاَنَا اَرْجُوْا زِیَارَتَکُمْ فِیْ زَمَانِ التَّعْطِیْلِ. وَاللّٰهُ حَسْبِیْ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ. هٰذَا وَ نَحْنُ بِفَضْلِ اللّٰهِ فِیْ اَطْیَبِ حَالٍ وَعَیْشٍ عَنِ الْمَکْرُوْهَاتِ خَالٍ وَنَظُنُّ بِکُمْ کَذٰلِکَ هَدَاکُمُ اللّٰهُ اَقْوَمَ

اَلْمَسَالِکَ. وَالسَّلَامُ وَ عَلَیْہِ خَتْمُ الْکَلَامِ.[261]

عادت یوں پڑ گئی ہے کہ شب کو دو اور تین کے بیچ میں اکثر آنکھ کھل جاتی ہے، اور کبھی نہیں بھی کھلتی؛ طوعاً کرہاً جاگنا پڑتا ہے اور پھر قصد بھی کرتا ہوں تو نیند نہیں آتی۔ پس سحر کے بعد کچھ کتاب بینی کرتا ہوں۔ آج شاید گھڑی غلط چلی کہ دیر سے بیٹھا ہوں مگر اِسفارِ صبح[262] نہیں ہوا۔ جی میں آیا کہ تم کو خط لکھوں۔ عربی کی سطریں میں نے غور سے نہیں لکھیں۔ امید ہے کہ تم بہ آسانی سمجھو گے، یا شاید ایک دو جگہ لغت کی طرف رُجوع کرنے کی ضرورت ہو۔ بڑے دن کی تعطیل میں آنا ہوا تو انشاء اللہ ایک امتحان تمھارا میں لوں گا۔ اور اگر ثابت ہوگا کہ تم نے وقت سے استفادہ کیا تو تم کو انعام بھی ملے گا۔

۱۳/ اکتوبر ۱۸۷۶ء

---

261. صالح اور شائستہ لڑکے بشیر کو عودِ ہند اور بجیر کا سا سلام۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ تمھارے خط کے آنے میں دیر ہوئی، اس دیر کا کیا جواب رکھتے ہو۔ اگر روزوں کا عذر ہو تو یہ الزام سے بچانے کو کافی نہیں، کیوں کہ اگر چہ روزے اوقات میں خلل ڈالتے ہیں لیکن فراغ خاطر بڑھاتے ہیں اور اوقات میں وسعت پیدا کر دیتے ہیں، خصوصاً دن کہ وہ تو ایسا پہاڑ ہو جاتا ہے جیسے سر سے ٹلے ہی گا نہیں۔ اگر چہ موسم جاڑوں ہی کا کیوں نہ ہو۔ پس مناسب ہے کہ کم سے کم قلم برداشتہ ایک رقعہ ہفتے میں ایک بار یا دو بار لکھ کر بھیج دیا کرو۔ رہا حکایات لقمانیہ کا راجہ شیو پرشاد صاحب کی خدمت میں بھیجنا اس کے متعلق یہ ہے کہ قبل اس کے کہ ان کے پاس سے پیادۂ طلب آئے مجھ کو اس کی روانگی کی اطلاع ضرور مل جائے۔ ہم اس مہینے کے بعد سکندر پور جائیں گے اور انجام کار خدا کے ہاتھ میں ہے۔ سال کے صرف دو مہینے رہ گئے ہیں جیسا کہ [تم کو] معلوم ہے پس امتحان کے لیے ابھی سے تیاری کر چلو اور کیا خوب کسی نے کہا ہے جواب ضرب المثل کی طرح زباں زد ہے کہ تعظیم و توہین وقتِ امتحان کی معتبر ہے۔ پس اس وقت کیا خرابی ہے اس کی جو کتاب کی باتیں بھول گیا اور اچھا جواب نہ دے سکا، پس بکنے لگا اور رسوائی کھینچی اور لوگوں کی نظروں میں ہیٹا ہوا اور گھٹ گیا۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ تم لوگوں سے تعطیل میں ملوں گا اور خدا میرے لیے کافی ہے اور وہ بھروسا کرنے کے لیے کیا اچھا ہے۔ یہ تو ہوا اور ہم لوگ خدا کے فضل سے بہت اچھے حال میں ہیں اور مکروہات سے پاک زندگی ہے اور گمان کرتے ہیں کہ تم لوگ بھی ایسے ہی ہوگے۔ خدا تمھیں راہِ راست دکھائے۔ آگے سلام اور اسی پر ختمِ کلام۔

262. تڑکا، پو پھٹنا

[خط: 48]

اگر قدرتی گھڑی، جس کے ذریعے سے ساری دنیا کے گھڑی گھنٹے ٹھیک کیے جاتے ہیں، یعنی آفتاب اور اُس کا سایہ تمھارے حفظِ اوقات کو کافی نہیں، اور اَبر و باد کے دنوں میں وہ قدرتی گھڑی معطل رہ سکتی ہے تو چوک کا بڑا گھنٹا خبردار کرنے کو کافی ہے؛ لیکن مشکل ہے کہ جہاں لڑکے اور لڑکیوں کے غُل میں کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی، دور کا گھنٹا کیا سن پڑے گا۔ تم کو معلوم ہے کہ میرے پاس دو گھڑیاں ہیں اور دونوں بے کار۔ نہ تمھاری طرح مجھ کو حفظِ اوقات کی زیادہ ضرورت ہے، اور نہ مردانہ زیور کی طرح مجھ کو اِن چیزوں کے استعمال کا شوق۔ میری بدسلیقگی نے اِن چیزوں کو ویسا ہی خراب کر دیا ہوگا جیسا اُرگن باجا۔ ایک جیبی گھڑی تو تم کو روانہ کر دی گئی، فرماؤ تو کیرج کلاک[263] یعنی بڑی گھڑی بھی بھیج دی جائے۔ ہرچند ڈاک میں بھیجنا خالی از خطر نہیں لیکن آخر ہزاروں لاکھوں گھڑی گھنٹے آتے جاتے ہیں، حتی الوسع احتیاط کی جائے گی؛ یا اگر یہ شق پسندِ خاطر نہیں، اور اپنا ہی گھنٹا بالتخصیص منظور ہے تو بازار سے مول لیجیے۔ غالباً تم کو کلاک درکار ہوگا۔ بازاری کلاک پہلے پندرہ بیس کو بکتے تھے، پچھلے دنوں ایسے سستے ہوئے کہ دس بارہ کو؛ اب بھی اِتنے ہی کو ملتے ہوں گے، ایک لے لو۔ تحقیق کر کے لکھو کہ اچھا گھنٹا، جس کے کیل پُرزے خوب مستحکم ہوں، اور کسی نامی کاریگر کا بنایا ہوا ہو، کتنے کو ملے گا؟ سچ کہا ہے: گراں بہ حکمت، اَرزاں بہ علت۔ اِن کم بخت کم قیمت گھنٹوں میں بڑا عیب یہ ہے کہ گھڑی گھڑی بگڑا کرتے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ میں تمھارے اِس خیال پر معترض ہوں؛ ایسے خیالات ہوا ہی کرتے ہیں، اور خدا نے مقدور دیا ہے تو اِن کو پورا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ خلاصہ یہ

263. اس سے شاید وہ ٹائم پیس مراد ہوگی جو سر ولیم میور لفٹنٹ گورنر نے مولوی نذیر احمد صاحب کو مرآۃ العروس کی تصنیف کے صلے میں اپنی جیب خاص سے دی تھی۔ [اور افسوس ہے کہ چند سال ہوئے کہ وہ ریل میں جاتی رہی۔]

کہ مجھ کو اِس خصوص میں خرچ کی پروانہیں ۔ میں بہ طیبِ خاطر تم کو روپیہ دوں گا بلکہ جی میں آیا کہ ابھی بھیج دوں، پھر سوچا کہ پہلے پوچھ لوں کہ میری گھڑی پر دانت ہے یا بازار سے اپنی چیز لینے کا شوق ہے۔ یہ چھیڑ کے لفظ دل سے نہیں ہیں، تحریر کی شوخی ہے۔

مولوی احمد حسن کا دہلی میں ہونا تم اپنے لیے بس غنیمت سمجھو۔ مولوی احمد حسن کی معلومات چاہے علمِ ادب میں کم ہو، مگر اُن کی استعداد اچھی ہے۔ بے شک نفحۃ الیمن اگر تحقیق سے پڑھی جائے تو اچھی کتاب ہے۔ اگر چہ میں اُس کو بہت اچھی کیا بلکہ اچھی بھی نہیں کہتا، لیکن اچھا برا ہونا امر اضافی ہے۔ وہ اچھی ہے مُبتدی کے لیے، بُری ہے بلکہ بہت بُری مُنتہی کے لیے۔ لیکن کیوں جی میاں بشیر! نفحۃ الیمن پڑھو گے یا منطق؟ میرے نزدیک تو منطق کے چار پانچ رسالے نکال لیتے تو اچھا تھا۔ کم بخت ہندوستانیوں میں اِس کی بڑی ضرورت ہے، اگر لینی چاہو تو مولوی احمد حسن سے تم کو بڑی مدد مل سکتی ہے۔ تم اُن سے وہی فائدہ حاصل کر سکتے ہو جو مجھ سے کرتے۔

سنو صاحب! انگریزی تو سب پر مقدّم ہے، اور انگریزی کے بعد عربی، اس واسطے کہ نِرے انگریزی داں بہوت، غیر مہذّب دیکھے جاتے ہیں۔ رہی فارسی، وہ تو نِری زبان ہے۔ ممکن نہیں کہ آدمی کل علوم میں کمال حاصل کرے۔ جتنے کاملِ فن ہوتے ہیں وہ یک فنے بھی ہوتے ہیں۔ پس آدمی پہلے اپنی طبیعت کا موازنہ کرے کہ کدھر راغب ہے۔ جس طرف رغبتِ صادقہ ہے، بس وہی چیز آدمی خوب کرے گا۔ لیکن ابھی کمال کا کیا مذکور ہے، یہ امتحان کے مرحلے طے ہوں تب کمال سے بحث کی جائے۔ اے کاش! تم پر کسی طرح یہ ظاہر ہو جاتا کہ تمھارا لیاقت پیدا کرنا کہاں تک میرے دل کو لگا ہے۔ میری تمنّا ہے کہ تم یونیورسٹی سے بی۔اے۔ کی ڈگری حاصل کرو۔ تم کو خدا کے فضل سے معاش کی طرف سے فراغِ کامل حاصل ہے۔ پس اے بشیر! اے پیارے بشیر! پڑھو، اور دنیا میں نام و نمود پیدا کرو۔ یہ علم جو تم پڑھ رہے ہو، دنیا و دین دونوں کی اصلاح کا ذریعہ ہے۔ خدا تم کو علم نصیب کرے!

تم خرچ اور روپیہ کی طرف سے پروا مت کرو۔ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ[264] مجھ کو تم سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں۔ دنیا میں اب یہی ایک آرزو باقی ہے کہ تم کو خدا لائق کرے! اور شاید اِسی خوشی کے لیے میں زندہ رکھا گیا ہوں، ورنہ جہاں تک غور کرتا ہوں، دنیا میں اپنے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں پاتا۔

ذکی سے تم ادب وعربیّت کے سوال ناحق پوچھتے ہو، وہ صرف ہدایۃ النحو پڑھتا ہے، تم اُس سے لاکھ درجے بہتر پڑھتے تھے۔ چندے مولوی ظہیرالدّین نے زبردستی جو کچھ بتا دیا تھا، وہی اُس کا سرمایہ ہے۔اب مولوی صاحب معدومُ البصر ہوئے، اِن سب کو پوری آزادی ملی۔ ...صاحب اپنے بچّوں کے زیادہ خبر گیر رہتے ہیں۔ اِس سے اُن کا پڑھنا چلا جاتا ہے، مگر کب تک؟ دوچار برس بعد یہ دونوں بھی بلائے روزگار ہوں گے۔ جتنا کر رہے ہیں یہ بھی غنیمت ہے، ورنہ اِن لوگوں کو علم سے کیا مناسبت؟ لیکن بشیر! تمھارا اَور حال ہے۔ یہاں برخوردار! علم نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں؛ اور... فخرِ خاندان اب ہیں مگر تم کہو کہ تم بھی ایسا خیال کرسکتے ہو؟ اِن لوگوں کے ساتھ اپنی حالت کا مقابلہ مت کیا کرو؛ اِن سے بہتر ہونا بھی میرے نزدیک عیب ہے۔ یہ بے چارے کیا تھے، اور کیا ہیں، اور کیا ہوں گے۔ جب یہاں کے لڑکوں کا تم سے تذکرہ کیا جائے تو تم اِن کی حالتوں پر بھی نظر کیا کرو کہ اِن کی کیا حالت ہے، کیسے خاندان کے ہیں، کس طرح کی بے سامانی ہے۔ کچھ تو خدا کو اِن سے بڑا کام لینا ہے کہ اِن کو ایسا شوق دیا ہے۔

ہر کسے را بہرِ کارے ساختند
مَیلِ آں اندر دلش انداختند

دیکھو، امتحانِ سالانہ کے لیے کامل تیاری کرو کہ ہر طرف سے آفرین اور تحسین کا شور ہو، اور ہر چیز میں پورے نمبر ملیں۔ تمھارے پڑھنے کی طرف میرا ایسا خیال لگا رہتا ہے کہ جب تم کو یاد کرتا ہوں، ساتھ ہی یہ بھی تصوّر کرتا ہوں کہ کیوں کر بشیر کو نامی اور گرامی دیکھوں گا۔

264. قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کتبِ احادیث میں یہ قسم اکثر آئی ہے۔

بڑے دن کی تعطیل میں دہلی آنے کا مصمم ارادہ ہے۔ صرف ایک خدشہ یہ گزرتا ہے کہ اِس دفعہ ایسا ہجوم ہوگا کہ لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ. اخبار سے معلوم ہوا کہ ٹامس صاحب کی کوٹھی جہاں نما نظامِ حیدرآباد نے ساٹھ ہزار روپے پر کرایہ لی، جب کہ اُس کا معمولی کرایہ زیادہ سے زیادہ چار ہزار سال تھا۔ اور لوگوں نے ابھی سے قطب صاحب تک مکان روک لیے ہیں۔ ایسے اِزدحام میں سفر خالی از زحمت نہیں، مگر تم کو دیکھنا اور تمھاری استعداد کا امتحان لینا ضروری ہے، جس طرح بَن پڑے گا آؤں گا۔

عربی کا خط جس کو میں نے بعد الاصلاح واپس کیا، مجھ کو خیال آتا ہے کہ ایک غلطی لکھنے سے رہ گئی۔ وہ یہ کہ تم نے اپنے خط کو یوں شروع کیا: اِلَی الْجَنَابِ الْفَلَانِ مِنْ فَلَانْ اور چاہیے: مِنْ فَلَانٍ اِلٰی فَلَانْ. کیوں کہ مِنْ ابتداے غایت کے لیے ہے، اور اِلٰی انتہاے غایت کے واسطے؛ اور ابتدا پہلے ہے انتہا سے۔ اور قاعدہ ہے کہ چیزوں میں جو ترتیب قدرتی ہے، تحریر میں اُس کا لحاظ ضرور ہے، جیسے: 'فرام ٹاپ ٹو فٹ'[265] اِس کو اگر الٹا لکھو' فرام فٹ ٹو ٹاپ' تو غلط ہوگا۔ تمھارے خطوط میں بہت سی غلطیاں سہل انگاری سے رہ جاتی ہیں۔ اگر بہ تامّل نظرِ ثانی کرلیا کرو تو ضرور تم خود اُن کو درست کرلیا کرو۔ انگریزی میں جو کچھ فائدہ تم کو حاصل ہوتا ہو، میں اُس کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتا، لیکن اتنا تو ہے کہ تمھاری عربی گرتی جاتی ہے۔ جو میرا فرض ہے، میں نے ادا کیا، اور کرتا جاتا ہوں، اِس واسطے کہ بے ادا کیے مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ خدا کرے تم کو بھی اس کا خیال ہو کہ تم کو اَقران واَمثال میں نمود واِمتیاز پیدا کرنے کی کس قدر ضرورت ہے۔

۲۳/ اکتوبر ۱۸۷۶ء

[خط: 49]

مجھ کو ہر چند کوئی خاص ضرورت تم کو خط لکھنے کی اِس وقت نہیں ہے، مگر مولوی ...

265. از سرتا پا

صاحب نے پرچہ مانگا، اِس واسطے یہ چند سطریں لکھ دیں۔ امتحانِ سالانہ بہت قریب ہے، اپنی کُلّی ہمت[266] اور تمام توجہ حفظِ کتب میں مقصور رکھو۔ اگر سالِ آیندہ میں تم نے سکنڈ کلاس میں ترقّی نہ کی تو مجھ کو سخت افسوس ہوگا۔ ہرچند تم مجھ سے زیادہ مواقع اِس بات کے تجویز کرنے کے رکھتے ہو کہ کام یابی کے لیے کون سی تدبیر عمدہ ہے، لیکن زبان دانی بے تسوید، یعنی کمپوزیشن کے نہیں آتی؛ اور اِس خصوص میں میرے نزدیک تم نے غفلت کی، اور کرتے ہو۔ وقت کے انتظام کے ساتھ صَرف کرنے میں عجب برکت ہے۔ تھوڑا تھوڑا روز حاصل کرتے کرتے ایک ذخیرہ جمع ہوجاتا ہے۔ مدارس کی تعلیم میں اگر پسندیدگی ہے تو یہی کہ مختلف علوم اور حصۂ فنون ایک ساتھ سکھاتے ہیں۔ اگر ایک ہی چیز کو آدمی دن بھر رَٹا کرے تو طبیعت اُکتا جاتی ہے، لیکن اگر کئی چیزیں پیشِ نظر ہوں، اور باری باری سے دیکھے تو سارا دن پڑھتا رہے، اور مطلق جی نہ گھبرائے۔ میں ایسا انتظام کرسکتا ہوں کہ اگر انگریزی کمپوزیشن بھیج دیا کرو تو پادری صاحب سے اصلاح لے کر واپس کر دیا کروں۔ یہ اُس صورت میں مناسب ہوگا جب کہ تم کو اصلاح دہندہ وہاں میسّر نہ ہو۔ عربی میں مولوی احمد حسن صاحب تم کو بہت کچھ مدد دے سکتے ہیں، بہ شرطے کہ اَخذ و اِعطا[267] کی شرطیں طرفین سے ادا ہوں۔ فقط

۲۷/ اکتوبر ۱۸۷۶ء

[خط: 50]

شاباش، میاں بشیر! جس کام میں لگے لپٹے ہو، اپنے مقدور بھر کوشش کیے جاؤ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ.[268] ضرور اُس میں برکت ہوگی۔ انشاء اللہ دہلی

266. ساری ہمت
267. لین دین، لینا دینا مراد پڑھنا پڑھانا
268. خدا تم میں سے کسی محنت کرنے والے کی کوشش رائیگاں نہیں کرتا

آؤں گا، وَلَوْ لِأُسْبُوْعَةٍ اَوْ اَقَلَّ مِنْهَا.[269] سبحان اللہ تم اور ... کی شکایت؟

ع کہ آدمی جو کہے بات سوچ کر تو کہے

شکایت اُن سے ہے جن کو عقل ہے:

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالبؔ!

تم کو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہیں؟

رںیذؔ صاحب تم کو پوچھتے تھے؛ امتحان سے فارغ ہوکر اپنے حالات سے اُن کو ضرور اطلاع دینا۔ میرے پاس اِس مقام پر لغت کی کوئی کتاب نہیں، اور تم نے عبارتِ سابقہ ولاحقہ لکھی نہیں کہ اُس کے سہارے سے جواب دوں۔ پس جہاں تک اِس وقت معلوم ہے تمھارے مستفسرات کا جواب لکھتا ہوں، جن کا جواب شافی اِس وقت نہیں دے سکتا یا تو وہاں حل کرلو یا یہیں سے قبل امتحان حل کر کے بھیج دوں گا۔

(۱) وَ حَسَّنَ لَهَا الْقَوْلُ قَبْلَ اَنْ يَحُلَّ بِنَا الْمَكْرُوْه.[270] حَسَّنَ کا مصدر تحسین، یا شاید امر ہو، مطلب کے لگاو سے دیکھ لو۔ حَسَّنَ لَهَا الْقَوْل: اچھا کیا واسطے اُس کے بات کو، یعنی لطف و نرمی سے اُس کے ساتھ بات کی۔ يَحُلُّ مضاعف بابِ نَصَرَ يَنْصُرُ جیسے مَدَّ يَمُدُّ، حُلُول مصدر مجرد، ہم وزن و ہم معنیِ نُزُول۔ قَبْلَ اَنْ يَحُلَّ اَیْ قَبْلَ اَنْ يَنْزِلَ. اِس سے پہلے کہ ہم پر مصیبت نازل ہو۔

(۲) وَرَوَّقَ لِیَ الْمُدَامُ وَ جَلَسْنَا لِلشَّرَابِ فَلَمَّا تَحَكَّمَ الشَّرَابُ مِنَّا. رَوَّقَ تَرْوِيْق: چھاننا، صاف کرنا۔ مُدام شراب کو کہتے ہیں۔ لِاَنَّ مَنْ تَعَوَّدَ شُرْبَ الْخَمْرِ يَدُوْمُ عَلَيْهَا فِيْ غَالِبِ الْاَحْوَالِ.[271] تَحَكَّمَ: حاکم بن گئی، یعنی اُس نے میری شراب چھانی اور ہم شراب پینے کو بیٹھے، جب شراب کا نشہ ہم پر غالب ہوا تو گویا ہماری عقلوں پر

---

269. اگر چہ ایک ہفتے یا اس سے کم کے لیے

270. مولوی بشیرالدین احمد کے پاس اپنے والد کے اس طرح کے خطوط کا ایک انبار ہے میں نے یہ ایک چھوٹا سا خط نمونے کے طور پر لے کر داخلِ کتاب کیا تاکہ معلوم ہو کہ اس طرح کا پڑھنا پڑھانا ٹکسالی کہلاتا ہے، اس تحقیق کے ساتھ تعلیم ہو تو طوفان ترقی پیدا ہو۔ آج روئی کل چوکی۔

271. کیوں کہ جس کو شراب کی عادت ہوجاتی ہے اکثر اس سے چھوٹتی نہیں۔

شراب حاکم ہوگئی اور ہماری عقلوں کو اُس نے مطیع و مسخّر کرلیا۔

(۳) فَفَكَّهُ وَ نَقَلَ اَحْجَارَهُ. فَكَّ: چھڑادیا، جیسے کوئی کسی کی مُشکیں کھول دے یا چڑیا جال میں پھنسی ہے، اُس کو چھڑادے؛ انفکاک، منفک اِسی سے ہے۔ پس چھڑا دیا اُس کو اور ہٹادیے، ٹال دیے، سرکا دیے، اتار دیے پتھر اُس کے، یعنی جو پتھر اُس پر لدے تھے یا سدِّ راہ تھے، ٹال دیے۔

(۴) لَا اَوْحَشَ اللّٰهُ مِنْكَ. نہ وحشت دلائے خدا تجھ سے، یعنی لوگ تجھ سے نفرت نہ کریں اور تو ہردل عزیز ہو! یہ جملہ دعائیہ ہے، تخفیفاً لَوْحَشَ اللّٰهُ بھی کہتے ہیں۔

(۵) صید و قنص میں کیا فرق ہے، شاید لغت کی طرف رجوع کرنے سے ٹھیک معلوم ہوگا لیکن میرے خیال میں صید عام ہے اور قنص خاص وہ شکار جو تعاقب کرکے کیا جائے؛ پس مچھلی کا شکار اور جال میں پھنسانا صید ہے مگر قنص نہیں؛ قنص تبھی ہوگا جب جانور کو دوڑا کر شکار کریں جیسے ہرن وغیرہ۔

(۶) ثُمَّ كَتَفَنِيْ وَ حَطَّنِيْ فِيْ صَنْدُوْقٍ وَ قَالَ لِلسَّيَافِ تَسَلَّمْ هٰذَا وَ اُشْهَرْ حُسَامَكَ. كَتَفَنِيْ: میری مُشکیں کس لیں، کتف: بازو بستن، حَطَّنِيْ: مجھ کو ڈال دیا، گرادیا۔ حَطٌّ کے معنی ہیں: نیچے کی طرف کو پھینک دینا، انحطاط اسی سے نکلا۔ سَيَّاف: جلّاد؛ تَسَلَّمْ اَیْ خُذْ: اِس کو لے یعنی اپنی سپردگی میں لے۔ اِشْهَرْ: نیام سے باہر کھینچ لے؛ یہ ایک خاص لغت ہے جیسے فارسی میں آختن۔ حُسَامٌ: سیف جس کا مادّہ حَسْمٌ اِس کے معنی ہیں: قطع، کاٹنا۔ مطلب یہ کہ میری مُنڈیاں کَس کر صندوق میں بند کیا اور جلاّد سے کہا کہ اِس کو اپنے پہرے میں لے اور ننگی تلوار سے اس پر پہرا دیتا رہ۔

(۷)

عَجِبْتُ لِمَنْ يَّعِيْشُ بِدَارِ ذُلٍّ
وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ فَلَاهَا

واو حالیہ؛ مجھ کو تعجب آتا ہے اُس شخص کا حال دیکھ کر جو زندگی بسر کرتا ہے ذِلّت کے گھر میں، یعنی ذِلّت کی برداشت کرتا ہے، اور کم بخت سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ کہیں کو اپنا

منہ کالا کرے اور گھر سے نکل جائے، اور حال یہ ہے کہ خدا کی زمین کا میدان وسیع ہے۔ غیرت اور حمیت ہو تو ملکِ خدا تنگ نیست، پائے گدا لنگ نیست۔ مطلب یہ کہ آدمی اپنے وطن میں بے قدر ہو تو اُس کو چاہیے کہ دوسرے ملک میں چلا جائے۔

(۸) قِرَاتُ الْقُرْآنَ عَلٰی سَبْعِ رِوَایَاتٍ: حدیث شریف میں آیا ہے: اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ. یعنی یہ قرآن سات بولیوں میں اترا، جو بولی تم کو آسان معلوم ہو، اُسی میں پڑھ لیا کرو؛ وہ سات بولیاں یہ ہیں: قریش، ہذیل، ہوازن، یمن، طے (اِسی قوم سے حاتم تھا) ثقیف، بنی تمیم؛ یہ قبیلوں کے نام ہیں جن کے تلفظ میں ایسا فرق تھا جیسے دلّی، لکھنؤ، مارواڑ، پنجاب، پورب کی اردو میں؛ اور سات امام قاریوں کے بھی ہیں، ہم لوگ حفص کے طور پر پڑھتے ہیں۔

(۹) وَ بَانَ مِنْ تَحْتِهٖ خَمْسُوْنَ فَارِسًا لُیُوْثٌ عَوَابِسُ بِحَدِیْدٍ لَوَابِسُ. بَانَ: ظَهَرَ، اُس کے نیچے سے پچاس سوار پیدا یعنی ظاہر ہوئے۔ فَارِسٌ فرس سے نکلا، خاص گھوڑے کے سوار کو کہتے ہیں، اونٹ یا گدھے کے سوار کو نہیں۔ لُیُوْثٌ جمع لَیْثٌ بہ معنی شیر؛ عَوَابِسُ جمع عَابِسٌ: ترش رو؛ عَبُوس اُس کو کہتے ہیں جو ہر وقت تیوری چڑھائے رہے۔ عَبَسَ وَ تَوَلّٰی: منہ سکیڑ کر پھیر لیا۔ لَوَابِسُ جمع لَابِسٌ: لباس پہننے والے یعنی وہ سوار کیسے تھے جیسے شیرِ خشم گیں اور لوہا پہنے ہوئے تھے زرہ، خود وغیرہ۔ لُیُوْثٌ عَوَابِسُ دونوں صفتیں ہیں خَمْسُوْنَ فَارِسًا کی، خَمْسُوْنَ فاعل ہے بَانَ کا اور فَارِسًا تمیز ہے خَمْسُوْنَ کی۔ بِحَدِیْدٍ متعلق ہے لَوَابِسُ سے اَیْ لَوَابِسُ بِالْحَدِیْدِ. یہ بھی صفتِ ثالث ہے خَمْسُوْنَ کی۔ عَوَابِسُ لَوَابِسُ چوں کہ وزنِ منتہی الجموع رکھتے ہیں سبب واحد کر غیر منصرف ہیں، تنوین نہیں آسکتی۔

(۱۰) لَمَعَ ثَغْرُهَا عَلٰی صَفْحَاتِ التَّرَائِبِ. عرب کی عورتیں دلّی لکھنؤ کی بیگموں کی طرح پان نہیں کھاتیں، وہاں پان پیدا نہیں۔ پس وہ لوگ بریقِ ولمعانِ دنداں، یعنی دانتوں کی چمک اور برّاقی کو بہت پسند کرتی ہیں۔ تَرَائِبُ جمع تَرِیْبَةٌ، سینے کی ہڈیوں کو ترائب کہتے ہیں۔ امرؤ القیس بہت بڑا فصیح ہو گزرا ہے۔ قصائدِ سبعہ معلقہ میں اُس کا

قصیدہ پہلا ہے؛ اُس نے کہا ہے:

ع تَرَائِبُهَا مَصْقُوْلَةٌ كَالسَّجَنْجَلِ

سجنجل کہتے ہیں آئینے کو، یعنی اُس کا سینہ آئینے کی طرح جلا رکھتا ہے۔ تمھاری کتاب میں دانت اور سینے دونوں کی بَراقی کی مدح ہے، یعنی اُس کے دانتوں کا عکس سینے پر منعکس ہوتا ہے، اور جب ہنستی ہے تو دانتوں کی چمک سینے پر ظاہر ہوتی ہے۔

(۱۱) وَ كَانَ الْحَاسِدُ مَارًّا فِيْ طَرِيْقِهٖ وَ اِذًا بِالْمَحْسُوْدِ بِدَسْتِ مَمْلُكَتِهٖ.

حاسد و محسود دو نام معلوم ہوتے ہیں، یعنی حاسد اپنی راہ چلا جاتا تھا، ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ محسود اُس کی مسندِ سلطنت پر متمکن ہے۔ دست مسند کو کہتے ہیں، اُس پر بائے جارّہ لگی ہے؛ اَيِ الْمَحْسُوْدُ قَابِضٌ بِمَسْنَدِ حُكُوْمَتِهٖ.

(۱۲)

هَتَفَ الصُّبْحُ بِالدُّجٰى فَاسْقِيْنِيْهَا
خَمْرَةً تَتْرُكُ الْحَلِيْمَ سَفِيْهَا
لَسْتُ اَدْرِيْ لِرِقَّةٍ وَ صَفَاءٍ
هِيَ فِيْ كَاسِهَا اَمِ الْكَاسُ فِيْهَا

هَتَفَ: آواز دی، اِسی سے ہے ہاتف؛ صبح نے اندھیرے میں آواز دی، یعنی تڑکا ہوا؛ مرغ وغیرہ اندھیرے میں بولنے لگے، اُن کے بولنے کو صبح کا آواز دینا قرار دیا۔ اَسْقِيْنِيْهَا میں ضمیرِ هَا راجع ہے طرف شراب کی، جس کا ذکر پہلے اشعار میں ہوگا، اور نہیں ہے تو صبح کا وقت شرابِ صبوحی کے پینے کا وقت ہے؛ شراب حاضر فی الذہن[272] تھی۔ خَمْرَةً موصوف اور تَتْرُكُ الْحَلِيْمَ سَفِيْهَا جملہ صفت اور موصوف صفت مل کر حال ہوا ضمیرِ هَا سے جو اَسْقِيْنِيْهَا میں ہے۔ یعنی صبح ہوئی تو اے معشوقہ! مجھ کو شراب پلا در آں حالے کہ وہ ایسی شراب ہے کہ حلیم صاحبِ حلم (عقل) کو سفیہ (احمق) بنا کر چھوڑ دیتی ہے؛ چھوڑ کیا دیتی ہے، یعنی کر دیتی ہے یعنی اُس کے پینے سے عقل زائل ہوجاتی ہے۔

272. ذہن میں حاضر

دوسرا شعر: ''میں نہیں جانتا بہ وجہ رقّت اور صفائی کے کہ شراب پیالے میں ہے یا پیالہ شراب میں ہے''شراب پینے کے پیالے سفید شیشے یا بلّور کے ہوتے ہیں، اور شراب کی صفت ہے رقّت، یعنی پتلا پَن کیوں کہ غِلظت اور گاڑھا پَن تلچھٹ ،یعنی دُرد میں ہوتا ہے،تو کہتا ہے کہ اُس شراب میں اِس درجے کی رقّت اور صفائی ہے کہ شراب اور پیالۂ بلّور دونوں کے رنگ میں مطلق امتیاز نہیں ہوتا اور نہیں کہا جاسکتا کہ شراب پیالے میں ہے یا پیالہ شراب میں؛ جیسے کالپی کی مصری کی لوگ مدح کرتے ہیں کہ میٹھے چاولوں میں اور خشکے میں امتیاز نہیں ہوتا، اور شربت گلاس میں ہوتو شبہ ہو کہ خالی گلاس ہے۔

(۱۳)

سَاَصْبِرُ حَتّٰی یَعْلَمَ الصَّبْرُ اَنَّنِیْ
صَبَرْتُ عَلٰی شَیْءٍ اَمَرَّ مِنَ الصَّبْرِ
وَ لَا شَیْءٌ مِثْلُ الصَّبْرِ مُرٌّ وَ اِنَّمَا
اَمَرُّ مِنَ الْاَمَرَّیْنِ اَنْ خَانَنِیْ صَبْرِیْ

صِبْر: ایلوا، ایک پھل ہے بہت کڑوا۔''میں مصیبت پر صبر کروں گا، یہاں تک کہ صبر کو بھی معلوم ہوجائے کہ میں ایلوے سے زیادہ تلخ چیز کی برداشت کرسکتا ہوں'' اور شَیْءٌ اَمَرَّ مِنَ الصَّبْر سے وہ مصیبت مراد ہے جس میں صبر کیا۔ پھر کہتا ہے کہ حق یہ ہے کہ ایلوا تو برائے نام کڑوا ہے، صبر کے برابر کسی میں تلخی نہیں لیکن ایلوے اور صبر دونوں سے بڑھ کر یہ بات تلخ ہے کہ آدمی سے صبر نہ ہوسکے، یعنی صَبر اور صِبر دونوں سے بے صبری بڑی تلخ ہے اور سچ ہے بے صبری صبر سے زیادہ تکلیف دیتی ہے۔ بے صبری کو اِس عبارت سے تعبیر کیا: اَنْ خَانَنِیْ صَبْرِیْ. یہ کہ خیانت اور دغا کرے میرے ساتھ میرا صبر، یعنی صبر مجھ کو دھوکا دے اور میری رفاقت نہ کرے۔

(۱۴)

وَ لَوْ اَنَّ مَا بِیْ بِالْجِبَالِ لَهُدِّمَتْ
وَ بِالنَّارِ اَطْفَاهَا وَ بِالرِّیْحِ لَمْ تَسْرِیْ

اور اگر وہ مصیبت جو مجھ پر نازل ہے، کہیں پہاڑوں پر نازل ہوتی تو ڈھا دیے جاتے اور مسمار ہو گئے ہوتے اور اگر وہ چیز جو ساتھ میرے ہے یعنی وہ مصیبت جو مجھ پر نازل ہے۔لَوْ اَنَّ مَابِیْ اَیْ مُصِیْبَۃٌ نَازِلَۃٌ بِیْ نَزَلَتْ بِالْجِبَالِ لَھُدِّمَتْ جزاے لَوْ ہے۔ دوسرا مصرع عطف ہے تقدیر العبارت: لَوْ اَنَّ مَا بِیْ بِالْجِبَالِ لَھُدِّمَتْ. پہاڑوں کا تو یہ حال ہوتا کہ پھٹ پڑتے، لَوْ اَنَّ مَا بِیْ بِالنَّارِ اَطْفَاھَا. آگ کا یہ حال ہوتا کہ بجھ جاتی، تیزی و سرکشی چھوڑ دیتی۔ لَوْ اَنَّ مَابِیْ بِالرِّیْحِ لَمْ تَسْرِیْ. ہوا کا یہ حال ہوتا کہ چلنے سے بند ہو جاتی۔ اصل میں تَسْرِیْ تھا لَمْ آیا، لَمْ تَسْرِ ہوا، پھر رے کے کسرے کو اشباع سے پڑھا واسطے رعایتِ وزنِ شعر کے تو لَمْ تَسْرِیْ ہو گیا۔ اب جو یٰ ہے اشباع کسرہ کی ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَ صَلَوٰتٌ وَ مَسَاجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰهِ۔[273] فقط

۱۹/ نومبر ۱۸۷۶ء

[خط: 51]

گو تم نے نہیں لکھا مگر میں قرائن سے کہہ سکتا ہوں کہ تم مجنور نہیں گئے۔ اِستثنا کی شریعت میں اسی وجہ سے تاکید ہے کہ انسان مستقبلات پر قادر نہیں۔ استثناے مصطلح شارع نام ہے انشاء اللہ کہنے کا۔ قرآن پاک میں کسی مقام پر وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ[274] آیا ہے۔

... کا خط آیا ہے۔ تم نے اُس سے کیوں کہہ دیا ہوگا۔ کیا تم نے نہیں پڑھا: صُدُوْرُ الْاَحْرَارِ قُبُوْرُ الْاَسْرَارِ.[275] لیکن کیا ایک خط اور وہ بھی حسنِ طلب رفعِ شکایت

---

273. اور اگر خدا لوگوں میں یہ انتظام نہ رکھتا کہ ایک کو دوسرے سے دفع کرے تو معابد اور کنیسے اور مساجد جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے منہدم ہو جاتے۔

274. اور وہ ان شاء اللہ نہیں کہتے

275. آزادوں کے سینے بھیدوں کے گنجینے ہیں

کرسکتا ہے؟ حَاشَا وَ کَلَّا۔[276]

جب توقّع ہی اُٹھ گئی غالبؔ
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

مگر تم اُس کو مجھ سے بدل مت کرو۔

تو براے وصل کردن آمدی
نے براے فصل کردن آمدی

دہلی میں سواری کی ضرورت ہوگی۔ اے کاش، تم کوئی گھوڑا رکھتے! اِس کا الزام مجھ پر ہے یا تم پر؟ اب تم بڑھے باپ کو کندھے پر لادے لادے پھرنا۔

۱۳/ دسمبر ۱۸۷۶ء

[خط: 52]

بشیر! عربی پڑھنے کا ڈھنگ تو اچھا ہے۔ اے کاش، انگریزی اور ریاضی اور ہر چیز میں یہی کاوش ہو! اگر اِسی طرح کی تحقیق سے ہر چیز دیکھی اور سمجھی جائے تو طوفانِ ترقّیِ اِستعداد پیدا ہو؛ لیکن عربی میں اِس ڈھرّے پر تم کو میں نے لگایا۔ سو تم کو اُس کا خیال ہے، باقی چیزوں کو سرسری طور پر ٹرخاتے ہو۔ اگر منطق نہیں ہوتی حدیث شروع کردو۔ میں کہتا ہوں عربی کا ایک سبق مدرسے کے باہر ہونا ضرور ہے؛ اگرچہ تھوڑا ہو مگر ہو ضرور۔ تمھارے خطِ انگریزی میں حروف کی جوڑان نہیں ہوتی۔ تمھارا خط مجھ سے عمدہ ہے مگر میں تم کو اپنا جیسا نہیں چاہتا بلکہ اپنے سے بہ مدارج بہتر۔ اور جو بات تمھارے فائدے کی سمجھ میں آئے گی، جب تک جیتا بیٹھا ہوں، لکھا کروں گا؛ ماننا نہ ماننا تمھارا کام ہے۔

عربی ہو یا انگریزی؛ ترجمہ دو طرح کا ہوتا ہے: ایک لفظی، جیسے گئی وہ عورت اوپر

276. ہرگز نہیں

ایک دروازے کے'، ایک بامحاورہ، جیسے 'وہ عورت ایک دروازے پر پہنچی' مُبتدی کو پابندی لفظی ترجمے کی ضرور ہے لیکن اُس کو اپنی زبان کے محاورے پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔ عبارت کی عمدگی یہ ہے کہ بڑی بول چال ہو، جیسے کوئی باتیں کررہا ہے ۔ اِس وجہ سے اخبار اور ناول کی انگریزی عمدہ سمجھی جاتی ہے؛ یہ لوگ روزمرّہ لکھتے ہیں۔ پس تم دو ترجموں کی عادت کرو، لفظی اور بامحاورہ؛ بلکہ اب تم کو محاورے کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے کیوں کہ بفضلہٖ تعالیٰ مُبتدیوں کے درجے سے ترقّی کی۔ فقط

[خط: 53]

۸/ جنوری کو رات کے نو بجتے بجتے میں اپنے ضلع میں پہنچ گیا۔ ٹرین نے ابتداءً روانگی میں کچھ دیر کی، پھر راہ میں زائد از معمول وَقفات ہوئے؛ غرض تین بجے کے بعد بلسر پہنچے ورنہ میں شاید سویرے پہنچ جاتا۔ راہ میں جو لوگ میری گاڑی میں تھے، اتفاقاً اُن میں ایک ہندوستانی ڈاکٹر بھی تھا۔ میں نے تمھارے داد کا تذکرہ کیا۔ وہ تو کچھ چُپ سا ہوا مگر ایک یورپَین جنٹل مَین نے کہا: گوآ پوڈر داد کے لیے نہایت نافع ہے، اور اِس وقت ڈاکٹروں کا اجماع ہے اِس بات پر کہ داد کی دوا اِس سے بہتر نہیں۔ یہ ایک سفید سفوف ہے، انگریزی دوافروشوں میں شاید آٹھ آنے کو اِس کی شیشی ملے گی۔ خوبی یہ ہے کہ حاد اور قاطع نہیں۔ رَتّی بھر ہتھیلی پر رکھ کر دو تین قطرہ پانی میں لَت کر کے داد پر عمل لیا کرو۔ صبح و شام استعمال کرو؛ غالبًا تین دن میں نفع ظاہر ہوجائے گا۔ فقط

۹/ جنوری ۱۸۷۷ء

[خط: 54]

دس دن دہلی میں رہ آنے سے مجھ کو مہینوں وحشت رہے گی۔ تمھارے دل کی جو کچھ کیفیت ہو مگر میرا یہ حال ہے کہ جس وقت ذرا خالی ہوتا ہوں، تمھارا خیال آتا ہے، اور تمھارے خیال کے ساتھ تمھارے امتحان کا۔ مجھ کو تمھارے خط کے دیر کرنے سے خدشہ یہ ہوتا ہے کہ کہیں خدا نہ خواستہ ایسا تو نہیں ہوا کہ تم امتحان میں ناکام رہے، اور شرم کے مارے مجھ کو نہیں لکھتے۔ سو کب تک چھپاؤ گے؟ جلد لکھو کہ میں تمھارا انتظام کروں۔ ہرچند یہ مواقع سفارش کے نہیں ہیں لیکن اگر کچھ دخل سفارش کو ہو، اور ضرورت بھی ہو تو میں یہاں دور بیٹھا ہوا کیا کرسکتا ہوں۔ البتہ مولوی محمد کریم بخش صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض حاجت کرو۔ میں بہت وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ وہ تمھاری مدد کریں گے، اور میری نسبت وہاں اُن کی وقعت بھی زیادہ ہے۔ اگر کسی معلّم یا ماسٹر کی توجہ درکار ہو تو بھی مولوی صاحب سے کہنا۔ اگرچہ دہلی کے لوگ بے مروّتی سی کرتے ہیں لیکن:

ع چہ تواں کرد مردُماں اینند

والسّلام ۱۹/ جنوری ۱۸۷۷ء

[خط: 55]

۱۷/ کا خط پہنچا۔ بندۂ خدا! اِتنی دیر مت کیا کرو۔ کیا کفایت شعاری اِسی میں منحصر ہے کہ مجھ کو خط لکھنے میں کمی کی جائے۔ میں نے تم کو پہلے بھی لکھا ہے، اور اب پھر لکھتا ہوں کہ امتحان کے بھروسے پر مت رہو۔ کسی طرح جماعت میں ترقّی کرو، اور آگے کو

نصیحت پکڑو۔ مدرسے میں کام یابی اور ناموری کے ساتھ پڑھنا یوں تو نہیں ہوگا۔ مدرسے کے علاوہ گھر پر کم سے کم تین یا چار گھنٹے روز، دل لگا کر پڑھو گے تو خیر ورنہ کیوں خود حیران ہوتے، اور کیوں ہم سب کو حیران کرتے۔ دنیا کی کارروائی کے قدر تم کو لکھنا پڑھنا آ ہی گیا ہے؛ پس میرے پاس رہ کر قانون یاد کرو، اور امتحان دو۔ مدرسے میں پڑھنا منظور ہے تو یاد رکھو انٹرنس پہلی منزل ہے۔ بھلا کچھ نہ ہو تو بی۔اے۔ کے خطاب تک ہو؛ تو بشیر! درجۂ فضیلت حاصل کرنے کے ہرگز یہ ڈھنگ نہیں جو تمھارے ہیں۔ ہر روز کے سبقوں کو بالالتزام مطالعہ، اور پڑھنے کے بعد نظرِ تدقیق سے اُن کو دیکھنا، اور ذہن نشین کرنا، اور ایک درجۂ اعتدال کے ساتھ محنت کا برابر جاری رکھنا شرط ضروری ہے۔ تمھارا یہ حال ہے کہ پہلے ہی امتحان میں یہ تردد کہ پاس ہوئے یا نہیں، تو اگلے امتحان کہیں سخت ہیں، کیوں کر اُن سے عہدہ برآ ہوسکو گے۔ غرض پڑھنا ہے تو پڑھنے کے طور پر پڑھو؛ کہیں چاندنی چوک جا نکلے، کہیں عجائب خانے کی سیر کی، کچھ وقت قصے کہانیوں میں ضائع کیا، دو گھڑی رات گئی اور سو رہے۔ یوں تو پڑھنا نہیں آتا۔ پڑھنا جب آسکتا ہے کہ تم ایک ایک منٹ کی قدر کرو، اور جہاں تک تن درستی اجازت دے، محنت کرتے رہو۔ تم اب تک مجھ سے صرف عربی میں پوچھتے تھے، آیندہ ریاضی بھی پوچھا کرو؛ زیادہ نہیں تو انٹرنس تک تم کو بتاؤں گا۔ حساب د جبر ومقابلہ کی خامی متوجہ ہوکر نکال ڈالو۔ تاریخ کے واقعات بہ طورِ سوال وجواب مرتب کرتے جاؤ تب امتحان دینے کا مزہ ہے۔ نری دعا سے کام نہیں چلتا۔ شوق نہیں ورنہ مولوی احمد حسن کے ہوتے تم کو عربی کا حاصل کرنا کیا دشوار تھا۔ مدرسے کی چیزوں کا حیلہ اور اُن میں بھی نقصان۔

مولوی صاحب نے کئی مکان لیے، لیکن سب جائداد میں دُکان مجھ کو پسند ہے۔ باقی محل اور حویلیاں سب آخور کی بھرتی ہیں۔ غضب ہے کاظم علی والا مکان تیرہ سو کا ہے، اور تین روپے کرایہ۔ نوٹ کے حساب سے اُس کا کرایہ چار روپیہ آٹھ آنہ ہونا چاہیے، مگر کوئی اہتمام نہیں کرتا۔ ہم نے مکان مفت نہیں پایا، گٹھری بھر روپیہ دیا ہے، تو کیا وجہ ہے

کہ ہم کو پورا نفع نہ ملے؟ مولوی صاحب[277] کے مزاج میں رحم، بیوی صاحب کو خیال نہیں، تم کو لیاقت نہیں، مولوی دعا گو[278] کو قابلیت اور فرصت دونوں نہیں؛ مکان لاوارث سا پڑا ہے۔ اگر کرایہ داروں کو یہ حال معلوم ہو تو وہ تین روپے بھی نہ دیں۔ بڑی حویلی ہمیشہ خسارہ دیتی ہے مگر اعمالِ بد کی طرح بار دوش ہے۔ خدا ہی ہے کہ اُس کا بوجھ سر سے ٹلے۔ جب تجربہ کرلیا کہ دہلی و بجنور دونوں میں کوئی انتظام کرنے والا نہیں تو عاجز آکر نوٹ[279] کا پہلو اختیار کیا؛ ورنہ کوئی کرنے والا ہوتا تو حلال طور پر ایک ڈپٹی کلکٹر کی تنخواہ کماتا اور اصل محفوظ۔ بس غنیمت ہے کہ بے چارے مولوی صاحب باوجود معذوری اتنا بھی کرتے ہیں، ورنہ ہم سب تو جیسے منتظم اور ہوشیار ہیں، ظاہر۔ فقط

۲۱/ جنوری ۱۸۷۷ء

[خط: 56]

آٹھویں جماعت جس میں تم کو رعایۃً ترقی کر دیا گیا، وہ جماعت ہے جس میں تم کو مَیں سالِ گزشتہ داخل کرانے والا تھا۔ شاید تم کو معلوم نہ ہوا ہو، مگر مجھ کو تمھارا ساتویں میں داخل ہونا خوش نہیں آیا تھا۔ تعجب ہے کہ تم آٹھویں کا نام سن کر گھبراتے ہو۔ رعایتی ترقی محمود ترقی نہیں ہے۔

حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر ست
رفتن بپایمردیِ ہمسایہ در بہشت

لیکن اگر تم آٹھویں میں نہ گئے ہوتے تو مجھ پر سخت صدمہ ہوتا اور میں تم کو دہلی

277. مولوی بشیرالدین احمد صاحب کے نانا مراد ہیں

278. ہو نہ ہو یہ وہی شخص ہے جس کے نام کا خط گزر چکا ہے[یعنی مولوی سبحان بخش]

279. یعنی اندوختے کو پرامیسری نوٹ کے پیرایے میں رکھا، خط ۸۴ میں اس کی خوب تفصیل ہے۔

میں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

برخوردار! محنت سے جان چُرانا تو طالب کا کام نہیں ہے، اور پھر یہ بھی کوئی محنت ہے کہ خدا کے فضل سے ہر طرح کے آرام کے ساتھ گھر میں رہنا اور پڑھنا۔ وہ بھی بندگانِ خدا ہیں جو دن بھر کلھاڑی چلاتے، سڑک کوٹتے، دوڑتے، راتوں کو جاگتے، بوجھ ڈھوتے؛ ہزار ہزار شکر ہے کہ شاقّ محنت میں مبتلا نہیں کیے گئے۔ محنت ایک امرِ اضافی ہے، اِس کا مفہوم متعیّن نہیں۔ ایک کام زید کے واسطے محنت کا ہے، مگر شاید خالد کے حق میں وہ کامل آسایش کا مُوجب ہے، پس جس کو تم نے محنت سمجھا کیا، تم جیسے اور تم سے بہتر ہزاروں لاکھوں اُس کو نہیں کرتے؟ افسوس ہے کہ تم اِس کو محنت کہو۔ ارے بابا! اگر یہ محنت بھی ہے تو ساری عمر کا آرام، ساری عمر کی خوش حالی، ساری عمر کی آبرو اِس محنت کے طفیل سے حاصل ہوگی۔ ایک ظریف کا مقولہ ہے کہ "جینا تو جینا، بے محنت مرنا بھی نہیں ہوسکتا"

اگر تم کو عربی میں ۸۲ نمبر ملے تو نہ تمھاری محنت سے بلکہ اِس فقیر کی محنت کا ثمرہ ہے کہ کسی حالت میں تمھارا سبق ناغہ نہیں ہونے دیا۔ میں نے اپنے پندار میں تم کو اِتنا پڑھادیا کہ اگر تم نے اُس کو محفوظ رکھا ہوتا تو آج کل کے سَو دو سَو نہیں چالیس پچاس مولویوں سے بہتر تھے، مگر وہ گھر کی مُرغی تھی، تم نے دال برابر سمجھی۔

مجھ کو تمھارے اِس لکھنے پر بڑی ہنسی آئی کہ تاریخ جغرافیہ سب مضمونوں میں مشکل ہے۔ میں تو اِن دونوں کو قصّہ کہانی سمجھتا ہوں؛ البتہ نکل یہ پڑتا ہے کہ کتاب پڑھتے وقت عبارت پر تو لحاظ ہوتا ہے، حاصلِ مطلب کی طرف توجہ نہیں ہوتی، ورنہ اگر ہر آدھے یا پورے صفحے کے بعد آنکھ بند کرکے غور کرلیا جائے کہ اِتنے کا خلاصۂ مطلب کیا ہوا، تو ممکن نہیں کہ واقعات مستحفظ نہ رہیں۔ جغرافیے کی جان ہے نقشہ۔ ایک مکمّل نقشہ منگوالو، اور ایسے موقع پر لٹکادو کہ ٹھیک کر لیٹے تو نقشہ سامنے ہو۔ بار بار دیکھتے دیکھتے یاد ہوجاتا ہے کہ فلاں شہر کہاں ہے؟ اور وہ ندّی یا پہاڑ کدھر واقع ہے؟ اگر تمھاری تاریخ چند روز کے لیے مجھ کو ملے، اور میں اُس کا اردو میں خلاصہ کردوں یا سوال جواب بنا دوں، اور تم اُس کو یاد

کرلو، پھر فیل ہو جاؤ تو میں جواب دہ۔

حساب، جبر و مقابلہ، اُقلیدس البتّہ سوچ بچار اور مشق و مہارت کے کام ہیں۔ میں نے تم کو کسورِ عام اور کسورِ اعشاریہ تک پڑھا دیا تھا۔ اور جتنا تم نے حساب و جبر و مقابلہ مجھ سے سیکھا تھا، وہ ساتویں جماعت میں کام یاب ہونے کو کافی تھا، لیکن مصیبت یہ ہے کہ تم نے تو یہاں جی لگایا، اور نہ وہاں جی لگاتے ہو۔

میں نے تم کو متواتر لکھا کہ بشیر ہر کتاب کو سبق روزمرّہ تک یاد کرتے جاؤ، لیکن دنیا میں باپ ہونا بات کو بے وقعت کرتا ہے۔ تم نے کہا نہیں تو دل میں خیال کیا کہ اُس کی تو عادت ہے، اِسی طرح کے خط لکھا کرتا ہے۔ اِس سے کہ تم تھّے نواب یا کسی شناسا متعارف کو، گو وہ بجنوری ہی کیوں نہ ہو، یا گو وہ دہلی والا ہی کیوں نہ ہو، بے فائدہ خط لکھو، اور اِس سے کہ رات کو عزیزو ذین و غلام موے ذین[280] سے باتیں کرو، اور اِس سے کہ تم پہاڑ گنج جاؤ، اور اِس سے کہ تم... کو لکھنا سکھاؤ، اور اِس سے کہ تم بازار میں پھرو، اور عجائب خانہ و باغ کی سیر کرو، اور اِس سے کہ تم سیماب وار کبھی گھر میں کبھی باہر آؤ جاؤ، اور اِس سے کہ تم بھول کر بھی کبھی مطالعہ نہ کرو، اور اِس سے کہ تم مدرسے کے سبقوں کو گھر میں آ کر نہ پڑھو؛ غرض اِس سے کہ تم محنت نہ کرو، اور وقت کی قدر و قیمت نہ پہچانو، نہ تم امتحان دے سکے ہو، اور نہ آیندہ کبھی دے سکو گے۔ میں نہیں کہتا کہ تم اِتنا پڑھو کہ تن درستی میں خلل پڑے لیکن جہاں تک تم سے ہو سکے، ایک منٹ، ایک سکنڈ کو رایگاں مت کرو۔ پھر قسم کھا کر کہا جا سکتا ہے کہ تم انٹرنس کیسا خطاب حاصل کرو گے، اور گو ہندوؤں کے لڑکے اَپَر سکول میں پڑھ کر آئے ہوں، کوئی تم کو نہ پا سکے گا۔ آٹھویں جماعت میں پڑھنا اُنھی کا ہے جو ساتویں پاس کر کے چڑھے، اور تمھارا پڑھنا تو بھئی بھگوڑی پد ڑی کا پھر بیٹھنا ہے۔

280. عزیز الدّین اور غلام محی الدّین مراد ہیں۔ یہ ایک غریب ہمسائے کے لڑکے ہیں۔ ان کی ماں بے چاری جاہل ان کو اُنھی ناموں سے پکارتی ہے جو متن کتاب میں ہیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے تعریضاً اُنھی غلط ناموں کو نقل کر دیا ہے تا کہ بیٹا ہنسے۔ [اور اراذل کی صحبت سے محترز رہنے کا بھی اشارہ ہے۔]

خدا تمھاری غیرت کو تیز، اور تمھاری ہمّت کو بلند، اور تمھاری محنت کو زیادہ کرے، آمین!
میں نے تمھارے ساتھ وہ کیا اور کرتا ہوں جو میرے باپ نے (خدا اُن کو جنّت کے عیش نصیب کرے) میرے ساتھ کیا تھا۔ میں نے تم کو پہلے بھی لکھا تھا، اور پھر بھی لکھتا ہوں کہ میں عربی اور ریاضی دونوں میں تمھاری مدد کو حاضر ہوں مگر بے تمھاری ہمّت کے کام نہیں چلے گا۔ امتحانِ سالانہ کو تو ہر وقت پیشِ نظر رکھو، اور ہر روز محنت کیے جاؤ، انشاء اللہ بیڑا پار ہے۔

مرد باید کہ ہراساں نشود
مشکلے نیست کہ آساں نشود

پھر کیا ضرور ہے کہ امسال اگر رعایۃً تمھاری ترقّی ہو گئی تو سال آیندہ بھی رعایت کی جائے۔ اگلے سال اپنی قوّتِ بازو سے ترقّی کرو۔ جو لڑکا ریاضی میں تیز ہو، اُس سے راہ ورسم ضرور پیدا کرو۔ انگریزی کے ۳۶ نمبر بھی محلِ خوف ہیں۔ ارے میاں! ایک طالب علم ہم تھے کہ سارے ہم جماعت بلکہ بہ خدا استاد بریز بریز کرتے تھے۔ مگر تھا کیا، کہ بھئی تمھاری طرح مَیں بد شوق اور کم محنت نہ تھا، بے سامان البتہ تھا۔ جنوری ۷۷ء گزرا، اور دسمبر ۷۷ء تعطیل میں گزرے گا؛ پس بہ استثنائے تعطیلاتِ درمیانی مشکل سے پانچ چھ مہینے ہوں گے۔ اگر کوئی مدرسے کی پڑھائی پر قانع رہے تو وہ پڑھ چکا؛ اصل پڑھنا تو گھر کا ہے، اور تم گھر پر پڑھنے یا تعطیلوں میں دوسرے سے استفادہ کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔

تمھارے پڑھنے کا جھگڑا تو چلا ہی جائے گا، اب کچھ گھر کا کام بھی کروں۔ میرے پاس ایک خط مولوی کریم بخش صاحب کا آیا۔ یہ مضمون وہی ہے جو مولوی صاحب نے دلّی میں زبانی بھی کہا تھا، اور میں نے بیوی صاحب سے نقل کیا تھا۔ نہیں معلوم مولوی صاحب کو یہ خیال خود پیدا ہوا یا وہاں والوں نے کہا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اُنھی کا خیال ہے لیکن کوئی دوست جو صلاح کی بات کہے، اُس کو مخاصمت کے ساتھ نہیں سننا چاہیے۔ لوگ مجھ کو کنجوس اور بخیل کہتے ہیں، اور چوں کہ قاعدہ ہے کہ:

ع تا نباشد چیز کے مردم نگوید چیز ہا

مجھ میں یہ عیب ہوگا۔ اگر چہ خود پسندی کی وجہ سے آدمی کو اپنے عیوب پر اطلاع نہیں ہوتی، لیکن بخل اولاد کے ساتھ تو میں بھی برتنا نہیں چاہتا۔ تُف ہے میری دولت پر، اور لعنت میرے مال دار ہونے پر، جب میری پیاری اولاد اس وجہ سے تکلیف پائے کہ میں اُن کی حاجت کی قدر باوجود مقدرت روپیہ نہیں دیتا۔ خدا کی قسم میں یہی سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میرے پاس ہے، اِن بچّوں کی امانت ہے۔ پس افسوس ہے کہ جن کا روپیہ اُنھی پر خرچ نہ کیا جائے۔ خدا اِس کا گواہ ہے کہ بشیر کے لیے، ... کے لیے، ... کے لیے کس کم بخت کو روپیہ سے دریغ ہو۔ اور میں نے اپنے نزدیک اب تک ایسا ہی برتاؤ کیا ہے یا شاید میری سمجھ کی غلطی ہو۔ غرض اِس مضمون کو میں تمھاری والدہ کے حوالے کرتا ہوں کہ وہ بلا رو و رعایت خوب غور سے سوچیں، اور مطلق میرا اور میرے روپے کا پاس نہ کریں؛ اور مجھ کو اُن کے فیصلے کی تعمیل میں مطلق تامّل نہ ہوگا۔

۳/ فروری ۱۸۷۷ء

[خط: 57]

اگر چہ امتحان تم دو گے، اور یاد تم کرو گے، اور محنت و کاہلی کا نتیجہ تم بھگتو گے، مگر مجھ کو تمھارے امتحانِ سالِ آیندہ کا ابھی سے سوچ ہے، اور تم بھی ابھی سے فکر رکھو گے تو دعوے کے ساتھ امتحان دو گے۔ پس عربی اور ریاضی کے سبق ہیجے شروع کرو، تھوڑا تھوڑا ہو چلے۔ یہ خیال ہرگز اپنے دل میں مت آنے دینا کہ ابھی بہت وقت ہے۔ فقط

۴/ فروری ۱۸۷۷ء

[خط: 58]

اِس وقت ریڈ صاحب کی چٹھی آئی ہے۔ اُنھوں نے رپورٹ کردی ہے کہ یکم مارچ سے نذیر احمد دوسرے ضلع میں بھیجا جائے، یہاں اُس کی ضرورت باقی نہیں۔ عملہ یکم مارچ سے تخفیف کیا جائے گا۔ مجھ کو اِس وقت تک معلوم نہیں کہ کہاں جاؤں گا، اور کس کام پر؟ میں نے ریڈ صاحب کو لکھا ہے کہ تین مہینے کی رخصت ولا دیجیے کہ ذرا آرام کرلوں۔

لیکن مِنْ جَانِبِ اللّٰہ [281] ایک دوسرا سامان ہوا ہے، اگر تم لوگ رضامند ہو کر اجازت دو۔ خط ملفوف ہے، مولوی سیّد مہدی علی خاں صاحب بہادر کا ہے۔ یہ حواری [282] ہیں سیّد احمد خاں صاحب بہادر کے؛ اٹاوے کے رہنے والے ہیں، وہیں سررشتہ دار فوج داری تھے، وہیں تحصیل دار ہوئے، وہاں سے مرزا پور بدل آئے۔ وہاں کچھ کوہستانی علاقہ زیرِ بندوبست تھا؛ اِن کو ڈپٹی کلکٹر بندوبست کے اختیارات دیے گئے، اور کئی مدّوں سے ملا کر چار سو روپیہ پاتے تھے۔ اِسی اثنا میں شاید نواب سر سالار جنگ بہادر وزیر حیدرآباد نے سیّد احمد خاں صاحب سے پانچ یا چھ آدمی طلب کیے، اُنھوں نے اِن کو بھیج دیا۔ وہاں جا کر مولوی مہدی علی کو شاید ہزار روپیہ تنخواہ ہوئی۔ اب سنا ہے کہ معتمدِ مدار المہام مقرر ہوئے۔ میں نے مولوی مہدی علی کو فِیْ عُمْرِیْ [283] صرف ایک بار آگرے میں دیکھا، جن دنوں مجھ کو انعام مرآۃ العروس کا اٹاوے میں ملنے والا تھا۔ مولوی مہدی علی ڈیوک آف اڈنبرا کو دیکھنے کلکتے گئے تھے۔ وہیں سے مجھ کو بلا تعارف بڑے تپاک کا خط لکھا، اور بہت اصرار کیا کہ اٹاوے میں میرے مکان پر ٹھیرنا۔ چناں چہ جوں مَیں ریل

281. خدا کی طرف سے

282. اصل میں حضرت عیسیٰ کے اصحاب حواری کہلاتے ہیں۔ حوار کہتے ہیں عربی میں سفیدی کو چوں کہ اصحاب مسیح اکثر دھوبی تھے شاید یہ وجہ تسمیہ ہو یا حواری کے معنے یار مخلص کے بھی ہیں، مولوی مہدی علی کو سید احمد خاں کا حواری کہنا ظریفانہ شوخی ہے۔

283. اپنی عمر میں

سے اترا، مولوی مہدی علی کے رشتہ مند مجھ کو کشاں کشاں اپنے گھر لے گئے، اور بہت مدارات کی، مگر مولوی مہدی علی وہاں نہ تھے لیکن نواب لفٹنٹ گورنر نے مجھ کو اٹاوے سے واپس کیا، اور آگرے کے دربار میں بلایا۔ وہاں منشی غلام غوث صاحب میر منشی لفٹنٹی کے یہاں میں نے مولوی مہدی علی کو دیکھا۔ ایک صبیح نوجوان، طنبورچیوں کی سی پوشاک بے باک مرآۃ العروس کی ہنسی اڑا رہے ہیں۔ جوں میں خیمے میں پہنچا، منشی غلام غوث صاحب نے کہا: ''لیجیے حضرت! مرآۃ العروس کے مصنف صاحب بھی تشریف لائے'' منشی غلام غوث کی تقریب سے ہم دونوں ملے تو مولوی مہدی علی منقبض سے رہے؛ شاید مرآۃ العروس کی ہنسی اڑانے سے جھینپے ہوں۔ مجھ کو حیرت ہوئی اِلٰہَ الْعَالَمِیْنَا! یہ وہی مہدی علی ہے جس نے خود مجھ کو کس تپاک سے اپنے گھر ٹھیرایا تھا کہ اب بالمشافہہ میری کتاب کی مخاصمانہ تفضیح کررہا ہے۔ خیر رفت وگزشت۔ اب جو یہ خط آیا ہے، سرکاری خط ہے کیوں کہ اِس میں لکھا ہے کہ حسبُ الحکم سرکار لکھتا ہوں؛ اور مجھ کو سکندرپور میں ایک دوسرے دوست مولوی وکیل احمد صاحب کے خط سے بھی، کہ وہ بھی ریاستِ حیدرآباد میں ہیں، اِس سے پہلے معلوم ہوا کہ میرا تذکرہ مدارُالمہامِ حیدرآباد کے حضور میں ہوا۔ تیسری دلیل اِس خط کی صداقت اور واقعیت کی یہ ہے کہ سیّد احمد خاں صاحب کی معرفت آیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ سیّد احمد خاں کس رُتبے اور وقار کے آدمی ہیں۔ غرض حسنِ طلب میں تو کچھ شک نہیں، حیرت یہ ہے کہ مولوی مہدی علی نے میری تقریب کیوں کی؛ عجب نہیں کہ کتابِ ہیئت[284] نے یاددہانی کی، یا کوئی اَور سبب ہوا ہو؛ بہ ہرکیف

284 اس کتاب کا خط ۱۸ میں بھی مذکور ہے اور اس کے متعلق ایک دل چسپ قصہ ہے وہ یہ کہ مولوی نذیر احمد صاحب گورکھ پور میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور مسٹر لیور وین ایک حصہ ضلع کے مہتمم بندوبست۔ وہاں دونوں سے ملاقات ہوئی۔ وین صاحب علم دوست آدمی تھے۔ اور ان کو مشرقی زبانوں کے سیکھنے کا بڑا شوق تھا۔ غالب ہے کہ مولوی نذیر احمد صاحب کی استعداد ولیاقت کا حال وین صاحب سے مخفی نہ رہا ہوگا۔ وین صاحب نے قانون شہادت پر ایک دقیق متن تصنیف کرکے مولوی نذیر احمد صاحب سے اس کا ترجمہ کرایا، ان دنوں وین صاحب سہارن پور کے کلکٹر تھے۔ وین صاحب اس ترجمے سے مولوی نذیر احمد صاحب کی لیاقت کے اور بھی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بلاتے ہیں، اور تنخواہ بالفعل آٹھ سو، اور بعد کو ایک ہزار ماہوار یہاں کے سکّے سے دینے کا وعدہ ہے۔ اتنی تنخواہ مجھ کو سرکار انگریزی میں تمام عمر پانے کی توقع نہیں۔ دربار حیدرآباد ان

(گذشتہ سے پیوستہ) معتقد ہوئے۔ ایک مدت کے بعد وین صاحب ترقی کرتے کرتے کشمیر کے پولیٹکل ایجنٹ مقرر ہوئے۔ ان ہی دنوں وین صاحب نے علم ہیئت کی ایک مشہور کتاب گولنز ہونز کا ترجمہ کرانا چاہا ایک ہزار روپے کا اشتہار دیا کہ جو شخص اس کتاب کا بہتر سے بہتر ترجمہ کرے گا اس کو ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا۔ اشتہار کے علاوہ وین صاحب نے مولوی نذیر احمد صاحب کو خاص چٹھی لکھی کہ میں نے اشتہار تو دیا ہے مگر میرا خیال یہ ہے کہ یہ انعام تم ہی لوگے۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے عذر کیا کہ مجھ کو دوسرے کاموں سے فرصت نہیں تو وین صاحب نے سر ولیم میور صاحب سے ایما کرایا۔ مجبور مولوی نذیر احمد صاحب نے ترجمہ کیا اور دس ترجمے شاید اور بھی ہوئے۔ ان ترجموں سے انتخاب بہتر کے لیے وین صاحب نے ایک کمیٹی منعقد کی۔ سنا ہے خدا جانے صحیح یا غلط کہ سید احمد خاں صاحب اس کمیٹی کے پریزیڈنٹ تھے اور من جملہ اور چند صاحبوں کے شمس العلما خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب ممبر۔ کمیٹی نے یہ رائے دی کہ مولوی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ سب میں بہتر ہے مگر ایک ہزار میں سے چار سو روپے کے قابل ہے۔ کمیٹی نے وین صاحب کو یہ صلاح دی کہ چھ سو روپے جو بچے اس سے مولوی نذیر احمد کے ترجمے کی درستی کراؤ۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے وین صاحب سے پوچھا بھی کہ اگر مجھ کو اپنے ترجمے کے نقصان معلوم ہوں تو شاید میں ان کی درستی کرسکوں مگر خدا جانے کس مصلحت سے مولوی نذیر احمد صاحب کو نہ تو کمیٹی کے ممبروں کے نام بتائے اور نہ ترجمے کا اسقام۔ برسوں وین صاحب تلاش میں رہے کہ کوئی شخص مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمے کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے، کسی نے ہامی نہ بھری۔ وین صاحب نے کہیں سن لیا تھا کہ حیدرآباد میں امیر کبیر شمس الامرا علم ہیئت کے بڑے عالم ہیں اور ان کی کتاب شمسیہ بھی وین صاحب کی نظر سے گزر چکی تھی۔ آخر وین صاحب نے سانڈرس صاحب رزیڈنٹ کی معرفت مولوی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ اصلاح کے لیے حیدرآباد بھیجا اور وہ ترجمہ رزیڈنٹ سے امیر کبیر اور امیر کبیر سے نواب سرسالار جنگ مرحوم اور ان سے مولوی سید حسین بلگرامی بی۔اے کے پاس آیا۔ مولوی سید حسین نے ترجمہ کو بہ نظر اصلاح دیکھا اور مولوی نذیر احمد صاحب کو لکھا کہ اس سے بہتر ترجمہ ہو نہیں سکتا اور اگر ہوسکتا ہے تو تم سے بہتر کوئی کر نہیں سکتا اور اسی چٹھی کی نقل مولوی سید حسین نے وین صاحب کو بھیجی جب تک یہ چٹھی پہنچے وین صاحب مفاجاۃً مرگئے، ترجمہ لاوارث رہ گیا۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے یہ تمام مراسلت اور اصل ترجمہ گورنمنٹ میں پیش کیا۔ گورنمنٹ نے مولوی نذیر احمد صاحب کے ہزار پورے کر دیے۔ اب وہ ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب کے پاس ہے۔ چوں کہ اس میں آسانی نقشے ہیں اور ہندوستان میں ان کے چھپنے کا سامان نہیں ترجمے کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔

دنوں بہت ممدوح ہے؛ اختیارات وسیع، عہدہ معزز۔ مجھ کو وہاں کے زیادہ حالات معلوم نہیں، اتنا جانتا ہوں کہ اِدھر کے، اور انگریزی عمل داری کے ہزارہا بندگانِ خدا وہاں ہیں۔ سیکڑوں آدمی تو دلّی کے وہاں ہیں۔ مولوی رشیدالدین خان مرحوم کا خاندان سب وہیں ہے۔ پس تم لوگ اگر صلاح دو تو بالفعل ایک سال کی رخصت لے کر جاؤں۔ ذرا بمبئی، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کی سیر کروں۔ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ.[285] فقط

[خط: 59]

تین مہینے کی رخصت کے لیے ریڈ صاحب نے بھی سفارش کردی ہے لیکن حیدرآباد جانا ہوا تو برس دو برس کی فرلو[286] لینی ہوگی۔ ریل ہے تو دوری کوئی چیز نہیں۔ رہی پنشن اُس کے لیے میں نے دریافت کیا ہے۔ اگر میں حیدرآباد گیا تو مولوی احمد حسن کو ساتھ لیے جاؤں گا۔ اُن کو ابھی سے سنا رکھو، ایسا نہ ہو کہ وقت پر تقاعد[287] کریں۔ طالب اگر سچا ہے تو وہ دور ونزدیک پر نظر نہیں کرتا۔ اِس سے کہ دلّی میں حاجت مندانہ رہیں، بہت بہتر ہوگا کہ پردیس میں آسودہ حالی سے بسر ہو۔ اُن کی سی حالت مجھ پر ہوتی تو بھوپال ایسا تھا جیسے دلّی والوں کو شاہ درہ[288]۔ چناں چہ جن دنوں مَیں گجرات گیا، وہ بھوپال سے بہت دور تھا۔ ۲۳/دن تک متواتر تمام تمام دن چلا، تب خدا خدا کرکے گجرات کی شکل دیکھی۔ حیدرآباد سے خط آنے شروع ہوئے ہیں کہ علاوہ تنخواہ کے دوسو چالیس ماہوار دوامی بھتا بھی ہے۔ اب میں صرف دوباتوں کا منتظر ہوں؛ ایک

---

285. پھرو ملکوں ملکوں، اقتباس ہے کلامِ مجید سے
286. ایک قسم کی رخصت ہے جس میں نصف تنخواہ ملتی ہے۔
287. سستی
288. دلی سے پورب ۳ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔

تو رخصت کی منظوری، دوسرے میں نے جو خط مولوی مہدی علی کو لکھا ہے، اُس کا جواب۔ اگر حیدرآباد میں پاؤں جم گئے، اور شاید نصیب میں ہے تو سرمنزل حج وزیارتِ حرمینِ شریفین قریب ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا طَوَافَ بَیْتِکَ الْحَرَام.[289] بشیر! تم اب کب دنیا کو سنبھالو گے۔ بہ خدا میں تو ملول ہوں۔ وہ اگلی سی گدگدی مجھ میں باقی نہیں۔ بندۂ خدا! لٹک لپٹ کر انٹرنس تو پاس کر دو۔

۱۴/ فروری ۱۸۷۷ء

[خط: 60]

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَالْقَلْبُ مُشْتَاقٌ اِلَیْکَ.[290]

وہ ضرورت پڑھنے لکھنے کی جس کے لیے چاروناچار خط لکھنا پڑتا تھا، تم نے قاطبۃً[291] بند کر دی۔ اگر بدلی اور رخصت اور حیدرآباد کے مضامین جمع ہونے سے پریشانی ہے تو مجھ کو ہے، مگر تم نے دیکھا تو ہوتا کہ اُس حالت میں بھی تمھارے سبقوں میں بالالتزام اصلاح دیتا ہوں یا نہیں۔ دہلی کالج اگر ٹوٹا تو غضب ہوا۔ گو کالج ٹوٹے پھر بھی اتنا سامان دہلی میں ضرور رہے گا کہ آدمی تکمیلِ استعداد کر سکے۔ تم حیدرآباد جانے کے متقاضی ہو۔ جب میں تمھاری عمروں میں تھا تو مجھ کو عرش کی سوجھتی تھی۔

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا، اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رَسا ہوتا ہے

اب صرف اتنی گدگدی دل میں ہے کہ میں نے انکار نہیں کیا۔ اگر ابتداءً بارہ سو

289. خدایا ہم کو اپنے حرمت والے گھر کا طواف روزی کر۔
290. تم پر سلامتی ہو اور دل تمھارا مشتاق ہے۔
291. یک قلم

دیں گے، اور ارذلِ عمر[292] کے لیے سامان کر دینے کا وعدہ فرمائیں گے تو انشاء اللہ جاؤں گا۔ لیکن مجھ کو ایسا احمق مت سمجھو کہ بہت دنیا جمع کرنے کو زندگی کا ماحصل سمجھوں۔ بشیر! دنیا کو تو خوب دیکھا۔ غریب محتاج تھا، خدا نے مال دار غنی کیا، اولاد ہوئی، حکومت کے مزے اڑائے، ناموری اور شہرت سے بھی بے نصیب نہیں رہا؛ لیکن انجام اِن سب بکھیڑوں کا کیا ہے؟ آخر فنا آخر فنا۔ اب خداوند تعالیٰ ایسی توفیق عطا کرے کہ کچھ وہاں کے لیے بھی کروں۔

کیا وہ دنیا جس میں ہو کوشش نہ دیں کے واسطے
واسطے واں کے بھی کچھ یا سب یہیں کے واسطے

وانؔ صاحب چارج لینے کو آ گئے۔ میں حتی الوسع کل سامان فروخت کر دوں گا، وَلَوْبِحَطِّ الثَّمَنِ.[293]

عبدالحامدؔ کی کیا شامت ہے کہ وہ جانوروں کے ساتھ گاوزوریاں کرتے ہیں۔

ع مارا ازیں وجودِ ضعیف ایں گماں نبود

گھوڑا رکھیں بھی تو سلیم الطبع اور کار آزمودہ۔ تم نے بھی ماموں کی خو سیکھی ہے کہ جانوروں سے بے باکانہ کام لیتے ہو۔

اب تو... صاحب بھی بیٹی کا نیلام کرتے ہیں۔ اپنے منہ سے پچیس ہزار مہر کر دیا، اور دو برس بعد شاید دس ہزار کی نوبت پہنچے۔ مولوی... کا نام میں نے نہیں سنا، رقعہ بھیجا ہے تو جانچ تول کر بھیجا ہوگا۔ اَلْعَجَلُ اَلْعَجَلُ فَمَا یُجْدِی الْاَمَلُ بِدُوْنِ الْعَمَلِ.[294]

مکان کو چٹخاؤ۔[295] مجھ کو بہت آخور کی بھرتی پسند نہیں۔ مکان لو تو بھلا، ... کا سالو

292. اخیر عمر۔ یہ لفظ قرآن مجید کی اس آیت میں واقع ہے: ومنکم من یرد الیٰ ارذل العمر لکیلا یعلم بعد علم شیئا یعنی تم میں سے بعض پھر ذلیل زندگانی کی طرف پھیر دیے جاتے ہیں تاکہ جو کچھ معلوم ہے سب جاتا رہے یعنی انتہا کے بڈھے ہو جاتے ہیں اور کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔

293. اگرچہ قیمت گرا کر ہی کیوں نہ ہو۔

294. جلدی کرو جلدی کہ امید بے کوشش فائدہ نہیں دیتی۔

295. الگ کرو، دور کرو

کہ دنیا میں بہشت یاد آئے۔ واہیات جھونپڑے جو تم نے لے رکھے ہیں، نہ رہنے کے نہ سہنے کے۔ ایک عمدہ نفیس مکان مل جائے تو بس کافی ہے۔

... نے پارہ [296] شروع کیا ہوگا۔ حروف اور حرکات خوب پہچوائے جائیں۔ اُس میں خامی رہ جاتی ہے تو مدتوں تک پڑھنا نہیں آتا۔

۲۳/ فروری ۱۸۷۷ء

[خط: 61]

۱۹/ فروری کو صبح ہوتے جو خواب تم نے دیکھا، یعنی وہ رائے جو تم نے تاریخ وجغرافیہ و ریاضی بلکہ مدرسے کی تمام تر تعلیم کے بے سود ہونے کی نسبت بہم پہنچائی، مجھ کو تمھارے خط کے ذریعے سے معلوم ہوئی۔ بجائے اِس کے کہ مجھ کو ناخوشی ہو، میں تو اِس کو بہت پسند کرتا ہوں کہ تم اپنی بری بھلی رائے کو ہمیشہ نہایت آزادی کے ساتھ بے تامل ظاہر کیا کرو۔ رائے کی غلطی عیب نہیں ہے، افہام وتفہیم اور مباحثہ ومناظرہ سے ہر غلطی کی اصلاح ہوسکتی ہے مگر دودِلی اور نفاق کا کچھ بھی دفعیہ نہیں۔ جب تمھارا بُطون [297] منکشف نہ ہوتو کوئی کیا جان سکتا ہے کہ تم اپنے ذہن میں کیا سوچا کرتے ہو۔

میں سرکاری تعلیم کا ایسا طرف دار نہیں ہوں کہ متعصبانہ اُس کی حمایت کروں، لیکن انگریزی کی بدترین تعلیم عربی کی بہترین تعلیم سے بہ استثنائے مذہب یقیناً عمدہ اور نافع ہے۔ عربی میں زبان اور منطق کے خیالی ڈھکوسلوں کے سوائے کچھ بھی نہیں۔ یورپ کو جو اِس وقت معراجِ ترقی حاصل ہے، جانتے ہو کیوں ہے؟ اُن لوگوں میں صرف یہ ہنر ہے

---

296. جزوِ قرآن مراد ہے، عوام سی پارہ کہتے ہیں۔ شروع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عم یتساء لون کا پارہ ہوگا جس میں چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں اور مبتدیوں کو پہلے وہی پڑھایا جاتا ہے۔

297. یعنی جو تمھارے دل میں ہو۔

لہ واقعاتِ نفس الامری میں تمام یورپ کی ہمتیں محصور ہیں۔ ہم لوگ خیالی مضمونوں کے پیچھے پڑے رہتے، اور آخر تک سوائے چکنی چپڑی باتیں بنانے اور جھوٹے بے اصل نصوبے باندھنے کے کچھ نہیں سیکھتے۔ جھوٹے القاب، جھوٹے آداب، جھوٹے اشتیاق، جھوٹی تشبیہات، جھوٹے استعارات ہمارا علمِ انشا ہے۔ شاعری جو کمالِ انشا ہے اُس میں معشوق وہ فرض کیے گئے جن کے کمر نہیں، منہ نہیں، جن کی زلفیں سلسلۂ نامتناہی سے زیادہ دراز ہیں، جن کے سرین پہاڑ ہیں۔ اگر ایسے معشوق کہیں نظر پڑ جائیں تو لوگ اُن کو ہوّا[298] اور بھوت سمجھیں۔ انگریزی شاعری کو دیکھو بالکل نیچر[299] کے مطابق۔ مبالغے اور جھوٹ کا نام نہیں۔ جس چیز کے حالات سے کسی علم میں بحث کرتے ہیں، اُس کو اُس علم کا موضوع لہٗ کہتے ہیں، جیسے صَرف ونحو کا موضوع لہٗ ہے کلمہ وکلام؛ طب کا بدنِ انسان؛ حساب کا عدد۔ انگریزی علوم کیا ہیں کہ موجوداتِ عالم میں سے ہر ہر چیز کسی علم کا موضوع لہٗ ہے۔ علمِ آب، علمِ ہوا، علمِ مقناطیس، علمِ حرارت، علمِ روشنی وغیرہ۔ افسوس کہ ہمارے یہاں کہیں اِن علوم کا پتا نہیں۔ انگریز لوگ کہیں سمندر کے کنارے مچھلی کے انڈے گنتے پھرتے، کہیں پہاڑوں کے درّوں میں بھٹکتے، کہیں ریگستانوں کی خاک چھانتے؛ غرض موجوداتِ عالم کے حالات کی تفتیش وتلاش میں سرگرم ہیں، اور اِسی سے اِس درجے کو پہنچے۔ کوئی انگریزی چیز تو دیکھو کس خوبی اور صفائی اور عمدگی کے ساتھ ہے! یہ سب علمِ واقعات کے جلوے ہیں۔ ریل، تار برقی نتیجے ہیں خواصِ حرارت میں غور کرنے کے۔ یہ مضمون تو اِس قدر وسیع ہے کہ بجائے خود محتاجِ کتاب ہے، ایک خط میں سما نہیں سکتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بی.اے. اور ایم.اے. محتاج ومفلس نہیں ہیں لیکن کیا ضرور ہے کہ تم ناکام مثالوں پر نظر کرو۔

ہمت بلند دار کہ پیشِ خدا و خلق
باشد بقدرِ ہمتِ تو اعتبارِ تو

298. بچوں کے ڈرانے کی ایک ہیبت ناک صورت، اللہ کا فضل، ہوّا
299. حالاتِ موجودہ نفس الامری

ہر ہنر اور ہر پیشے اور ہر فن میں کام یاب اور ناکام ہوتے آئے ہیں، لیکن اِس سے لوگوں نے کسبِ ہنر نہیں چھوڑ دیا، مثلاً وکیل ایک وہ ہیں جو پانچ ہزار ماہوار کماتے، اور دوسرے پالکی کے کہاروں کا کرایہ گرہ سے دیتے، پھر بھی ہزار ہا لوگ امتحانِ وکالت دیتے ہیں۔ جو طرز تم اختیار کرنا چاہتے ہو کہ عربی پڑھوں، قانون یاد کروں، انگریزی مطالعۂ کتب واخبار سے بڑھا لوں، کیا تم کو وحی[300] ہوئی ہے کہ اِس طرز میں ضرور کام یابی ہوگی؟

بشیر! آیندہ کا حال معلوم نہیں کہ کس کی تقدیر میں کیا ہے، لیکن تدبیر شرط ہے۔ سو یہ مدرسے میں پڑھنا بھی ایک تدبیر ہے، اور یہ ایسی تدبیر ہے کہ تم اِس میں منفرد نہیں۔ اگر یہ حُمق ہے تو اِس حُمق میں ہندوستان اور یورپ ملا کر لاکھوں بندگانِ خدا مبتلا ہیں۔ قانون کے صرف دو مصرف ہیں: ایک وکالت، سو مشہور ہے، اور سچ ہے 'بار اِز اُووَر کروڈڈ' یعنی صیغۂ وکالت میں مطلق گنجایش نہیں؛ اور پھر گنجایش بھی ہو تو تمھاری لکنت نے تم کو ناقابل کر دیا ہے۔ رہ گئی تحصیل داری وہ مشروط بہ وعدۂ کلکٹر ہے، یعنی کلکٹرِ ضلع وعدہ کرکے خود امتحان کی اجازت دے، اور امتحان میں پاس ہو تب تحصیل داری ملے؛ تو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ انگریزی، عربی سب چھوڑ دو، اِس کو اردو کافی ہے کیوں کہ کل قوانین اردو میں ہیں۔ میں اِس کی تصدیق کرتا ہوں کہ اِس لفظٹی میں بلکہ شاید ہر جگہ ایسے تحصیل دار اور ایسے ڈپٹی کلکٹر بھی موجود ہیں جن کے مقابلے میں تم کو اِس وقت مِنْ حَیْثُ اللّیَاقَۃ[301] ترجیح ہے۔ میں اپنے معاصرین[302] میں بہتوں کو جانتا ہوں جو ہر پہلو سے مجھ پر فائق ہیں، قانون کا امتحان دے کر... تحصیل دار کیوں نہیں ہو گئے؟ عربی پڑھ کر مولوی ... ڈپٹی کلکٹر کس لیے مقرر نہیں ہوئے؟ اگر تم نے علم کا یہی نتیجہ سمجھا کہ وہ روپیہ کمانے کا ذریعہ ہے تو تم نے ہرگز علم کی قدر نہیں جانی۔ تجارت، زمین داری، دست کاری وغیرہ، بہت سے

300. الہام

301. لیاقت کے اعتبار سے

302. اہلِ زمانہ، اقران

ہنر اور پیشے ہیں جن میں علم درکار نہیں، اور روپیہ خوب کمایا جاسکتا ہے۔ علم وہ چیز ہے جو آدمی کو ہر حالت میں توقیر دیتا ہے، عام اس سے کہ روپیہ کمانے کا ذریعہ ہو یا نہ ہو۔ تم کو روپیہ کمانے کی کیا جلدی پڑ گئی ہے؟ میں جب تک زندہ ہوں تمھاری ضرورتوں کو رفع کروں گا، اور مجھ سے لینے میں تم کو تامّل کیوں ہونے لگا۔ جیتے جی نہ لو گے تو میرے مرے پیچھے لو گے۔

ورنہ ستانی بستم می رسد

۲۲، ۲۳ تک تو عمرِ تحصیل ہے۔ تم نے کہیں اپنے تئیں اس عمر میں بڈھا فرض کرلیا۔ لیاقت کو سمجھو کہ گویا بارانِ رحمت ہے۔ پانی تمام زمین پر برستا مگر ہر قطعۂ زمین میں اُس کے آثار مختلف۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شور بوم خس

لوگ بی۔اے۔ ہوتے، کوئی اِنھی دو حرف کے ذریعے سے مناصب جلیلہ پر پہنچا، اور کوئی بھیک مانگتا۔

پڑھیں فارسی بیچیں تیل

یہ دیکھو قدرت کے کھیل

کون کہہ سکتا ہے کہ تم کو خدا نے کس غرض کے لیے بنایا ہے۔ اگر ہزار شخص ہم لیاقت ہوں، ضرور نہیں کہ وہ سب ہم حالت بھی ہوں۔ میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ کچھ ایسی تحریک درپیش ہے کہ مجموعۂ نمبر پر پاس کیا جائے، ہر سبجکٹ[303] میں نمبر کامل نہ ہو نہ سہی۔ بے شک تاریخ جغرافیہ لڑکوں کو تکلیف دیتا ہے لیکن وہ دو حرف بی۔اے۔ کچھ ایسے مقبول ہیں کہ اُن کے لیے سب زحمتوں کو برداشت کرتے ہیں، اور ضرور تم کچھ بے عنوانی کرتے ہو ورنہ ایسی واویلا کی چیز نہیں۔ عمدہ مطالب منتخب کرلیا کرو۔ ریاضی وغیرہ پر کیا

303. مضمون

موقوف ہے، جب توغل[304] باقی نہیں رہتا تو سب چیزیں بھول جاتی ہیں مگر پھر بھی "گوش رسیدہ اثرے دارد" ایک کیفیت ضرور حاصل ہوجاتی ہے، جس کو مناسبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ تو تسلیم ہے کہ عقلِ دنیا جیسی انگریزوں میں ہے، کسی قوم میں نہیں، اور علوم کے اعتبار سے کچھ شک نہیں کہ کوئی مفید علم نہیں جو انھوں نے نہیں لیا۔ تاریخ جغرافیے کا انگریزی تعلیم میں ہونا کافی دلیل اُس کے مفید ہونے کی ہے۔ تم کو کچھ اندازہ ہے کہ دنیا میں کتنے پرچے اخبار کے جاری ہیں؟ شاید لاکھوں، اور کیا فرق ہے اخبار وتاریخ میں؟ اخبار تاریخِ حال ہے اور تاریخ تاریخِ گزشتہ۔ عام آگہی (جنرل انفارمیشن) تمھارے نزدیک کچھ قدر کی چیز ہے یا نہیں؟ پس اُدنیٰ فائدہ تاریخ کا عام آگہی ہے۔ حضرتِ من! کس خیال میں ہو، کوئی انگریزی آرٹکل[305] نہیں جس میں واقعاتِ تاریخی کا حوالہ نہیں۔ تاریخ سے تحریرِ مضامین یعنی اِسّے[306] میں بہت مدد ملتی ہے۔ تاریخ داں کو استناد و استشہاد کی بڑی قوّت ہوتی ہے۔ وہ ہر رائے کی دلیل میں واقعاتِ گزشتہ کی سند دے سکتا ہے؛ اور جب کہ وہ شرطِ کامیابیِ امتحان ہے تو یہ بجائے خود اُس کا نفعِ عظیم ہے۔ مطالعۂ کتب واخبار سے بھلا آپ کیا انگریزی بڑھا لیجیے گا جب کہ اُس کا فونڈیشن[307] ضعیف ہے؟ انگریزی اِس تدبیر سے بڑھتی تو میں کبھی کا بڑھا چکا ہوتا۔ تسوید یعنی کمپوزیشن اور اصلاح کا لینا اور گرامر کا استحفاظ نہایت ضرور ہے۔ عربی سبحان اللہ، کیا پوچھنا ہے! مگر جب مدرسے کی چیزوں سے عاجز ہو تو باہر کیا خاک پڑھوگے۔ تم اتنے ضعیف القویٰ شاید نہیں جتنے کہ ضعیف الہمت ہو۔ یہ بھی تمھارے نفس کا خُدَع[308] ہے۔ جب تم عربی پڑھائے جاتے تھے تو عربی سے بھاگتے تھے، اب انگریزی سر پر پڑی ہے تو اُس سے جان چُراتے ہو،

---

304. مشاقی، مہارت

305. مضمون، تحریر

306. اِسّے اور آرٹکل دونوں کے معنے قریب قریب [ہیں، جواب مضمون]

307. بنیاد، جڑ

308. مکر

یعنی تمھاری بے دلی اور تمھارا تذبذب[309] تمھیں کٹھ ملاّ[310] رکھے گا۔ نوکری کرو گے اور کچھ روپیہ کما سکو گے، مگر نام ونمود یا منصب جلیل کے امّید وار مت رہو: اور یوں خدا اپنے گدھوں کو حلوا دے تو کسی کا کیا دینا ہے۔ مجھ کو اِس سے تو خوشی ہے کہ تم نے اپنی راے کو ظاہر کیا مگر اِس کا سخت رنج ہے کہ کیوں خدا نے تمھارے ایسے خیالات کیے۔ میں نے تمھاری بات کا برا نہیں مانا، تم بھی میری بات کا برا نہ مانو۔ بشیر! خدا کی قسم بے محنت دنیا میں کچھ نہیں ہوا، اور محنت سے جان چُرانا بدنصیبی اور حرمان کی دلیل ہے۔ جس کام میں لگے ہو، لگے رہو۔ 'یک در گیر و محکم گیر' نیّت کو ڈانواڈول مت کرو، خدا اِسی میں برکت دے گا۔ جتنا ہوسکتا ہے، کیے جاؤ؛ تم اِس قدر بے دل کیوں ہوتے ہو؟

مشکلے نیست کہ آساں نشود

مرد باید کہ ہراساں نشود

میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم نوکری مت کرو۔ میں اپنے اوپر تکلیف اٹھاکر تم کو آسایش پہنچا سکتاہوں۔ غرض جو کچھ تم فرماؤ، کرنے کو موجود ہوں مگر یہ کہ تم نہ پڑھو، میں نہیں کہہ سکتا۔ اور تمھارا یہ کہنا کہ یوں پڑھوں، ڈوں نہ پڑھوں، گویا یہی کہنا ہے کہ نہ پڑھوں؛ کیوں کہ جن کو پڑھنا منظور نہیں ہوتا اُن کا یہی دستور دیکھا ہے کہ عربی چھوڑی، انگریزی لی، انگریزی چھوڑی، قانون شروع کیا؛ انجام یہ کہ نہ انگریزی ہوئی، نہ عربی، نہ قانون۔ لوگ تو عمریں صَرف کرتے ہیں تم تو دو ہی برس میں گھبرا گئے۔ سبب یہی ہے کہ مدرسے میں پوچھ کچھ ہوتی ہے اور تم تھے اِس کے خوگر، کہ پڑھا اور کتاب تہہ؛ پھر جو کتاب کھولی تو استاد کے سامنے بیٹھ کر۔ اگر تم نے اپنی راے پر عمل کیا تو میں تم کو انشاء اللہ یہ بھی دکھادوں گا کہ اگلے برس نہیں تو تیسرے سال عربی، انگریزی، قانون سب ندارد۔ نوکری بھی تم کو کوئی ابھی نہیں دے گا۔ ۲۵/ برس تو قانوناً نوکری کے لیے مُنتہیٰ اِنتج (اَقلُّ الاعمار) ہے کہ اِس سے پہلے کی خدمت داخلِ پنشن نہیں۔ بھلا جب ہندوستان کے

309. دودلہ پن

310. ادھورا مولوی [جاہل]

نوجوانوں کی ہمتوں کا یہ حال ہو تو کیا وہ ولایت جاکر سول سروس کے لیے کمپیٹ (مقابلہ) کریں گے؟ ابھی ریش وبروت[311] آنے تک میں تمھارے لیے کوئی مشغلہ سوائے اس کے نہیں دیکھتا کہ پڑھے جاؤ۔ ابھی انٹرنس تو پاس کرو۔ بی۔اے۔ اور ایم۔اے۔ کے تو بڑے درجے ہیں۔ تمھاری طرزِ عبارت سے تو ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ تم اپنی طرف سے مدرسہ چھوڑ چکے، صرف یہ چاہتے ہو کہ میں ترک پر تمھاری تحسین کروں، اور کہوں کہ شاباش! اچھا کیا۔ اگر میں دیکھتا کہ تم عربی پر فریفتہ ہو تو میں تم کو اپنے پاس رکھتا، لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں، تم پڑھنا تو چاہتے ہو لیکن آسانی کے ساتھ۔ مطالعہ نہ ہو، یاد نہ کرنا پڑے، بتانا نہ ہو؛ سو میرے نزدیک۔

ایں خیال ست ومحال ست وجنوں

بشیر! اگر تم پڑھنا نہیں چاہتے یا پڑھنا اگر تمھاری قسمت میں نہیں تو مجھ کو تم سے لڑنا منظور نہیں، تم جانو تمھارا کام جانے۔ لیکن اے خدا! مجھ کو اُس مصیبت کے جھیلنے کو زندہ مت رکھیو کہ ایک اللہ آمین کا بیٹا، اور وہ بھی جاہل یا کٹھ مُلّا۔ اگر رخصت لے کر دہلی رہنا ہو تو انشاء اللہ میں دیکھوں گا کہ کون سی چیز تم کو دشوار ہے۔ میری زبان میں خدا نے اتنی قوّت دی ہے کہ سمجھا دینے اور ذہن نشین کر دینے کا دعویٰ رکھتا ہوں۔ فقط

۲۴/ فروری ۱۸۷۷ء

[خط: 62]

دہلی کالج تو ٹوٹا لیکن انٹرنس تک کے واسطے کوئی انتظام ضرور کیا گیا ہوگا۔ پس کالج کو روئیں تو کالج کلاس[312] روئیں یا مولوی ضیاء الدّین نوحہ کریں، تم کو کیا؟ یہ دستور

311. [ڈاڑھی مونچھ]

312. کالج کی جماعتیں

جی لگا کر پڑھے جاؤ۔ جب خدا وہ دن کرے گا کہ انٹرنس پاس کرو گے تو دیکھا جائے گا۔ بشیر! تمھی پڑھنے سے دل برداشتہ تھے، تمھی نے کالج کو کوس کوس کر کھویا۔ سبحان بخش کو زیادہ تر لکھنے پڑھنے نے، اور کسی قدر تمھاری مدارات بالمساوات[313] نے تباہ کیا۔ وہ نہیں معلوم کیا امیدیں لے کر آیا تھا، اور تم نے سوکھا ٹرخایا! کیوں کر رہے اور کیوں رہے؟ اے کاش! یہی ہوتا کہ وہ میرے کام کا نہیں۔ وہ کم بخت تو کچہری کے کام کا بھی نہیں۔ پس اُس کو رجعت قہقری کرنے دو، یعنی چھوڑ دو کہ اپنی حالت سابقہ پر عود کرے۔

شاید میں تم کو لکھ چکا ہوں لیکن خیال آتا ہے کہ نہیں لکھا۔ نواب سر سالار جنگ بہادر نے منظور فرمایا کہ میری انگریزی نوکری وہاں کی خدمت میں مُجریٰ محسوب ہو کر پنشن دی جائے۔

۶/ مارچ ۱۸۷۷ء

[خط: 63]

تم کو میرے خط نہ بھیجنے سے حیرت ہوگی، اور خود مجھ کو بھی اپنی یہ ادا پسند نہیں ہوئی، لیکن حال یہ ہے کہ اب تک میں اطمینان سے نہیں بیٹھا، اور ابھی شاید مہینوں میری یہی حالت رہے گی۔ اگر تم کو میرے حالات کا دریافت کرنا ضرور ہو تو مولوی احمد حسن سے مراسلت بڑھالو۔

جہاں مَیں اب ہوں، حقیقت میں ایک نئی دنیا ہے۔ مَیں حیدرآباد میں ۲۷/ اپریل کو پہنچ گیا تھا۔ دو مرتبہ ہز اکسیلنسی[314] نواب سر سالار جنگ بہادر سے ملا۔ مدارالمہام اور

313. برابری کے ساتھ معاملہ کرنا

314. خطاب عزت جو بڑے بڑے امرا نوابوں اور رجواڑوں کو ہوتا ہے جیسے ہماری زبان میں معلّی القاب وغیرہ

مختارُالملک اور نواب صاحب اور سرکار عبارت ہے سرسالار جنگ سے، اور حضور اور بندگانِ عالی جنابِ نظام سے۔ میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کے سازوسامان اور تزک و احتشام دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ دِلّی اور لکھنؤ میں اِس کا عُشرِ عَشیر[315] بھی نہ ہوگا۔ شہر میں جاکر دیکھو تو مارے ہجوم کے تِل رکھنے کی بھی جگہ نہیں، اور پھر ہجوم بھی قلی، مزدوروں، بھیک مانگنے والوں کا نہیں بلکہ نوابوں اور سرکاروں کا جن کی اَردَلی میں پلٹنیں اور رسالے اور ہاتھی دوڑتے ہیں۔ سرکار کے محلوں میں جاکر میں ہکّابکّا[316] سا ہوجاتا ہوں، اور یہ تموُّل اُس حالت میں ہے کہ عمل داری میں اچھا انتظام نہیں۔ شاید قریب نصف عینِ المال[317] سرکار نمک حرام نوکر خوردوبُرد کرتے ہیں؛ اور اگر خدا نوکروں کو توفیقِ خیرخواہی دے تو یہ ملک بجائے خود اَوَدھ کا چوگنا ہے۔ اور زمین بعض اطراف میں بلا مبالغہ تین سو روپیہ بیگھ تک کی موجود ہے۔ نوکروں کی شوخ چشمی کی وجہ یہ ہے کہ موقوفی کا دستور نہیں، جرمانہ کرنے کا قاعدہ نہیں۔

سرکار نے مجھ کو یکم اپریل یعنی روزِ روانگی اعظم گڈھ سے ایک ہزار دو سو چالیس روپے کے حساب سے تنخواہ دی، جس میں ہزار روپیہ تنخواہ ہے، اور دو سو چالیس روپے بھتّاے دَوامی۔ دہلی سے حیدرآباد میرا اوّل درجے کا، اور میرے دو ساتھیوں کا سوم درجے کا کرایۂ ریل دیا۔ پھر مولوی احمد حسن اور منشی رفیع الدّین دونوں کو روزِ وصولِ حیدرآباد سے ڈیڑھ ڈیڑھ سو کا نوکر رکھ لیا، اور میری ماتحتی میں مامور فرمایا، اور غالب ہے کہ تیس تیس روپیہ اُن کو بھی بھتّا ملے۔ ابھی میں نے کام پر تسلّط نہیں پایا بلکہ بہ ایماے سرکارِعالی دَورے پر ہوں، اور جب تک موسم اجازت دے دَورے میں رہوں گا۔ گرمی تو

315. مولوی نذیر احمد صاحب بگڑے ہوئے وقتوں کی بات کہتے ہیں ورنہ لکھنؤ بھی حیدرآباد کا مدِّ مقابل تھا بلکہ حیدرآباد سے بہت بڑھا ہوا اور دلّی تو دارالسلطنت تھا اس سے حیدرآباد کو کیا نسبت؟ چہ نسبت خاک را باعالمِ پاک

316. حیران

317. اصل خزانہ

یہاں ہے مگر نہ وہاں کی سی۔ خیمہ اگر چہ دھوپ میں ہے مگر وہ تپش نہیں کہ آدمی بے چین ہو جائے۔ موسم یہاں معتدل رہتے ہیں، جاڑے میں لحاف کی ضرورت نہیں۔ گرانی ہے مگر بہ وجہ خشک سالی اِن دنوں اَور زیادہ ہے، لیکن لوگ ایسے خوش حال ہیں کہ کبھی کوئی گرانی کو یاد بھی نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ کہ میں خوش ہوں، اور میں وہاں کی نوکری کی مطلق پروا نہیں کرتا۔ جس خدمت پر مَیں ہوں بڑی معزز ہے۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی نِعْمَائِہٖ وَآلَائِہٖ[318]

اگر میں کثرت سے خط نہیں بھیج سکتا تو مِنْ وَجْہٍ[319] معذور ہوں۔ دیارِ اجنبی[320] میں ہوں، دن بھر کوئی نہ کوئی نئی بات سیکھتا ہوں۔ یہاں کی زبانیں جو مُفصّلات میں بولی جاتی ہیں مرہٹی، تلنگی، کنڑی، اردی ہیں جن کا ایک لفظ مَیں نہیں سمجھتا۔ لیکن تم مجھ کو بہ دستور ہفتے میں دو خط لکھا کرو تاکہ مجھ کو جواب دینے پر برانگیختہ کرتے رہو۔ جلد جلد انٹرنس پاس کرو۔ انشاء اللہ اِس سرکار میں تمھارے لیے بہت کچھ ہو جائے گا، اور اب میں تمھارا دہلی میں زیادہ رہنا پسند نہیں کرتا۔ میں اِس دَورے میں مدراس جانے والا ہوں، فقط۔

۲۵/ ربیع الثانی ۱۲۹۴ھ

[مطابق ۹/مئی ۱۸۷۷ء]

[خط: 64]

مردِ خدا! تم ایسے سمجھ دار آدمی ہو کر ایک مہینے کی تعطیل کے متحمل نہیں ہو سکتے اور گھبراتے ہو۔ اِس سے تمھارے شوق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ تم نے ذہن نشین کرلیا ہے کہ پڑھنا صرف نوکری کے لیے ہے، اور نوکری بخت واتفاق پر منحصر۔ جو آدمی ایسے

318. خدا کی ستائش اس کی نعمتوں اور احسانوں پر
319. کسی قدر
320. ان جان ملک

مقدمات[321] اپنے دل میں رکھتا ضرور یہی نتیجہ نکالے گا جو تم نے نکالا کہ زیادہ پڑھنا ضرور نہیں۔ لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جو پڑھنے کو تکمیلِ نفس اور حصولِ امتیاز کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اور معاش میں جو تائید پہنچے وہ ایک منفعتِ ضمنی ہے؛ وہ لوگ تحصیلِ علوم سے کبھی ملول نہیں ہوسکتے۔ بہ ہرکیف سمجھانا بھی ایک عمر تک ہوتا ہے، اور میرے نزدیک تم نے اُس عمر سے تجاوز کیا۔ تم نفع ونقصان میں تفرقہ کرنے پر قادر ہو، مگر میں اتنا تو کہہ سکتا ہوں کہ تم اپنی وحشت کا علاج کرو۔ سوسائٹی میں جاکر اخبار دیکھو، پچھلا پڑھا ہوا یاد کرلو، یعنی چاہو تو ایسے مشاغل اپنے اوپر لازم کرسکتے ہو کہ وقت بارِ خاطر نہ ہو۔

میں عن قریب بلدہ یعنی حیدرآباد جاؤں گا۔ چند روز کی بات ہے کہ مولوی مہدی علی نے نواب صاحب کے اشارے سے مجھ کولکھا کہ سمت یعنی قسمتِ شرقی کی صدر تعلقہ داری یعنی کمشنری تمھارے لیے تجویز ہوتی ہے، اور فوراً تنخواہ بارہ سو کردی جائے گی، بھتا علاوہ؛ اور اُس قسمت کا بندوبست بھی تم سے متعلق رہے گا۔ میں نے ابھی اِس تجویز کومنظور نہیں کیا۔ اِس سلطنت میں بہ اعتبارِ اختیارات وحکومت صدر تعلقہ داری کا عہدہ نہایت عمدہ ہے۔ جو نسبت مدارُالمہام کو تمام ریاست سے ہے، وہی نسبت صدر تعلقہ دار کو اپنی قسمت سے ہوتی ہے، یعنی جیسی جامعیت مدارُالمہام میں ہے ویسی ہی صدر تعلقہ دار میں بھی ہے مگر محدود بہ قسمت؛ اور قسمت میں جتنے صیغے مال، عدالت، تعلیمات، تعمیرات وغیرہ ہیں، صدر تعلقہ دار کل صیغوں میں حاکمِ اکبر ہے، لیکن وہ مدارُالمہام اور صدرُالمہام اور سب کے معتمدین کا ماتحت ہے۔ یوں سمجھو کہ صدر تعلقہ دار بہ منزلہ کمشنر ڈویژن کے ہے جو بورڈ اور گورنمنٹ کا تابع ہوتا ہے، اور بندوبست کی نوکری بے انضمامِ حکومتِ سمت چلنے والی نہیں۔ اِس نظر سے میرا ارادہ ہے صدر تعلقہ داری منظور کرلوں۔ سرِ دست تنخواہ بھی زیادہ ہوجائے گی، اور اضافتِ بندوبست بھی باقی ہے؛ لیکن اِس کا فیصلہ میں نے مُراجعتِ بلدہ پر ملتوی رکھا ہے۔ نواب صاحب نے میری ایک رپورٹ کو پسند فرمایا، اُس پر یہ تجویز ظاہر ہوئی۔

321. اجزاے دلیل، یہ منطق کی اصطلاح ہے۔[مطلب منصوبے سے یعنی جو شخص ایسے منصوبے گانٹھتا ہو]

جب میرا معاملہ یکسو ہوتا ہے تو میں تمھاری وحشت کا علاج کرتا ہوں، تم کو ناچار بُلا بھیجوں گا۔ عبدالواجد اور مولوی برکت اللہ یہاں آنے کی عجلت نہ کریں۔ میں اُن کی فکر سے غافل نہیں ہوں مگر دیر آید درست آید۔ پھر یہاں شاہی کارخانے ہیں، آدمی کو جگہ نہیں ملتی۔ یہ بھی ایک امر مِنْ جَانِبِ اللہ تھا کہ مجھ کو بے درخواست طلب فرمایا، ورنہ ڈپٹی کلکٹر اور صدرُ الصّدوروں کی عرائض پر یہاں کوئی مُلتَفِت بھی نہیں ہوتا۔ فقط

۷/ جمادی الثانیہ ۱۲۹۴ھ
[مطابق ۱۹/ جون ۱۸۷۷ء]
مقام نلگنڈہ

[خط: 65]

یہ کیا غضب ہے کہ تم میرے خطوط نہ پہنچنے کے شاکی ہو، درحالے کہ میں نے عبدالحامد کو دو خط لکھے (اور واقعی لکھے) تو تم سمجھ سکتے ہو کہ میں نے تم کو کتنے خط لکھے ہوں گے۔ جہاں تک میرا حافظہ مساعدت کرتا ہے، میں نے چھ سات خط سے کم نہیں لکھے۔ تم سے بڑھ کر بھی دنیا میں مجھ کو کسی سے تعلق ہے؟ بالخصوص جب دسترخوان پر بیٹھتا ہوں، تم سب لوگ ضرور یاد آتے ہو۔ یہ بدانتظامی جو خطوط کے پہنچنے میں واقع ہوئی، کچھ تو اِس وجہ سے ہے کہ ایک عمل داری سے دوسری عمل داری میں خط کا جانا ہمیشہ خالی از خطرِ تلف نہیں، دوسرے مجھ کو خود کسی مقام پر قرار نہیں۔

میں نہیں جانتا کہ تم کو میرے حالات کہاں تک معلوم ہیں، اِس واسطے مجھ کو اپنی رام کہانی پھر دُہرانی پڑی۔ مَیں حیدرآباد میں پہنچ کر شاید صرف ایک ہفتہ مقیم رہا۔ اِس اثنا میں دو مرتبہ نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ارشاد ہوا کہ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ.

اور خود میں بھی ناواقفیت کی وجہ سے گھبراتا تھا۔ غرض حیدرآباد میں جلسۂ خطبی[322] کر کے دورے کو نکل کھڑا ہوا؛ گویا سفرِ دہلی کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پایا۔ حکم تو یہ تھا کہ ناگر کرنول اور نلگنڈہ دوضلعے ملکِ تلنگانہ کے دیکھ آؤ، لیکن جب میں ضلع ناگر کرنول کے صدرمقام محبوب نگر میں پہنچا تو ایک انگریزی ضلع کرنول قریب تھا۔ بے اختیار جی چاہا کہ جا کر وہاں کا طرزِ انتظام بھی دیکھوں۔ چناں چہ اکیلا کرنول چلا گیا؛ ایک ہفتہ وہاں تھا، پھر ناگر کرنول آ گیا، اور دورے کی کل چلنی شروع ہوئی؛ یہاں تک کہ آخرکار نلگنڈہ پہنچا۔ اِس دَورے میں مجھ کو یہ بھی حکم تھا کہ کل دفاتر کی تنقیح[323] کرو۔ جو کچھ دیکھتا تھا اُس کی کیفیت سرکار میں بھیجتا۔ خدا کی قدرت اُن کیفیتوں نے نوّاب صاحب کے دل پر بڑا عمدہ اثر کیا، اور سرکار نے سمجھا کہ یہ کام کا آدمی ہے۔ یہ صرف خدا کی مہربانی تھی کہ ایک تازہ وارد جو راہ و رسمِ ملک سے بے خبر، زبان سے ناآشنا، دستور و رواج سے ناواقف ہو، آتے کے ساتھ معقول رائے دینے لگے۔ اِس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ یہاں فارسی دفتر ہے، اور میں نے ساری عمر کبھی فارسی نہیں لکھی۔ مجھ کو تو فارسی کی تحریر ایک اجنبی بات معلوم ہوئی، لیکن چاروناچار لکھنی پڑی۔ وہ خدا کے فضل سے کچھ ایسی بَن پڑی کہ تمام حیدرآباد میں غُل مچ گیا، اور لوگ لوہا مان گئے۔ غرض مَیں تو دورے میں تھا، اور خدا کا فضل میرے واسطے صدر حیدرآباد میں یہ سامان جمع کر رہا تھا۔ دفعۃً حکم پہنچا کہ سرکار کو تم سے کچھ کہنا ہے، فوراً چلے آؤ؛ میں تو گھبرایا کہ الٰہی، کیا ماجرا ہے۔ یہاں آ کر دیکھا تو نوّاب صاحب کو اپنا کلمہ پڑھتے ہوئے پایا۔ میں نے دورے سے یہ رائے لکھی تھی کہ اِس ملک کی حالت بندوبست کے لائق نہیں۔ اوّل تو تلنگانہ ویران بہت ہے، لاکھوں بیگھ بنجر پڑا ہے؛ آدمی نہیں کہ اُس کو جوتے۔ علاوہ اِس کے بندوبست کے لیے وقت اور روپیہ بہت درکار ہے۔ ایک ضلع کے لیے سات برس کم سے کم چاہییں، اور اِسی طرح کم سے کم

322. دوخطبوں کے بیچ میں خطبہ خوان ذرا کی ذرا یوں ہی سا بیٹھ جاتا ہے اسی کو جلسۂ خطبی کہتے ہیں۔
323. جانچ پڑتال

پندرہ لاکھ روپیہ؛ اور سرکارِ نظام میں اتنی سکت نہیں کہ اتنے بڑے مصارف کی متحمل ہو سکے۔ پس میرے نزدیک سرسری بندوبست ونظری وزواتروی پیمایش کرکے کاشت کاروں کے ساتھ دہ سالہ قول کردیا جائے۔ یہ رائے نواب صاحب کے دل میں کھُب گئی؛ اور زیادہ اثر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ناظمِ بندوبست ہوکر میں نے ایسی رائے دی جو میرے مطلب کے خلاف تھی، مگر میرا اِس میں نقصان کیا تھا؟ مجھ سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ بندوبست ہو یا نہ ہو، میری تنخواہ مجھ کو ملا کرے گی ؛ اور اگر میرا نقصان بھی ہوتا، تاہم غلط رائے کا دینا داخلِ بددیانتی تھا۔ مولوی مہدی علی صاحب کو اِس رائے سے اتفاق نہیں، لیکن میں نے خوب سمجھ لیا ہے کہ جیسا بندوبست مولوی صاحب کے ذہن میں ہے وہ کبھی چلنے والا نہیں۔ یہاں شخصی حکومت ہے اور جتنا کچھ نظم ونَسَق ہے، نواب صاحب کی ذات تک ہے۔ خدا اُن کو عمرِ نوح عطا کرے! اور مولوی صاحب اُس پر نظر نہیں کرتے۔ حاصلِ کلام یہ کہ نظامتِ بندوبست سے تو میرا دل دَورے میں کھلا ہوا، اور میں حیران تھا کہ یہاں کیسا بندوبست اور کیا اِس کا انجام۔ میں نے عہدہ دارانِ اضلاع کی بے ضابطگیاں اور چوریاں بہت پکڑیں، اور نواب صاحب کو صاف لکھ دیا کہ مُفصلات میں سخت خرابی ہے۔ اِن سب باتوں کے انضمام سے نواب صاحب کے دل میں میری نسبت صدر تعلقہ دار کردینے کا خیال پیدا ہوا۔

یہاں کے انتظام کی کیفیت یہ ہے کہ نواب صاحب کو تم بہ منزلۂ گورنر سمجھو۔ اگرچہ نواب صاحب یقیناً ہم رتبۂ گورنر جنرل ہیں، اور جب ولایت تشریف لے گئے تھے تو مراتبِ شاہانہ اُن کے ساتھ برتے گئے۔ اور اِس میں تو ذرا بھی شبہ نہیں کہ مِن حَیثُ الاختیارات [324] بادشاہِ دکن ہیں۔ نواب صاحب مدارُالمہام ہیں، اور اُن کے نیچے چار صدرُالمہام۔ صدرُالمہام مال گزاری، جیسے تمھارے یہاں بورڈ آف ریوینو، اور صدرُ المہام کوتوالی، یعنی انسپکٹر جنرل پولیس، اور صدرُالمہام عدالت، یعنی ہائی کورٹ، اور صدرُالمہام متفرقات، یعنی تعلیمات، طبابت، ڈاک، تعمیرات، صفائی وغیرہ۔

324۔ اختیارات کے اعتبار سے

چوں کہ میں صیغۂ مال کا ملازم ہوں، ہم کو مدارُالمہام اور صدرُالمہام سے تعلق ہے۔ ہمارے صدرُالمہام مال گزاری نوّاب مکرّم الدّولہ بہادر ہیں، نوّاب صاحب اَدَامَ اللّٰہُ دَوْلَتَہٗ کے بھانجے اور داماد۔ مولوی مہدی علی نوّاب صاحب کے معتمد علاقۂ مال گزاری ہیں، یعنی ریونیو سکرٹری۔ اور دستور رتن جی پارسی معتمد صدرُ المہام مال گزاری، یعنی سکرٹری ٹو دی بورڈ آف ریونیو۔ صدرُالمہام مال گزاری کے تحت میں پانچ سمتیں یعنی پانچ قسمتیں ہیں: شمالی، شرقی، جنوبی، شمالی غربی، غربی؛ لیکن صدرُالمہام مال گزاری صرف مال کے حاکم ہیں، اور صدر تعلقہ دار اپنی سمت میں کل محکموں کا حاکم ہے۔

نوّاب صاحب نے مجھ کو بلا کر فرمایا کہ بندوبست کی نسبت تو تمھاری راے انتظام کے خلاف ہے، اور میں تمھاری راے کے ساتھ متفق ہوں؛ پھر سواے اِس کے کہ تم صدر تعلقہ داری کرو، اَور کوئی عہدہ تمھارے لائق نہیں۔ میں نے عذر کیا کہ بندوبست ایک محدود اور منفرد کام ہے، اور اُس کی نگرانی چنداں دشوار نہیں، لیکن صدر تعلقہ داری میں بڑی جواب دِہی اور ذمّہ داری ہے ۔ اگر مَیں اِس کو اختیار کرلوں تو علاوہ محنت کے چار صدرُالمہاموں کی ماتحتی ایک عذاب ہے۔ میں اِس خدمت سے معاف رکھا جاؤں۔ میں اُسی خدمت کو پسند کرتا ہوں جس کے لیے بلایا گیا ہوں۔ لیکن نوّاب صاحب نے بہت اصرار کیا، اور خاص مہربانی سے دو سَو کا اضافہ بھی منظور فرمایا۔ اُس پر بھی میں نے انکار کیا تو فرمایا کہ بارہ سَو سے زیادہ کا تو ہمارے یہاں دستور نہیں۔ اگر تم کو زیادہ دوں سب صدر تعلقہ دار فریاد کرنے لگیں۔ لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ میں تمھاری خاطر سے صدر مددگارِ مال ایک نیا عہدہ چار سو روپیہ کا منظور کروں، اُس پر تم اپنے کسی عزیز کو رکھ لو۔ جب یہاں تک نوبت پہنچی تو میں نے زیادہ اصرار کرنا سوءِ ادب سمجھ کر قبول کرلیا، مگر اِس طرح پر کہ میرا اصلی عہدۂ نظامتِ بندوبست باقی رہے، اور میں ناظمِ بندوبست و مُنصرِم صدر تعلقہ دار لکھا جاؤں۔ اِس میں یہ مصلحت مضمر تھی کہ ناظمِ بندوبست کا بھتّا دو سَو چالیس بھی مجھے ملے گا۔ الغرض وہ وعدۂ تکمیلِ تنخواہ جو تین برس میں پورا ہونا چاہیے تھا، خدا کے فضل وکرم سے اِس قدر جلد پورا ہوگیا، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. جب مجھ کو مددگار کی اجازت ملی تو میرا

خیال کی طرف دوڑا، آخر بدیں نظر کہ دیر کرنے میں قباحتیں ہیں، مولوی احمد حسن کو نام زد کر دیا، اور مولوی احمد حسن کی جگہ شرف الحق کو۔

ہمارے نوّاب صاحب اِس طرح کے سخی اور سیر چشم آدمی ہیں کہ جو مانگو سو لو۔ مثل دوسرے ہندوستانی رئیسوں کے احمق ولایعقل نہیں ہیں۔ اپنے وقت کا یہ شخص ارسطو وافلاطون ہے۔ کریمُ النفس اور مروّت اِس درجے کی ہے کہ لا اور نہیں اور نو منہ سے نہیں نکلتا۔

بشیر! یہ بڑا عمدہ اصول ہے۔ مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ فَلَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ.[325] تم نوّاب صاحب کے احسانوں پر نظر کرو۔ روزِ روانگیِ اعظم گڈھ سے مجھے تنخواہ دی، کرایۂ ریل مع ہمراہیان دیا، دَورے میں فیل خانۂ خاص سے ایک ہاتھی سرکاری طور پر ساتھ کر دیا، منشی رفیع الدّین، مولوی احمد حسن، شرف الحق کو نوکر رکھ لیا، میری ترقّی کر دی۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا.[326]

بشیر! ایک تمھارے دوست اَور تشریف لائے۔ یہ وہ لڑکا ہے جو اعظم گڈھ بھی گیا تھا۔ غالب ہے کہ اُس نے تم سے میرا پتا پایا، اور دہلی میں تمھارے پاس رہا یا ٹھیرا۔ اگر تم ایسے نالائق اور بد وضع لڑکوں سے تعارف اور ملاقات رکھتے ہو تو تم بھلے مانَس رہ نہیں سکتے۔ بشیر! ذرا احتیاط کرو، قرآن میں آیا ہے: مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ.[327] اِسی طرح کے آدمیوں پر شیطان کا اطلاق کیا گیا ہے۔

ہر چند تمام دنیا تقدیر کی قائل ہے، اور واقعاتِ دنیا پر نظر کی جائے تو چار وناچار تقدیر کو ماننا پڑتا ہے، مگر انتظامِ الٰہی یہ بھی ہے کہ دنیا عالمِ اسباب ہے، اور کل آدمی اسباب مہیا کرنے میں لگے ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ دنیا میں جو کامیابیاں مجھ کو حاصل ہوئیں،

---

325. جس نے آدمی کی شکر گزاری نہیں کی اس نے خدا کی شکر گزاری نہیں کی۔
326. اور اگر خدا کی نعمتوں کو شمار کرو اس کا ٹھکانا نہ پاسکو۔ آیتِ قرآنی ہے۔
327. پوری آیت یوں ہے: الذی یوسوس فی صدور الناس، من الجنة والناس، یعنی جو کہ وسوسہ ڈالتا ہے لوگوں کے سینوں میں، جنّوں اور آدمیوں میں سے۔

یقیناً میری قابلیت سے فزوں تر ہیں، اور میری سعی کو اُن میں دخل نہیں۔ جب کوئی چیز بے طلب اور بے جستجو دی جائے تو میں کیوں کر اُس کو اپنی سعی کی طرف منسوب کرسکتا ہوں، لیکن خدا جانے خوشامد سے یا کسی دوسری وجہ سے لوگ یہی کہتے ہیں کہ مجھ کو جو کچھ ہوا، اہلیت اور استحقاق سے ہوا، نہ بخت واتفاق سے۔ میں نے جو کچھ ابتدائے عمر میں لکھ پڑھ لیا تھا، چاہے اُس نے مجھ کو نوکری نہ دلوائی ہو مگر ہر حالت میں مجھ کو خوشی تو ضرور پہنچائی ہے۔ مَیں اَقران واَمثال میں ممتاز رہا ہوں؛ پس ضرور ہے کہ جس چیز کا نفع میں نے حاصل کیا، تم کو بھی اُس کے حاصل کرنے پر آمادہ کروں۔ چناں چہ ہمیشہ تم کو لکھتا رہا ہوں کہ پڑھو لکھو، کمال حاصل کرو، مگر تم میرے کہنے کی مطلق پروا نہیں کرتے حال آں کہ تمھارے کمال کا نفع تمھی کو پہنچے گا، نہ مجھ کو۔

برسات یہاں اب کی بار بھی کم رہی۔ مُفصّلات میں بعض مقامات پر چار میر کی نوبت پہنچ گئی۔ اَللّٰھُمَّ لَا تُعَذِّبْنَا بِقَلِیْلِ رِزْقِنَا بِجَاہِ نَبِیِّکَ،[328] آمین. فقط

۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۲۹۴ھ

[مطابق ۲/ جولائی ۱۸۷۷ء]

[خط: 66]

اب تمھارے مزاج میں ایک کیفیت پیدا ہوتی جاتی ہے کہ تم کو نصیحت بُری لگتی ہے، لیکن نصیحت کرنا میرا اختیارِ لازی ہے۔ تمھاری دھمکی سے میں اپنا اختیار چھوڑ نہیں سکتا۔ اگر تم مجھ کو برسرِ غلط جانو تو مت مانو، لیکن بابِ نصیحت کا مفتوح رہنا تمھارے حق میں اچھا ہے۔

تمھارا آج کا خط تو غضب کی خبریں لایا۔ ... کا مرنا سیّد کے مرنے سے بھی

328. خدایا اپنے نبی کی طفیل میں ہم پر قلیلِ رزق کا عذاب مت کر۔

بھاری ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

ع   ایں ماتمِ سخت ست کہ گویند جواں مُرد

جب ...اور ...کی حالت پر نظر کرتا ہوں تو جی بے چین ہو جاتا ہے۔ خدا اُن کو کسی طرح صبر دے، اور ہم غافلوں کو عبرت! فقط

۵/ جولائی ۱۸۷۷ء

[خط: 67]

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَالْقَلْبُ مُشْتَاقٌ اِلَیْکَ.

ہمارے یہاں تاریخوں کا بڑا خلط مبحث ہے۔ تنخواہ تو فارسی مہینوں کے حساب سے ملتی ہے۔ اُس میں یہ فائدہ سوچا گیا ہے کہ انگریزی مہینوں کی طرح ہر مہینے کے دن مقرر ہیں۔ اختلافِ رُویت سے شمارِ ایام میں اختلاف واقع نہیں ہوتا۔ انگریزی میں ۳۱/ دن کا مہینا بڑا نامبارک سمجھتے تھے، یہاں خدا کے فضل سے ۳۲ کا مہینا بھی ہے۔ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَی النَّبَّاشِ الْاَوَّل.[329] دوسرے عربی مہینے کہ مراسلت کے کام میں لائے جاتے ہیں، اور صدر سے لے کر مُفصّل تک کُل دفتروں میں عربی مہینے مستعمل ہیں؛ تیسرے تمھارے انگریزی کہ بے اُن کے تم نہیں سمجھتے، اور نہ رزیڈنسی کے معاملات چلتے ہیں۔ یہاں کا سکّہ بھی تمھارے گورنمنٹ کے روپیہ سے کم ہے، عموماً ۳/ بٹلہ لگتا ہے مگر بازار کے بھاؤ سے کم وبیش بھی ہوتا رہتا ہے، جیسے روپیہ اور پونڈ شلنگ کا اِکسچینج بدلتا رہتا ہے، ویسے یہاں

329. خدا کی رحمت پہلے کفن چور پر، یہ عربی کی کہاوت اس طرح پر ہے کہ ایک شخص کفن کھسوٹ تھا اور لوگ اس کے ہاتھ سے نالاں، آخر وہ مرا تو لوگ بہت خوش ہوئے لیکن اس کے بعد اس کا بیٹا وہی کام کرنے لگا لیکن یہ پاجی کفن چرا لینے کے علاوہ مردے کی بے حرمتی بھی کرتا تھا، جب لوگوں کو معلوم ہوا تو کہا بلا سے پہلا ہی کفن کھسوٹ اچھا تھا، خدا اس پر رحمت کرے!

حالی[330] اور کمپنی کا نرخ یکساں نہیں رہتا۔

۷/ جولائی ۱۸۷۷ء، حیدرآباد

[خط: 68]

مجھ کو سرکار سے سمتِ شمال کی صدر تعلقہ داری کا چارج لینے کا حکم مل چکا۔ کل پرسوں تک انشاء اللہ پٹن چرو جاتا ہوں جو کہ مستقر سمت ہے۔ حیدرآباد سے پٹن چرو نو کوس ہے، اور بنگلم پلی اسٹیشن سے پانچ میل۔

میں تمھارے خط اس سے زیادہ چاہتا ہوں کہ تم ابھی تک بھیجتے رہے ہو۔ یہاں کی ڈاک پیڈ و بیرنگ دونوں نامنتظم ہے۔ سبب کیا کہ جو خط تم بھیجو، وہ انگریزی ڈاک خانے سے ہو کر آتا ہے، اور دونوں سرکاروں میں نہیں بلکہ کم بخت ڈاک والوں کی ضد سے خط تلف ہوتے ہیں۔ ہمارے یہاں ڈاک کو تپا کہتے ہیں، اور یہاں کے ٹکٹ علیٰحدہ ہیں۔

تم نے چند روز سے اِس کو لازم سا کرلیا ہے کہ خط میں لکھنے پڑھنے کا مطلق تذکرہ نہیں ہوتا۔ تمھارے علمی خطوط سے میری طبیعت شگفتہ ہوتی تھی، اب تم کیوں دریغ کرتے ہو؟ اگر تم اِس ملک میں آنا چاہو تو فارسیت کو بڑھاؤ۔ تم کو سبقاً سبقاً شاید پڑھنا ضرور نہ ہوگا۔ مطالعہ کافی ہے، اور جس کی طرز مطبوع ہو، اُس کی تقلید۔

بیوی صاحب کا خوش ناخوش رکھنا تمھارے اختیار میں ہے۔ یہ امر تم سے مخفی نہیں ہوگا کہ اُن کی دنیاوی امیدیں تم میں منحصر اور مقصور ہیں۔ فقط

۱۱/ جولائی ۱۸۷۷ء

---

330. حیدرآباد کا سکۂ رواجی حالی کہلاتا ہے۔ انگریزی سکے کو صورتی [یا کلدار] کہتے ہیں اور ایک سکہ نامروّج سکور [یا چکنی] ہے، حساب میں آتا ہے رواج میں نہیں۔

[خط: 69]

جب کہ میں ہر روز تمھارا خط چاہتا ہوں، تمھارا حال یہ ہے کہ ہفتوں بھی نہیں مہینوں میں خط لکھتے ہو؛ تمھارا اِس میں کون سا حرج ہے کہ دوسرے تیسرے دو سطریں لکھ کر ڈاک میں ڈال دیا کرو۔ مولوی صاحب کا حال فی الواقع سخت افسوس کے قابل ہے۔ خدا اُن کو صبر دے! اگر چہ میں طریقۂ مرّوجۂ ماتم پُرسی کو ناپسند کرتا ہوں مگر تمھارے کہنے سے میں نے خط لکھا۔ مشکل ہے کہ مولوی عبدُالرّب صاحب کسی طرح کی تعزیَت[331] سے تسلّی پا سکیں، مگر بہ مُرورِ وقت آدمی خود بہ خود صبر حاصل کرتا ہے، گو ایسا صبر عندَ الشارع[332] نامحمود ہے۔

یہاں قحطِ شدید کے سامان ہو رہے ہیں۔ یہاں برسات ۱۵/ جون سے شروع ہوتی ہے۔ سَوا مہینا گزر گیا پانی نہیں، اور پچھلا برس بالکل خشکی میں گزرا۔ اگر امسال بارش نہیں ہوئی تو ایسی بڑی آفت ہوگی، جس کا کوئی تصوّر نہیں کرسکتا۔ خلق اللہ سخت پریشان ہے، بلھاری میں دو سیر، اور یہاں چار سیر اوسط نرخ ہے۔ اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہ.[333]

بشیر! اب تو ماشاء اللہ تمھاری انگریزی اچھی ہوگئی ہے۔ میرے خط میں جو انگریزی پرچہ عبدُ الواجد کے نام کا ملفوف تھا، وہ ضرور تمھاری عبارت ہوگی، بالکل غلطی سے پاک تھی۔ بشیر! ذرا عربی، ذرا عربی؛ نری انگریزی پڑھ کر آدمی مبہوت ہوجاتا ہے۔ خدا جانے یہ کیا وَبال ہے۔

---

331. تعزیت کا طریقۂ مروجہ یہ ہے کہ جو لوگ تعزیت کے لیے آتے ہیں اوبدا کر مردے کا ذکرِ خیر نکالتے اور اس کی یاد دہانی کرتے ہیں اگر چہ آخر میں تسلی کی باتیں بھی کرتے ہیں مگر یاد دہانی سے رنج تازہ کرتے ہیں۔

332. شارع کے نزدیک

333. خدا پناہ میں رکھے!

کیوں جی، میاں بشیر! ان دنوں آپ مُنقبض کیوں ہیں؟ نہ تو ہم کو کبھی اپنا کوئی سبق لکھتے ہو، نہ کوئی فرمایش کرتے ہو۔ بندۂ خدا! اس قدر جلد کیوں مُلول ہو گئے۔ ہم خود دنیا سے مُلول ہیں؛ یہاں آدم صورت بہت ہیں مگر آدمی نہیں۔[334]

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا

۲۰/ رجب ۱۲۹۴ھ
[مطابق ۳۱/ جولائی ۱۸۷۷ء]

[خط: 70]

یہ حال ہے دنیا کی بے ثباتی کا کہ مجھ کو اِس ملک میں آئے چوتھا مہینا ہے، اور چار شخصوں کی نَعی یعنی خبرِ مرگ پہنچ چکی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

ع کس کس کا رنج کیجیے کس کس کو روئیے

...کو خدا جنّت نصیب کرے، تمھاری والدہ کی اُمّ رَضاعی[335] تھیں۔ چھٹ پَن میں بیوی صاحب کو بیٹیوں کی طرح پالا، اور مجھ کو اُن کی وہ مہربانی جو میرے نکاح کے بعد کی تھی، اب تک یاد ہے۔ اَللّٰھُمَّ تَغَمَّدْھَا بِغُفْرَانِکَ وَاَسْکِنْھَا اَعْلٰیٰ جِنَانِکَ.[336]
جلالُ الدّین کا مرنا اُن کی بیوی اور اُن کے بچّوں کے لحاظ سے بڑی حسرت کی بات ہے۔

334. حیدرآباد بھی مردم خیز نہیں رہا اور آب وہوا کے اعتبار سے کوئی وجہ نہیں کہ وہاں کے لوگ ذہین ہوں۔ گویائی اور قوتِ ادائے مطلب سے تو سارے کا سارا ملک بے نصیب ہے۔[یہ پہلی حالت تھی، اب اس میں آسمان زمین کا فرق ہے وہاں کے لوگوں نے اس قدر ترقّی کی ہے کہ اب غیر ملکیوں کی ضرورت نہ رہی۔]

335. دودھ پلائی ماں

336. خدایا ان کو اپنی آمرزش سے ڈھانپ اور اپنی اونچی بہشت میں آباد کر۔

افسوس ہے کہ میں ایسے مقام پر ہوں کہ نوٹ نہیں مل سکتے۔ اپنی والدہ سے کہو کہ حسبۃً للہ بہ قدرِ مناسب بیوہ اور یتیموں کی دل دہی اور خاطر داری کے طور پر کچھ خبر گیری کریں کہ مُوجبِ ثواب ہے۔

تم نے ہماری سلطنت کو اتنا ذلیل کیوں سمجھ لیا ہے۔ وہ جو یہاں ہے، وہاں نہیں؛ عزت، آبرو، بیش قرار تنخواہ۔ اور وہ جو وہاں ہے، یہاں نہیں: قاعدہ، قانون اور کامل اطمینان۔ باقی جو وہاں سو یہاں، جو یہاں سو وہاں۔ دلّی میں برائے نام ایک بادشاہ تھے جن کو لاکھ روپیہ مہینا پنشن کے طور پر ملتا تھا۔ تم نے اُن کو بھی نہیں دیکھا۔ میں نے یہاں ایک سلطنت دیکھی کہ پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ لاکھ سالانہ کے جاگیردار ہیں۔ غرض مسلمانوں کی سلطنت کی ایک یادگار ہے۔ خدا اِس کو باقی رکھے۔ آمین!

خشک سالی کی آفت تو امسال عالم گیر سی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں ابھی تک پانی نہیں برسا۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ قحطِ مکرّر کیسا اثر رکھتا ہے؛ لیکن خدا نہ کرے، پورا کال پڑے گا تو ایک عذاب ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا۔[337]

میری طرف سے ...کو چلے آنے کی اجازت ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اُن کو یہاں کے ڈیڑھ سو پسند ہیں، جب کہ اُن کو کارِ پیمایش کی نگرانی کرنی ہوگی؛ یا وہاں کے ساٹھ پسند ہیں درحالے کہ راجہ کی مصاحبت اور ہم نشینی ہے۔

ع ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند

اگر آنا ہے تو مجھ پر رائے دینے کا بار مت ڈالو۔ عواقبُ الامور[338] و مستقبلات کا علم خدا کو ہے۔ عَسٰىٓ اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسٰىٓ اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔[339] خلاصہ یہ کہ میرے طلب و تقاضے سے نہیں

337. ہم خدا سے اپنے دلوں کی بدیوں اور کرتوتوں کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔

338. انجام کار، امورِ آیندہ

339. شاید ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے لیے بھلی ہو اور شاید ایک چیز تم کو بھلی معلوم ہو اور وہ تمھارے حق میں بری ہو اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اپنے ارادے سے آئیں۔ میں اِتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ مجھ کو... اپنی جان کی طرح عزیز ہیں۔ اگر آئے تو اُن کے لیے سعی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا۔ فقط

۱۳/ اگست ۱۸۷۷ء

[خط: 71]

تم نے کسی سے سن لیا ہوگا کہ یہاں پانی برسا۔ ہم لوگ تو مینہ کو ترس گئے۔ چار سیر کا نرخ ہے جس کو میں نے فِیْ عُمْرِی[340] دیکھا کیسا، سنا بھی نہ تھا؛ اور یہ نرخ بھی رو بہ انحطاط[341] ہے۔ غرض برسات کا قوام تو اِس مرتبہ دنیا میں غضب بگڑا ہے۔ خدا خیر کرے! بلھاری میں دو سیر کا نرخ تھا، خدا جانے اب کیا حال ہے۔ پانی اگر ہے تو سنٹرل پراونسز یعنی مضافاتِ چیف کمشنری جبل پور میں؛ اُس سے اُترتا ہوا بمبئی، لیکن دو چار جگہ پانی ہوا بھی تو کیا ایک عالم کی پیاس کو بجھا سکتا ہے؟

ہمارے یہاں کی نئی خبر یہ ہے کہ چاند خاں بے طلب، ازخود بہ طورِ کلنگ پیش رو نوکرانِ گورنمنٹ آیا ہے۔ تم کو کرے کی کیا فکر، گوشتِ خردندانِ سگ۔ تم اپنی مراسلت مولوی احمد حسن اور عبدُالواجد سے کیوں نہیں جاری کرتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کبھی خط نہیں لکھتے؛ البتہ محبت دوا نہیں کہ زبردستی کسی کے حلق میں اتار دی جائے۔

میں تم سب کو اب تک کبھی کا بُلا چکا ہوتا، لیکن موسم کی حالت بہت نازک ہے، اور یہاں کے کال وہاں کے سے کال نہیں ہیں۔ عرب، سکھ، روہیلے، راجپوت، حبشی، سندھی، پیادے، سوار؛ نہیں معلوم کتنے ہزار ہیں، اور سب بجائے خود خودسر۔ اُس کے علاوہ ملک اتنا وسیع ہے کہ سیری سمت کا طول ڈیڑھ سو کوس اور تمام جنگل اور پہاڑ اور ندی اور نالے،

---

340. اپنی عمر میں

341. تنزل، کمی

اور آب وہوا اکثر مقامات کی رڈی، دورہ سال میں آٹھ مہینے۔ اِن سب باتوں پر نظر کرتے ہمّت قصور کرتی ہے۔ایک کال ٹل جائے تو خیر دوسرے اُمور چنداں مانع نہیں۔

ہر چند ابھی کوئی گزند محسوس نہیں ہوا لیکن اتنا تو ہے کہ طبیعت خوب چاق وچست نہیں رہتی، اور خدا جانے کیا بلا ہے کہ یہاں کے لوگوں میں نہ تو قوتِ آخذہ ہے اور نہ انتقالِ ذہنی۔ اور جس بات کو سمجھ بھی جاتے ہیں تو ناطقہ نہیں کہ ادائے مطلب کرسکیں۔ اور ہندوستانی بھی ایک مدّت کے بعد ذُل (ست) ہوجاتے ہیں۔ جب وہ وقت آئے گا تو بشیر! تم مجھ کو خوب چھیڑا کروگے۔ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا. میاں بشیر! برائے خدا ہمّت کرو، اور اپنی دنیا کو آپ سنبھالو۔ اب میری طبیعت پہلوتہی کرتی ہے اور جان سی چُرانے لگی ہے۔ کسی کا کیا اچھا شعر یاد پڑا ہے:

سَئِمْتُ تَكَالِيفَ الْحَيٰوةِ وَمَنْ يَّعِشْ
ثَمَانِيْنَ حَوْلًا لَّا اَبَالَكَ يَسْئَمِ[342]

۱۱/ شعبان ۱۲۹۴ھ
[مطابق ۲۱/ اگست ۱۸۷۷ء]

[خط: 72]

آج میں یہ خط بہت ہی افسردہ حالت میں لکھتا ہوں۔ افسردگی کا بڑا باعث قحط ہے۔ اِس گھڑی تک ایک بوند پانی نہیں۔ پونے چار سیر کی نوبت پہنچی، اور مصیبت یہ کہ اِس نِرخ کو بھی ثَبات نہیں۔ فصلِ خریف ،جس کو یہاں پوناس اور آبی کہتے ہیں، گئی گزری ہوئی، اور فصلِ ربیع کا ہفتے عشرے میں فیصلہ ہے۔ یہاں ملکِ تلنگانہ کی پیداوار تالابوں کی معموری پر منحصر ہے، اور غضب ہے کہ تمام تالاب سوکھے پڑے ہیں۔ خزانہ

342. میں زندگی کی تکلیفوں سے تنگ آگیا اور اسّی برس جو جیے تنگ آیا ہی چاہے۔ تمھیں خدا نیکی دے۔

خالی، آمد مسدود، خرچ آمدنی سے زیادہ، اعتبار مفقود؛ حیرت ہے کہ کیا ہوتا ہے۔ آج ایک معتبر بلدہ یعنی حیدرآباد سے خبر لایا کہ نوّاب صاحب سخت پریشان ہیں، ایک لمحہ اُن کو قرار نہیں، خدا خیر کرے! اور ایک اندرونی مفسدہ یہ ہے کہ نوّاب وقارُالامرا بہادر شریکِ مَدارُالمہام ہونے والے ہیں، اور نوّاب مختارُ الملک اور نوّاب وقارُ الامرا میں موافقت نہیں۔ سنا کہ نوّاب صاحب دیوانی سے مستعفی ہونے والے ہیں۔ اگر خدا نہ خواستہ ایسا ہوا تو ہم لوگوں کے حصّے کی قیامت آچکی، کیوں کہ ہم سب لوگ وابستۂ دامانِ دولتِ نواب صاحب ہیں۔ غرض، یہ ہندوستانی ریاستوں کے جھگڑے ہیں، جن کو سن کر سخت وحشت ہوتی ہے۔ میرے اِن تردُّدات پر تازیانہ یہ کہ مولوی برکتُ اللہ کے خط سے معلوم ہوا کہ ... اور ... روانہ ہوئے، اور مولوی ... بھی آنے والے ہیں۔ ہرچند ایسے وقتِ نازک میں کسی کا آنا بھی مصلحت نہیں، مگر خیر اپنے عزیز دعویِ قرابت سے بے پوچھے چلے آئیں تو مضائقہ نہیں۔ زید، عمرو، بکر کو میں کہاں تک سنبھال سکتا ہوں۔ یہ تمام بلا کم بخت چاند خاں کی لائی ہوئی ہے۔

ع اے صبا! ایں ہمہ آوردۂ تست

سب سے زیادہ تکلیف دہ وہ بات جو تم نے لکھی، یہ ہے کہ تم بگھی لینے کے واسطے روپے کی کمی کا عذر کرتے ہو۔ اوّلاً تو میں نے تم سے نہیں کہا کہ تم اپنی مقرّرہ تنخواہ سے بگھی اور گھوڑا لو، اور پھر اتنی خدمت گزاریوں اور توسیعِ نفقہ پر تمھاری شکایت سوائے اِس کے کہ آب وہوائے دہلی کا اثر کہوں، اور کیا سمجھ سکتا ہوں۔ کچھ تو میری عمر وحالت نے میرے تعلّقات کو ضعیف کردیا ہے، اور کچھ تم لوگوں کی ایسی جگرخراش باتیں مجھ کو بے دل کرتی جاتی ہیں۔ میرا اِس میں بھی فائدہ ہے۔ میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ دنیا سے مُلول اور بے دل اٹھ جاؤں۔ تم بگھی گھوڑا ٹھیراؤ اور میں روپیہ نہ دوں تبھی الزام دینا۔

توانم آں کہ نیازارم اندرونِ کسے
حسود را چہ کنم کو زخود برنج درست

تم نے مدرسے کے ایک لڑکے کا حال لکھا۔ بڑی عبرت کا مقام ہے۔ تُف ہے اُس

کم بخت کے اوّل ہونے پر جس کی حرکتیں یہ ہوں۔ خبردار! ایسے لڑکوں سے میل جول مت رکھو۔

دور شو از اختلاطِ یارِ بد
یارِ بد بدتر بوَد از مارِ بد
مارِ بد تنہا ہمیں بر جاں زند
یارِ بد بر جان و بر ایماں زند
صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند

فقط ۱۶/ شعبان ۱۲۹۴ھ
[مطابق ۲۶/اگست ۱۸۷۷ء]

[خط: 73]

پرسوں سے ہمارے یہاں ساڑھے تین سیر کا نرخ ہے اور یہ بھی آج گھٹا کل گھٹا۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نرخ انتظام ملک میں کیسا فتور ڈال سکتا ہے۔ یہاں کی حالت دیکھ کر مجھ کو سخت وحشت ہوتی ہے؛ اوّل تو یہ گرانی برداشت نہیں ہوسکتی، اور پھر اس اجنبی ملک میں ہر طرح کا خطر نظر آتا ہے؛ عموماً کل ہندوستانی دکھنیوں کی نظر میں خار ہیں، خصوصاً وہ جو خدماتِ جلیلہ پر ممتاز ہیں۔ پس جس ملک کا در و دیوار، اور زمین و آسمان دشمن ہو، وہاں ایسے پُرخطر وقت میں رہنا مجھ کو ہرگز مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اس سلطنت کو ہرگز انگریزی سلطنت پر قیاس مت کرو۔ وہاں نرے ایک قحط کی آفت ہوگی، اور یہاں ایک قحط کے ساتھ سیکڑوں آفتیں ہیں۔ آمدنی کے ابواب بالکل مسدود ہیں۔ خزانے کا جو حال ہے

سو معلوم، قحط زدوں کے پیٹ سے زیادہ خالی۔

۱۹/ شعبان ۱۲۹۴ھ
[مطابق ۲۹/اگست ۱۸۷۷ء]

[خط: 74]

مجھ کو اِس کے سننے سے بہت بہت بہت خوشی ہوئی کہ تم سب مضامین میں پاس ہوئے، لیکن اور بھی زیادہ خوشی ہوتی اگر تم اوّل یا دوم رہ کر پاس ہوتے۔ ابھی تمھارے امتحان بازیچۂ طفلاں ہیں؛ اُس امتحان کے لیے آمادہ رہو جس کے ساتھ عزّت و ناموری وابستہ ہے، یعنی یونیورسٹی کی ڈگری۔

ابھی تک میرے سفر و حضر کا ٹھکانا نہیں۔ میں اپنے خرچ سے کوئی اخبار نہیں لیتا لیکن گراں وارزاں پر کیا نظر کرتے ہو، مطالعۂ اخبار نہایت نافع چیز ہے۔ میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی اچھا سا اخبار لینا شروع کرو۔ اِس کو تم اور تمھارے استاد مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ کون سا اخبار بہتر ہے۔ تم کو زیادہ تر عمدگی عبارت اور مضامین علمی کی خوبی پر نظر رکھنی چاہیے، اور شاید ڈیلی[343] مناسب نہیں، بائی ویکلی[344] یا ویکلی،[345] تا کہ بالاستیعاب اور بالالتزام پڑھ بھی سکو۔ سستے اخبار پر نظر ہے تو ہندو پیٹریٹ سے بہتر نہیں مگر وہ پھر بھی ہندوستانی ہے۔ ایسا اخبار لو جس کا اِڈیٹر ولایت زا ہو۔

میں عن قریب مدراس اور میسور جانے والا ہوں تا کہ وہاں کے طریقۂ بندوبست سے آگہی پیدا کروں۔ نواب صاحب نے رزیڈنٹ سے رِکمنڈیٹری[346] چٹھیاں منگوا دی ہیں۔

343. روز والا، روزانہ
344. ہفتے میں دوبار والا، نیم ہفتہ وار
345. ہفتے والا، ہفتہ وار
346. تقریبی، سفارشی

تم نے کوئی ہندوستانی سرکار دیکھی نہیں، اور تم یہاں کا طرزِ انتظام سمجھ نہیں سکتے۔ یہاں آسمان پر چڑھ جانا اور تحت الثریٰ[347] میں گر جانا ایک بات ہے۔ جو لوگ کہ نوکر ہو گئے ہیں اُن میں سے مَیں کسی کو نوکر نہیں سمجھتا۔ ہر ملک کے سیکڑوں ہزاروں بڑے بڑے لائق برسوں سے پڑے جھک مارتے پھرتے ہیں، کوئی پُرسانِ حال نہیں، اور چوں کہ یہ ایک بہت بڑی ریاست ہے خلقِ خدا ہر چہار طرف سے ٹوٹ پڑی ہے؛ پھر یہاں کی کُل فردائے قیامت ہے، وعدہ اور حکم کوئی چیز نہیں۔ یہ بھی نواب صاحب کی قدر دانی اور مولوی مہدی علی کی مہربانی تھی، اور فی الاصل مجھ پر احسان کرنا منظور تھا کہ میرے عزیزوں کو عہدوں پر نام زد کر دیا ورنہ یہاں کون پوچھتا تھا۔ فقط

۱۹/ اکتوبر ۱۸۷۷ء

[خط: 75]

جناب... کی خدمت میں آداب کے بعد۔

میاں عبدالواجد نے اپنا مزاج ابھی تک مطلق درست نہیں کیا۔ سب سے ہمیشہ لڑتے جھگڑتے، اور مجھ کو بدنام کرتے۔ اِن نالائق اور کمینہ لڑائیوں کی خبریں تمام مشہور ہوتی ہیں جس کے سننے سے مجھ کو سخت ایذا ہوتی ہے۔ تنخواہ اُن کی ابھی تک واقعی نہیں ملی، اور یہاں نوابی کارخانے ایسے ہی ڈھیلے اور سست ہیں۔ اور کیسی نوکری اور کس کی تنخواہ؛ نواب صاحب کی بندہ نوازیاں ہیں ورنہ اِن لوگوں کو اَحدیوں[348] کی طرح پڑے رہنے کے سوائے کچھ کام نہیں۔ میں نے جو کچھ روپیہ بھجوایا، میری تنخواہ کا تھا۔ انگریزی تنخواہ اب تک ایک کوڑی وصول نہیں ہوئی۔ ہر کام میں دیر، ہر معاملے میں توقف یہاں کا دستور ہے۔

347. زیرِ زمیں

348. بادشاہی وقتوں میں جو لوگ نکمے پڑے تنخواہیں پاتے تھے، احدی کہلاتے تھے۔

مولوی احمد حسن نے اپنے والد کو بھی کچھ روپیہ بھیجا ہے۔

ع پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت ست

بیٹے کی نوکری پر نازاں ہیں، اور یہاں یہ حال ہے کہ آج ہے تو کل نہیں، مطلق بے اعتبار و بے ثبات۔ ایسا نہ ہو کہ مولوی احمد حسن کی اتنی بڑی نوکری سن کر والد بزرگ وار پاؤں پھیلائیں۔ اُنھوں نے لَیۡتَ الشَّبَابَ یَعُوۡدُ [349] کسی کتاب میں دیکھ لیا ہے۔ اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہ. فقط

۱۸۷ء

[خط: 76]

بیوی صاحب کو سلام کے بعد۔

میں نے رخصت کی درخواست کی تھی۔ بڑی حجت کے بعد منظور ہوئی، لیکن پھر جو غور کیا تو جانا کچھ مناسب سا نہیں معلوم ہوتا۔ ہرچند رخصت پر جانے میں میرا ذاتی چنداں نقصان نہیں، مگر ساتھ والوں کی بڑی خرابی ہے۔ تم ایسے مطمئن ملک میں رہتی ہو کہ تم یہاں کے حالات مشکل سے سمجھو گی۔ ہندوستانی ریاست ہے، اور ہم چند جلیل القدر ہندوستانیوں کا یہ حال ہے کہ در و دیوار دشمن ہو رہا ہے، اور وجہِ عداوت یہ ہے کہ ہم لوگ بڑے عہدوں پر ہیں، اور بڑے اختیار رکھتے ہیں۔ ہندوستان میں تو کہیں روٹی کا ٹھکانا نہیں، ساری خلقت یہیں ٹوٹ پڑی ہے؛ خاص کر ہمارے ہم وطن ہی ہمارے سخت دشمن ہیں۔ دیکھ کر جلتے اور بیخ کنی [350] میں لگے رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں ایک دم کے لیے بھی نوکری سے جدا ہونا مصلحت نہیں معلوم ہوتا۔ یہاں ایک دن میں کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے نہ کہ مہینا۔

349. اے کاش جوانی پھر آتی!

350. جڑ کھودنے

البتہ چھوٹے عہدے والے اور گم نام آدمی بڑے مزے میں ہیں۔ قاعدہ ہے کہ آندھی سے اگر خطر ہے تو بڑے بڑے اونچے درختوں کو نہ جھاڑی اور گھاس کو۔

أَمَا تَرَى الرِّيْحَ إِنْ هَبَّتْ عَوَاصِفُهَا
فَلَيْسَ تَعْصِفُ إِلَّا مَا هُوَ الشَّجَرُ [351]

غرض پس وپیش سوچ کر رخصت کا ارادہ فسخ کیا۔ اب میرا ارادہ ہے کہ تم سب کو بلوا لوں؛ ظاہرا اب تمھارے آنے میں کوئی وجہ مانع نہیں۔

وہاں تم کو بڑا ضروری کام بشیر کی شادی ہے۔ اب زیادہ دیر کرنی کسی طرح مناسب نہیں۔ تم یہ بوجھ میرے سر پرڈال کر فارغ ہو بیٹھیں۔ میں بہت خوشی سے اس بوجھ کو اُٹھاتا، اور اُس کے سرانجام میں کوشش کرتا، لیکن نوکری کے پھندوں میں اِس طرح مبتلا ہوں کہ تم کو معلوم ہے۔ ...صاحب کو متواتر خط لکھے۔ اُن کا یہ حال ہے کہ کبھی بات صاف نہیں کہتے، اور اِس قدر خوشامد آمیز باتیں کرتے اور لکھتے ہیں کہ اُن میں سے جھوٹ اور سچ اور واقعی اور غیر واقعی کا امتیاز نہیں ہوتا۔ یہ مجھ کو خوب یقین ہے کہ اُن کو یہ رشتہ منظور ہے، اور پسند بھی ہے مگر اُن کی لڑکی چھوٹی ہے، اور کچھ امیری چوچلے۔ غرض اُن کو وہ جلدی نہیں جو مجھ کو ہے، اور تم کو گو نہیں مگر ہونی چاہیے۔ کبھی میں یہ غور کرتا ہوں کہ وطن تو بجنور اور رہنا دلّی میں اور نوکری حیدرآباد میں اور سمدھیانا اعظم گڈھ میں، یعنی سارے ہندوستان میں پاؤں پھیلانے ہیں۔ ...صاحب بیٹی کے بیاہ میں ایسے سامان کریں گے کہ ہماری طرف سے بہ وجہ مسافرت اُن کی مرضی کی موافق سرانجام ہونا معلوم، اور پھر بیٹی کے بھیجنے بلانے میں ہمیشہ حجت ہوا کرے گی۔ ہم کو روپیہ اور جہیز کچھ درکار نہیں، اور نسب میرے نزدیک کوئی چیز نہیں، اور اگر انگریزی عمل داری رہی اور ضرور رہے گی تو نسب رفتہ رفتہ عیب ہو جائے گا۔ پس جو چیز ہم کو درکار ہے کہ لڑکی کی صورت اچھی ہو، عجب ہے کہ دلّی جیسے شہر میں ایک شرط پوری نہ ہوسکے مگر تم مطلق فکر نہیں کرتیں۔ اب تم کو خدا نے بیٹیوں کی طرف سے اطمینان دیا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ. بشیر کا حق بھی ادا کرو۔

351. کیا ہوا کو نہیں دیکھتے کہ جب اس کے سخت جھونکے آتے ہیں تو نہیں اڑا لے جاتے لیکن درخت۔

اوّل تو بشیر کے لحاظ سے تم کو متوجہ ہونا چاہیے، دوسرے یوں سمجھو کہ میری مدد کرتی ہو۔ اب بشیر کے بیاہ میں دیر کرنا حقیقت میں بشیر پر ظلم کرنا ہے۔ اگر تم کو یہ خیال ہو کہ بشیر کی دُلھن کو میں ناپسند کروں گا، سو مجھ کو کامل بھروسا ہے کہ تمھارا انتخاب ضرور عمدہ اور پسندیدہ ہوگا؛ اور بات صاف تو یہ ہے کہ خانہ داری کی بنیاد آپس کی محبت اور سازگاری ہے، اور یہ امر تقدیری ہے؛ آدمی کی سعی اور تدبیر کو اِس میں بہت کم دخل ہے ۔ پس مُتَوَکِّلاً عَلَی اللّٰہ کہیں کرو مگر جلد کرو۔ فقط

۱۸۷۷ء

[خط: 77]

میاں بشیر!

میں ابھی تک حیدرآباد میں ہوں مگر رزیڈنٹ صاحب کی تقرری چٹھیاں آگئی ہیں، اور مجھ کو بندوبست کا کام دیکھنے کے لیے میسور اور مدراس جانے کا حکم ہے۔ انشاء اللہ چار پانچ دن میں میسور کا ارادہ ہے؛ جاتے وقت تم کو اطلاع دوں گا۔

شرف الحق کی تعیناتی ضلع نلدرگ کو ہو گئی ہے۔ مجھ کو اِن لڑکوں پر اطمینان نہیں، اور میں اِن کا جدا ہونا پسند بھی نہیں کرتا تھا، مگر میری سمت میں ابھی بندوبست کا کام جاری نہیں، اور بندوبست کے بدون تنخواہ مل نہیں سکتی، اِس وجہ سے مجبور ہو کر انتظام کیا گیا۔

گو خطوط بہ دیر پہنچیں یا نہ پہنچیں، تم رَجْمًا بِالْغَیْب[352] بھیج دیا کرو تا کہ سلسلہ منقطع نہ ہو۔

میں نے ... کو ایسا خط لکھ دیا ہے جس سے بات کا میری طرف سے اِنقطاع سا

352. اٹکل پچو، جیسے بے دیکھے نشانہ لگاتے ہیں۔

ہو گیا ہے۔ بشیر! کیوں نہیں تم اپنا بیاہ اپنی تجویز سے کرتے۔ تمھارے باپ نے بھی اپنا بیاہ اپنی ہی تجویز سے کیا تھا؛ تم بھی اُسی باپ کے بیٹے ہو، خود کرو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں نے اپنے باپ کے مَرے پیچھے کیا، تم میری زندگی میں کرو؛ اور کیا معلوم ہے کہ جب تم ایسا کرو میں رہوں یا نہ رہوں۔

تم تحصیلِ علم میں یوماً فیوماً اپنی توجہ زیادہ مصروف کرتے جاؤ۔ اب بہت تھوڑا وقت تحصیل کے لیے باقی رہا ہے۔ فقط

۴/اپریل ۱۸۷۸ء

[خط: 78]

میں نے جیسا تم کو پہلے چند بار لکھا تھا، میں بنگلور آیا۔ یہ جگہ میسور پرَاونسز کا دارالحکومت ہے۔ راجہ میسور نابالغ ہیں، اور پرَاونس بہ طور کورٹ آف وارڈز سرکارِ انگریز کے پاس ہے۔ تمھارے پاس کوئی نقشہ ہو تو دیکھو کہ میں کس جگہ ہوں؟ میرے پاس ایک نقشہ ہے جو ریل روڈ دکھاتا ہے۔ دلّی سے یہاں تک ریل ہے، مگر عجب پیچیدہ اور خم دار راہ ہے کہ مسافت اَضعافاً مضاعفہ طے کرنی پڑتی ہے۔ میں یہاں ایک نہایت عمدہ، عالی شان، مکلّف، آراستہ مکان میں فروکش ہوں۔ صرف رمضان علی ساتھ ہے۔ تنہائی سے گھبراتا ہوں۔ فقط

۲۷/اپریل ۱۸۷۸ء از بنگلور

[خط: 79]

میں تم کو بنگلور سے چلتے چلتے خط لکھ رہا ہوں۔ اس سے کہ تم نے انٹرنس کلاس میں ترقی کی، مجھ کو نہایت خوشی ہوئی۔

بشیر! نوکری اور رزق تو مقدّر ہے، مگر لیاقت عجب چیز ہے۔ ساری عمر آدمی کو مسرّت دینے والی چیز عُسر اور یُسر دونوں میں لیاقت ہے۔ میرا اعتداد لائقوں میں نہیں، اور مجھ کو زمانے نے لیاقت حاصل کرنے کی مہلت نہیں دی، اور جو وقت کسبِ کمال کا تھا وہ ایسی بے سروسامانی اور مصیبت میں گزرا کہ اتنا لکھ پڑھ لینا بھی تعجب معلوم ہوتا ہے، مگر اُس اضطرار میں جو دو چار حرف پڑھ لیے تھے، مَیں نہیں کہتا کہ نوکری اُن کی وجہ سے ہے کیوں کہ مجھ سے زیادہ لائق جوتیاں چٹخاتے پڑے پھرتے ہیں، اور نانِ شبینہ کو محتاج ہیں اور نہ میں اِس کا معتقد ہوں کہ غدر میں مسز لیسن[353] کی حفاظت بہ وسائط میری نوکری کا سبب ہوئی، اِس لیے کہ خود لیسن کی حقیقت معلوم ہے، مگر اتنا ضرور میں کہوں گا کہ اب تک جہاں گیا اور جس جگہ رہا، کسی سے میری آنکھ نیچی نہیں ہوئی، اور مجھ کو اِس بات کے جاننے سے ضرور خوشی ہوئی کہ لوگ مجھ کو نالائق نہیں جانتے۔ اگر تمھاری طرح مجھ کو ایک امیر باپ ملا ہوتا، اور تمھاری طرح آسودگی اور عافیت مجھ کو حاصل رہی ہوتی، جب کہ میری عمر حاصل کرنے کی تھی تو بشیر! یقین جانو کہ آج مَیں یکتائے روزگار ہوتا، کیوں کہ شکر ہے میرے سر میں اچھا بھیجا رکھا گیا ہے، لیکن مردِ خدا! جو مجھ سے نہیں ہوسکا سو تم کرو۔

ع	اگر پدر نتواند پسر تمام کند

رہی نوکری تھوڑی بہت جو تقدیر میں ہے، سو تو کرو ہی گے، مگر اِقتضائے ہمّت یہ ہے کہ آدمی اَقران واَمثال میں ممتاز ہو۔ جدھر نکل جائے انگلیاں اٹھیں کہ وہ چلے، جس

353. [مسز لیسن: غدر میں میاں بشیر کے نانا مولوی عبدالقادر صاحب نے ایک میم کی جان بچائی تھی۔]

مجمع میں بیٹھے، صدرِ انجمن ہو۔ بی اور اے دو حرف عجب مقبول حرف ہیں کہ جس کو مل جاتے ہیں ساری عمر سرمایۂ فخر ہوتے ہیں۔ خیر وہ مرحلہ تو آگے ہے مگر انٹرنس کا پاس کرلینا تو کچھ بڑی بات نہیں۔ ادنیٰ ادنیٰ کوڑھ مغز لونڈے انٹرنس پاس کر لیتے ہیں۔ ابھی سے غور کرو کہ کس چیز میں خامی ہے؟ اور ابھی سے اُسی چیز پر زیادہ توجہ کرو؛ سبب کیا ہے کہ وہ خامی پختگی سے مُبدّل نہ ہوجائے۔ محنت شرط ہے، مسلسل اور متصل محنت میں عجب برکت ہے۔ ابھی سے وہ تیاری کرو جو غافل اور کاہل لڑکے امتحان کے قریب میں کرتے ہیں۔ میں شکر کرتا ہوں کہ تم اچھے بیٹے ہو لیکن نام و نمود حاصل کر کے مجھ کو بھی چند روز کے لیے خوش ہو لینے دو، اور نام و نمود کے جو فائدے مُترتّب ہوں گے، وہ تمھارے ذاتی فائدے ہیں، اُن کا مَیں متمنّی نہیں۔

۲۴/مئی ۱۸۷۸ء بنگلور

[خط: 80]

میں ۲۵/مئی کی صبح کو مدراس داخل ہوا۔ مجھ کو اُمّید نہیں کہ یہاں کے قیام کو اِس قدر اِمتداد ہو کہ تمھارا خط آسکے۔ کل مَیں سمندر کے کنارے گیا تھا؛ کنارے پر اِس قدر تموّج رہتا ہے کہ دیکھ کر خوف آتا ہے۔ بڑے بڑے جہاز کنارے سے دور اندر ٹھیرتے ہیں، اور وہاں تک ڈونگی یا کشتی میں جانا پڑتا ہے، مگر سمندر کے اندر ایسا حال نہیں۔ اور اُس کی وجہ ظاہر ہے کہ پانی کے اجزا ایک دوسرے کی مُدافعت اور مُقاومت کرتے ہیں، اور تموّج فنا ہو جاتا ہے، مگر کنارے پر مُدافع اور مُقاوِم نہیں اِس وجہ سے تموّج محسوس ہوتا ہے۔ عاج میں مُدافعت کی قوت زیادہ ہے۔ اگر کئی گولیاں اِس طور پر لٹکائی جائیں:

لکڑی
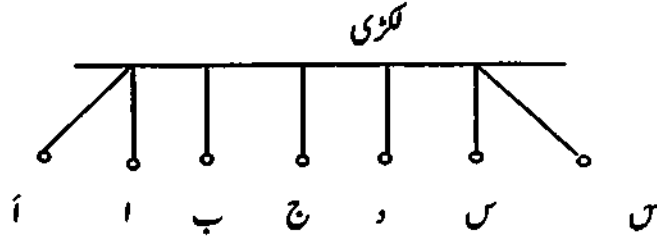
اور پھر آ گولی کو آ مقام پر لے جا کر چھوڑ دیں تو وہ گولی ب کو، اور ب ج کو، اور ج د کو، اور د س کو صدمہ پہنچائے گی مگر اس سے نتیجہ یہ ہوگا کہ آ ب ج د تو اِس طرح ساکن رہیں گی کہ گویا اُن کو صدمہ نہیں پہنچا، صرف اخیر گولی س اُس صدمہ سے مقام سَ پر اُچٹ کر جا رہے گی۔ یہ مسئلہ علمِ طبعی کا ہے؛ بعینہٖ یہی حال سمندر کے پانی کا ہے۔

مدراس شہر کاہے کو ہے، آدمیوں کا جنگل ہے۔ کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ کلکتہ چھوڑ کر ہندوستان کے کل شہروں سے بڑا ہے۔ انگریزی کا اس قدر رواج ہے کہ بی اے سوداگروں کے یہاں دس دس بلکہ اِس سے کم پر چٹھی نویسی کرتے ہیں۔ مدراس، بنگلور دیکھنے سے مجھ کو یقین ہوا کہ اب سے ستّر یا غایت درجہ سو برس بعد بہ شرطِ بقائے عمل داریِ انگریزی ہماری ملکی زبان انگریزی ہو جائے گی۔ اِن دو شہروں میں انگریزی کی یہ کثرت ہے، اور ضرور یہی حال کلکتے اور بمبئی کا ہوگا کہ بازاری کنجڑے، بھٹیارے خاصی انگریزی بولتے ہیں۔ چوں کہ یہاں کی زبان تلنگی، اردی، کنڑی سمجھ میں نہیں آتی، انگریزی داں اپنا کام نکال لیتا ہے۔ فقط

۲۷/ مئی ۱۸۷۸ء

[خط: 81]

تم نے مولوی مہدی علی کا پتا ترک کر کے دوسرا پتا کیوں اختیار کیا۔ میں بہ دستور مولوی صاحب ہی کے پاس ٹھیرا ہوں، اور دوسری جگہ ٹھیر بھی نہیں سکتا۔ بجنور جانے کا

مضائقہ نہیں لیکن کوئی نفع بھی نہیں۔

دہ مرد، دہ مرد را احمق کند
عقل را بے نور و بے رونق کند

میں اِس کو زیادہ پسند کرتا کہ تم تعطیل میں علی گڑھ جاتے، اور سیّد احمد خاں صاحب کے پاس رہ کر استفادہ کرتے۔ تمھارے خیالات کو اُن کی صحبت سے بہت نفع ہوتا۔ ابھی شرف الحق کے لیے کوئی تجویز معقول نہیں ہوئی مگر تحریک ہو رہی ہے۔ ہر کام میں دیر، ہر چیز میں دِرَنگ یہاں کا عام دستور ہے، اور پھر بے ثباتی۔ باوجودے کہ مجھ کو یہاں آئے چھ مہینے ہو چکے لیکن وہاں کے اعتبار سے اُٹھاؤ چولھا سا ہو رہا ہوں۔ ہر روز مَیں تبدُّلِ حالت کا منتظر ہوں، اور تبدُّلِ حالت میری طرف متوجہ ہے۔ اب تم انگریزی ایسی لکھتے ہو کہ مجھ کو مشکل سے غلطی ملتی ہے۔ اخبارِ انگریزی کا مطالعہ اور اُس کا طرزِ مطلب خیال میں رکھنا بہت مفید ہوگا۔ عربی جو تمھارا موروثی علم ہے، اُس کی طرف تم کو مطلق توجہ نہیں؛ افسوس!

[خط: 82]

میاں بشیر! میاں بی بی میں جو تعلّق ہے، وہ پیار اور ہیبت کا تعلّق ہے، یعنی دونوں ایک دوسرے سے محبت رکھیں، اور میاں کی وقعت اور ہیبت بی بی پر ہو۔ شاید تم کو شبہ ہو کہ محبت اور ہیبت دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں؛ ایسا شبہ بے جا ہے۔ استاد اور شاگرد، اور حاکم اور رعایا میں بعینہٖ اِسی طرح کا تعلّق ہے۔ عورتیں بہ وجہ نقصانِ عقل و جہل و نادانی کے ممکن نہیں کہ اُمورِ دنیاداری کی تنہا متکفّل ہو سکیں۔ یہی سبب ہے کہ مَردوں کو اُن پر غلبہ رکھنا ضرور ہے۔ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ.[354] جوشِ جوانی میں احمق مرد عورتوں کو اِس

354. اور مردوں کو عورتوں پر برتری ہے۔

قدر بے تکلف اور گستاخ کر لیا کرتے ہیں کہ پھر ساری عمر وہ عورتوں کو دبا نہیں سکتے، اور گھر میں دوعملی رہتی ہے۔ عورت اپنی راہ چلتی ہے، اور مرد اپنا راستہ اختیار کرتا ہے۔ مجھ کو اپنے عزیزوں میں ایک شخص کا حال معلوم ہے کہ وہ ابتدا میں بی بی کی خدمت گاری کرتا تھا اور میاں بی بی میں پیار اخلاص کے واسطے دھول دھپا ہوتا تھا، ایک دوسرے کو چٹکیاں لیا کرتا تھا، اور گفتگو میں بھی سخت بے تہذیبی جانبین سے ہوتی تھی؛ انجام یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ کیسی ہی کوئی چیز عمدہ ہو، ضرور ہے کہ آدمی اُس سے مُلول اور سیر ہو جائے، مثلاً کوئی عمدہ سے عمدہ کھانا اگر روز دو وقت کھانے کو ملے، شدہ شدہ روکھی روٹی کی طرح بدمزہ معلوم ہونے لگے گا۔ پس جو لوگ حسنِ ظاہر پر فریفتہ ہوتے ہیں اُن کا یہ خیال یقیناً بے ثبات ہے۔ عورتیں صرف شہوت رانی کے واسطے نہیں ہیں بلکہ انگریزی محاورے کے مطابق بِٹر ہاف۔[355] پس اُن کو اُمورِ خانہ داری کے انتظام کے واسطے موضوع سمجھ کر اُسی کام کے لائق بنانا چاہیے۔ یہ قاعدہ نہایت صحیح ہے: دیر آمیز دیر گُسل، زود آمیز زود گُسل۔ ربط جو پیدا کرو رُکاوٹ کے ساتھ، اور اتحاد کو بڑھاؤ بہ تدریج۔ ایک ہیبت جسمانی توانائی کی بھی ہوتی ہے، وہ تم اپنی بی بی پر قائم نہیں کر سکتے؛ پس ضعفِ جسمانی کی تلافی وَقر و متانت سے کرو۔ عورتوں کو طمع اور چٹورپن سے روکنا ضرور ہے ورنہ گھر میں خیر و برکت رہ نہیں سکتی۔ تاکید کرو کہ تمھاری بی بی لکھنا سیکھے، اور اُس کے پڑھنے کی کتابیں جمع کرو اور اُس کی مدد کامل طور پر کی جائے۔ اگر فرمایشوں کی نوبت آئے تو اُس کو حقارت کے ساتھ روک دینا کہ ہماری تمھاری حالت پر لتاں کو نظر ہے اور اِس قدر بس کرتا ہے، جو اُن کو مناسب معلوم ہوگا خود کریں گی۔ کچھ تھوڑا سا روپیہ دے کر دیکھو کہ کیا کرتی ہے؟ اگر وہ سودے سُلف یا عارضی نمایش کی چیزوں میں اُٹھا ڈالے تو جانو کہ احمق اور ناعاقبت اندیش ہے، اور اگر زیور یا دوسرے عمدہ مَصرَف میں لگائے تو البتہ خوشی کی بات ہے۔ تم کو ایک مدّت تک بی بی کو تعلیم کرنا پڑے گا۔ اُس کے خصائصِ مزاجی پر غور سے نظر کرتے جاؤ۔ یہ اُسی کے حق میں مفید ہوگا کہ بیوی صاحب کے اختیار میں اِس

355. عمدہ تر نصف

طرح رکھی جائے جیسے بیمار طبیب کے اختیار میں۔ کبھی کچھ پھٹا اُدھڑا سلا کر دیکھو کہ اِس ہنر میں اُس کی دست گاہ کہاں تک ہے؟ اِسی طرح ممکن ہے کہ کسی حیلے سے کھانا پکانے میں اُس کا امتحان لیا جائے، اور جس بات میں کوتاہی پائی جائے، نرمی اور مہربانی سے اُس کو سمجھا دیا جائے۔ فقط

۱۸۷۹ء

[خط: 83]

میں ابھی تک مدراس میں ہوں لیکن ۱۰/ جون حیدرآباد کی روانگی کے واسطے مقرّر کر چکا ہوں۔ میں پسند نہیں کرتا کہ تم کو بے انٹرنس پاس کیے دلّی سے بلالوں، اور بیوی صاحب کی مفارقت تم پسند نہ کرو گے۔ نتیجہ اِن دو مقدّموں کا یہ ہے کہ جب تک تم انٹرنس پاس کرو، سب دلّی میں رہو۔ حیدرآباد جا کر میں رخصت کے واسطے پھر تحریک کروں گا مگر خوب توقّع نہیں کہ رخصت ملے۔ نواب صاحب سمجھتے ہیں کہ یہ بھاگنا چاہتا ہے، اور سچ یہ ہے کہ مجھ کو بھی خوب اطمینان نہیں کہ ایک دفعہ ہندوستان جا کر دوبارہ دکن آؤں گا۔ بہ ہر کیف اگر رخصت نہیں ملی، اور غالب ہے کہ نہیں ملے گی، تو تم لوگوں کے آنے کا کیا بندوبست کیا جائے کہ تمھارا پڑھنا بھی بند نہ ہو۔ یہاں آئے تو سمجھو کہ وہ سلسلہ منقطع ہوا۔ فقط

۴/ جون ۱۸۷۹ء

[خط: 84]

میاں بشیر! کہاں تم نے مجھ کو پھینکا کہ ایک برس ایک عمر مصیبت مند کی طرح کٹا

ہے۔ میں نے کچھ روپیہ کمایا جس کو میں یقیناً جانتا ہوں کہ میری زندگی میں ہرگز میرے کام آنے والا نہیں، مگر اُس کو عافیت اور اطمینان بیچ کر پیدا کیا۔ اِس کا میں فیصلہ کرچکا ہوں کہ میں یہاں کسی طرح خوش نہیں رہ سکتا، اور یہ جگہ ایسی نہیں ہے کہ کوئی شریف ایمان دار یہاں خوش رہ سکے۔ ہمراہی اِصرار کررہے ہیں، ورنہ میرا جی مطلق یہاں رہنے کو نہیں چاہتا۔ فقط

[خط: 85]

تمھارے خط کے آنے سے میں نے ایک خط ریڈ صاحب کو اردو میں لکھا ہے، جس کی نقل اِس کے ساتھ بھیجی جاتی ہے۔

جنابِ عالی!

میں اپنے دوسرے خطوط میں انشاء اللہ آپ پر ثابت کردوں گا کہ میں نے اپنی انگریزی کو جیسی ٹوٹی پھوٹی اعظم گڈھ میں تھی، اب تک بھلایا نہیں مگر چوں کہ ابتداے مفارقت سے، جس کو چوتھا برس ہے، یہ میرا پہلا عریضہ ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنے خیالات کو اپنی زبان میں ادا کروں۔

بشیر نے آپ کی چٹھی کی نقل دلّی سے میرے پاس دَورے میں بھیجی، اور اُس کے پڑھنے سے وہ پانچ برس آنکھوں میں پھرنے لگے جو آپ کے سایۂ عاطفت میں نہایت خوشی اور اطمینان کے ساتھ اعظم گڈھ میں گزرے؛ اگر چہ مفارقت کو بہت دن ہوئے مگر آپ کی مہربانیاں نہ بھولی ہیں نہ بھولیں گی۔

میرا حال اِس ملک میں اُس شخص کا سا ہے جو کبھی ناؤ پر نہ بیٹھا ہو اور دفعۃً اُس کو طوفان خیز سمندر میں بادبانی جہاز پر بیٹھ کر سفر کرنا پڑے۔ بشیر کا یہ کہنا کہ میں نے اِس ملک کا رہنا ٹھان لیا ہے، صرف اِس قدر صحیح ہے کہ اُنھوں نے مجھ کو کبھی ایسا کہتے سنا ہوگا،

مگر یہاں کے حالات کو خود ثبات وقیام نہیں اور اِس حالت میں کوئی راے جم نہیں سکتی؛ تاہم اِس میں بھی شک نہیں کہ اب میری طبیعت مطلقاً نوکری سے گریز سا کرتی ہے۔ مجھ کو یہاں صدر تعلقہ داری کی خدمت سپرد ہے جو انگریزی عمل داری کی کمشنری سے بہت ملتی ہوئی ہے۔ تنخواہ وہاں بہت اور اختیارات یہاں۔ مجھ کو تنخواہ کے بارہ سو ملتے ہیں اور بہ تعلق بند و بست مُدامی بھتّا دو سو چالیس۔ یہاں کا روپیہ تین آنے کے قریب انگریزی روپیہ سے چھوٹا ہے، اور چیزوں کا نرخ بھی اکثر گراں۔ اِس ملک میں کبھی پارسی مُتعذّر رہے ہیں کبھی مدراسی، اور اِن دنوں ہندیوں کا دَور دَورہ ہے مگر اِس ملک کے لوگ صرف حسد کی وجہ سے ہم لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں۔

انتظام کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ذاتِ نظام کو اِس ملک میں حضور یا بندگانِ عالی سے تعبیر کرتے ہیں، اور لفظِ حضور جو وہاں تعظیماً بولا جاتا ہے، اُس کا مرادف یہاں لفظِ تقصیر ہے۔ حضور کا سنِ شریف پندرہ برس کا ہے، اوراُس وقت تک کہ حضور زمامِ سلطنت اپنے دستِ مبارک میں لیں، نوّاب مختارُالملک سر سالار جنگ بہادر اور نوّاب شمس الامرا امیرِکبیر بہادر ریجنٹ[356] ہیں۔ اِن دونوں میں جو باہمی اختلاف ہے، وہ آپ اخبار میں پڑھتے ہوں گے۔ انتظامِ سلطنت نوّاب مختارُالملک کرتے ہیں بہ استثناے اُمورِ عظیمہ جس میں مشاورتِ امیرِکبیر ضرور ہے۔ ملک بہت وسیع ہے مگر اُس کا ایک بڑا حصّہ جاگیر۔ خود حضور نے جس قدر ملک اپنے واسطے الگ کرلیا ہے، وہ صَرفِ خاص کہلاتا ہے۔ جاگیروں میں سب سے بڑے جاگیردار امیرِکبیر ہیں جن کے خاندان میں حضور کی صاحب زادیاں بیاہی جاتی ہیں ۔ اُن کی جاگیر کو لوگ ساٹھ لاکھ روپیہ سال کی بیان کرتے ہیں۔ اُن سے اُتر کر اکثر مسلمان اور بعض ہندو اَور بہت جاگیردار ہیں۔ صَرفِ خاص اور جاگیرات نکل کر جو ملک بچا وہ دیوانی کہلاتا ہے، یعنی متعلق بہ دیوان (وزیر)۔ فقط

356. ولی [رئیس کی صغر سنی کی حالت میں جو نیابۃً کام چلائے۔]

[خط: 86]

خط بہ نام مولوی احمد حسن

اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَقَمْتُ فِیْ الْبَلْدَةِ سَبْعَةَ اَیَّامٍ عَلیٰ عَادَتِیْ عِنْدَ الْمَوْلَوِیْ مَهْدِیْ عَلِیْ اَعُوْدُهٗ وَ کَانَ سَقِیْماً مُشْرِفاً عَلیٰ الْهَلَاکِ لٰکِنَّهٗ بَرِیٔ وَ عَافَاهُ اللّٰهُ مِنْ مَرَضِهٖ وَ هُوَ یُرِیْدُ عَمَّا قَرِیْبٍ الذِّهَابَ اِلیٰ پُوْنَا حَتّٰی یَسْلَمَ حَالُهٗ وَلَا یَتَاَتّٰی ذٰلِکَ اِلَّا فِیْ شَهْرَیْنِ کَامِلَیْنِ مِنْ یَوْمِنَا هٰذَا. اَمَّا الْبَنْدُوبَسْت فَاِنَّهُمْ سَدُّوْهُ فِیْ هٰذِهِ السَّمْتِ وَ مَا اَدْرِیْ اِلیٰ مَا ذَا یَؤُلُ اَمْرُ الْمَوْلَوِیْ شَرَفُ الْحَقِّ وَ الْبَشِیْرُ لَمْ یَنْتَظِمْ حَالُهٗ اِلیٰ الْیَوْمِ وَالْمَوَاعِیْدُ فِیْ هٰذِهِ الدِّیَارِ کَمَا تَرَوْنَ لَا یَلِیْقُ اَنْ یُوْثَقَ بِهَا. فَلَا تَطْمَعُوْا فِیْ الْمَوْلَوِیْ مَهْدِیْ عَلِیْ وَاسْعَوْا فِیْ اِصْلَاحِ حَالِکُمْ حَقَّ السَّعْیِ وَاِنِّیْ لَا اُقِیْمُ لِخِدْمَتِکُمْ وَزْناً وَ هِیَ عِنْدِیْ فِیْ مَعْرَضِ الزَّوَالِ فَهَلَّا تَجْتَهِدُوْنَ لِتَحْصِیْلِ دَوْمِ تَعَلُّقَةُ دَارِیْ مَعْ زِیَادَةٍ فِیْ مُشَاهَرَتِکُمْ وَاَنَا الْمَدَدْگَارِیْ فَلَا اَرْضیٰ بِهَا اِلَّا اَنْ صَدَرَ تَعَلُّقَةُ دَارْ یَمُدُّکُمْ وَیُمَنِّیْکُمْ وَیَجْعَلُکُمْ مُنْصَرِمْ اَوَّلْ تَعَلُّقَةُ دَارْمَتیٰ مَاتَیَسَّرَ لَهٗ. فَقَطْ

[خط: 87]

اگر ... نے مجھ کو کیمیا گر یا عاملِ دستِ غیب فرض کرلیا ہے تو میرے پاس اِس کا کچھ جواب نہیں، لیکن اگر فی الواقع مَیں ایسا ہوتا تو چار مہینے کے عوض چار برس کی مہلت دیتا بلکہ شاید فِیْ مُدَّةِ الْعُمْر [357] مطالبہ نہ کرتا، مگر میرا حالِ واقعی یہ ہے کہ نوٹ بُک میں

357. عمر بھر

رکھ کر قرض سے کارروائی کرتا ہوں۔ اِس حقیقتِ نفس الامری جاننے کے بعد اُن کو اختیار ہے چار مہینے میں دیں، چار برس میں دیں، نہ دیں، یا خدا توفیق دے تو ڈیو[358] پر دیں۔ فقط

[خط: 88]

طالب یعنی اُمّید وارِ خدمت کو چاہیے کہ بہ منزلہ کنکوے کے ہو جس میں پرواز کا مادّہ مہیّا ہے، اور صرف ایک دریائی[359] کا محتاج ہے۔ اِسی طرح اُمّید وار میں مادّہ لیاقت کا ہونا ضرور ہے کہ سفارش کی ایک دریائی ملی، اور اونچا ہوا۔ ...صرف دریائی نہیں چاہتے بلکہ چاہتے ہیں کہ دُم چھلّے[360] کی طرح مَیں اُن کے ساتھ ساتھ لٹکا رہوں۔

ہم اراکینِ ثلثۂ مجلسِ مال گزاری نے کام کو آپس میں بانٹ رکھا ہے۔ نصب خدمات مولوی دلیل الدّین کی طرف ہے، اِس لیے کہ تازہ وارد، ناشناسا اور اجنبی ہیں۔ میں نے اور اکرام اللہ خاں نے اِس بوجھ کے اُٹھانے سے پہلوتہی کیا۔ اِتَّقُوا مِنْ مَّوَاضِعِ التُّهَم۔[361] تاہم دَلَالَةً عَلَی الْخَیْر[362] کے طور پر ...کی سفارش میں مولوی دلیل الدّین کے نام رقعہ لکھ دیا ہے، جس کی عبارت قریب قریب اِس کے ہے:

''یہ صاحب جو اِس رقعے کے ذریعے سے حاضرِ خدمت ہوتے ہیں مولوی ہیں، مجھ سے بہتر آپ سے کم تر؛ حافظ ہیں، آپ سے بہتر میری برابر؛ حاجی ہیں، مجھ سے اور

358. وقتِ معہودہ

359. کنکوے کو جو اچک دی جاتی ہے اس کو اصطلاح میں دریائی کہتے ہیں۔

360. کنکوے کی دم میں جو لمبی دھجی اس کا مرکزِ ثقل ٹھیک رکھنے کو باندھ دیتے ہیں، اس کو دم چھلّا کہتے ہیں۔

361. بچو تہمتوں کی جگہوں سے

362. بھلی صلاح دے کر کسی کے ساتھ سلوک کرا دینا۔

آپ سے دونوں سے بہتر۔ مدّت سے اُمّید وارِ خدمتِ تحصیل داری ہیں، مجھ سے اور آپ سے دونوں سے کم تر۔‘‘

یوں پھریں اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

[خط: 89]

مَبدَءِ فیّاض نے جو قوّتیں انسان کو عطا کی ہیں، علم اُن کو چست وچالاک اور نمایاں اور بہ کارآمد کر دیتا ہے، جیسے لوہا کہ جوہر اُس کی ذات میں مُضمَر ہے، صیقل کرنے سے اصلی جوہر ابھر آتے ہیں، نہ یہ کہ جوہر اُس میں پیدا کیے جاتے ہیں۔ علم کے معنی ہیں: جاننا، اور چوں کہ جاننا متعلق ہوسکتا ہے تمام موجودات اور تمام واقعاتِ ماضیہ و حالیہ ومستقبلۂ عالم سے، پس تم خیال کر سکتے ہو کہ دائرۂ علم کتنا وسیع ہے۔ علم کی فردِ اکمل علمِ الٰہی ہے۔ لَا یَعْزُبُ عَنْہُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰاتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ لَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْبَرُ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ. وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا ھُوَ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ مَاتَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعْلَمُھَا وَلَا حَبَّۃٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ. یَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَ مَاتُخْفِی الصُّدُوْرُ. اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَ مَاتَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَّمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ.[363]

363. اس سے ذرہ بھر پوشیدہ نہیں ہے کیا آسمان اور کیا زمین میں اور کیا اس سے چھوٹا اور کیا بڑا، سب کھلی ہوئی کتاب میں ہے۔ اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو وہی جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور کوئی پتا گرے اس کو جانتا ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے اور نہ کوئی تر وخشک لیکن کھلی ہوئی کتاب میں ہے۔ جانتا ہے آنکھوں کی چوریوں کو اور جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے۔ حق یہ ہے کہ خدا کے پاس اس گھڑی (قیامت) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تم نے وہ حکایت سنی ہوگی کہ حضرت موسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام[364] کو حکم ہوا تھا کہ خضر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کرو۔ استاد اور شاگرد دونوں کشتی میں سوار چلے جاتے تھے، ایک چھوٹا سا پرند نظر پڑا کہ دریا کے کنارے بیٹھا ہوا پانی پی رہا ہے۔ اُس کو دیکھ کر خضر نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ اے موسیٰ! علم الاوّلین والآخرین[365] کو علمِ الٰہی کے ساتھ وہی نسبت ہے جو اِس جانور کے ایک آشام[366] کو اِس دریا کے تمام پانی کے ساتھ۔

پس جو کچھ ساری دنیا کی کتابوں میں مُدَوَّن[367] ہے، اگر تمام تر انسان کو مُستحضَر[368] ہو (اور محال ہے کہ ایسا انسان کبھی ہوا ہو یا آیندہ ہو) تاہم اُس کا علم جامع اتنا ہی ہوگا کہ گویا سمندر سے ایک رَشحہ[369] یا اُس سے بھی کم۔ بڑی غلطی ہے کہ دس یا بیس یا پچاس یا سو کتابوں پر نظر کر لینے سے آدمی اپنے کو عالم سمجھنے لگے، مثل اُس چوہے کے جو ہلدی کی ایک گرہ پا جانے سے اپنے تئیں پنساری خیال کرنے لگا تھا۔

پڑھنے سے میرے نزدیک بڑی غرض و غایت یہ ہے کہ تفتیش و تلاش، اور ہر چیز کی کُنہ،[370] اور ہر بات کے اطراف و جوانب اور مالہٗ[371] وماعلیہ،[372] اور ہر واقعہ کے سبب، اور ہر سبب کے نتائج کے دریافت کرنے کے شوق کو مشتعل کیا جائے۔ فقط

(گزشتہ سے پیوستہ) کا علم ہے اور جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے۔ اور کوئی جی (شخص) نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کوئی جی (شخص) نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں مرے گا۔ حق یہ ہے کہ خدا علم والا اور خبر والا ہے۔

364. ہمارے نبی اور ان پر رحمت اور سلامتی
365. اگلے پچھلوں کے علم
366. ایک گھونٹ
367. جمع
368. یاد
369. چھینٹ
370. حقیقت
371. جو اس کی موافقت میں ہے
372. جو اس کے خلاف میں ہے

[خط: 90]

انسان کو جتنی قوتیں دی گئی ہیں، جسمانی اور دماغی، سب کا خاصہ ہے کہ جتنا جس قوت سے کام لوگے اُسی قدر وہ قوت چُست اور بہ کار آمد ہوتی جائے گی، مثلاً تم میری طرح شارٹ سائٹڈ (نزدیک بیں) ہو، اور میری طرح دوربین عینک بھی استعمال کرتے ہو، یعنی ہم دونوں عینک لگانے سے نقصانِ نظر کی تلافی کرتے ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں پتنگ لڑایا کروں یا شکار کے تعاقب میں سرگرداں پڑا پھروں، یعنی آنکھ کے لیے دور بینی کے مواقع مہیا کرتا رہوں تو ضرور میری نظر خود بہ خود دور تک پھیلنے لگے گی۔

یہی حال ہے حافظے کا، اگر کسی کو ضعفِ حافظہ کی شکایت ہے تو جو بیمار ہے، وہی اپنے مرض کا طبیب ہے۔ اُس کو چاہیے کہ اُچٹتی ہوئی نگاہ سے چیزوں کو نہ دیکھا کرے، سرسری طور پر باتوں کو نہ سنے، طبیعت پر زور ڈالے، جن چیزوں کو یاد رکھنا چاہتا ہے گاہ و بیگاہ اُن کا دھیان کرتا رہے۔ جو چیزیں اُس کے ذہن میں حاضر ہیں، اور جن چیزوں کو حاضر فی الذہن کرنے کی کوشش کرتا ہے، دونوں میں اِدّعائی تعلق پیدا کرے جیسا کہ منطق فلاسفی[373] کی کتابوں میں لکھا ہے۔

[خط: 91]

جس شخص کے اصولِ زندگی یہ رہے ہوں کہ اپنی آمد سے خرچ کو بڑھنے نہ دے، یعنی ہمیشہ تھوڑا بہت پس انداز کرتا رہے اور روپے کو پتھر بنا کر رکھ چھوڑنے کو جنون سمجھے۔

ع بہرِ نہادن چہ سنگ و چہ زر

373. فلسفۂ عقلی

اور اَعوان[374] و انصار کو ترستا ہو، ایسا آدمی اپنے اندوختے کو پرامیسری نوٹوں کے پیرایے میں نہ رکھے تو کیا کرے۔

صرف نوکری کے ذریعے سے آدمی مال دار ہو نہیں سکتا اور... کو جو تم دیکھتے ہو، ظاہر میں ایک نوکری ہے مگر درپردہ لوٹ اور خیانت اور رشوت واَمثالہا[375] چند در چند ابواب اُس میں شامل۔ ہاں نوکری کے ذریعے سے جو لوگ مال دار ہوئے اِس تدبیر سے ہوئے کہ ایک کو خدا نے برکت دی، اور دوسرے عزیز اُس کی کمائی کو زمین داری یا تجارت سے ترقی دیتے رہے، رفتہ رفتہ سرمایۂ مُعتَد بہ[376] فراہم ہوگیا۔

ہمارے عزیز قریب دو طرح کے ہیں، اِلّا ماشاء اللہ۔ یا تو مطلقاً عقلِ معاش سے بےنصیب جیسے ... یا جن کو عقل ہے تو عقلِ فساد ہے، جیسے.... پہلی قسم کے لوگ وجودِ بے سود، اور دوسری قسم کے غیروں سے بدتر۔ اگر... میرے سرمایے کو محفوظ رکھیں، اور اِس سے کسی طرح متمتع ہوکر اپنی حیثیت درست کرلیں تو اِس میں دریغ کرنا پرلے درجے کی خِسّت ہے، مگر اِن لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ میرے خون سے اپنی پیاس کو بجھانا چاہتے ہیں۔ دوں تو اپنی گرہ سے، یعنی اپنا راس المال سب میں تقسیم کردوں۔ پس میرا عمل درآمد اِس آیت پر ہے: وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔[377]

مجھ سے سوائے نوکری کے دوسرا کام ہو نہیں سکتا، اور سچ تو یہ ہے کہ برسوں سے پابندیِ خدمت بھی طبیعت پر شاق ہے۔ سیّد احمد خاں نے پرامیسری نوٹوں کے جواز کے دلائل جو جمع کیے ہیں، اور ربا[378] کی حقیقت جو کچھ اُنھوں نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے، اور

374. مددگار

375. و ازیں قبیل

376. اعتبار کے قابل

377. اور اپنا مال جس کو خدا نے تمھارا سہارا ٹھیرایا ہے بےوقوفوں کو مت دو اور اس میں سے ان کو کھلاؤ اور پہناؤ اڑھاؤ اور ان سے اچھی بات کہو۔

378. بیاج، سود

مولوی شاہ عبدالعزیز اور مجتہدِ اثناعشریین[379] کے فتاوے مجھ کو سب معلوم ہیں، مگر با ایں ہمہ اگر مجھ کو اندوختے کے لیے کوئی دوسرا محفوظ و مطمئن پیرایہ ملے تو میں آج پرامیسری نوٹوں کو الگ کروں۔

تجارت کا حال یہ ہے کہ بجاے خود بڑا مبسوط علم ہے۔ تجارت علیٰ بصیرت[380] کام ہے اُس شخص کا جس کو تمام روے زمین کا جغرافیہ اِس تفصیل کے ساتھ معلوم و مستحفظ ہو جیسا ہم کو اپنے رہنے کے گھر کا۔ وہ برّ و بحر کے چپّے چپّے کے حالات سے واقف ہو۔ مردم شماری، آب و ہوا، موسم، اوسطِ ولادت و وفات، اوسطِ بارش، پیداوار، صناعت، لوگوں کے مراسم وعادات اور اُن کی ضروریات وحاجات، ملکوں کے انتظامات وواقعات، اُن کے باہمی تعلقات واَمثالہا؛ اور یہ معلومات اَپ ٹو ڈیٹ[381] ہونی چاہیے۔ پھر ضرور ہے کہ ہمہ وقت تمام دنیا کے اخبار پر اُس کی نظر محیط ہو۔ تاریخ، ہندسہ، ریاضی، پولیٹکل اکانمی،[382] سیاستِ مُدُن؛ سب کو تجارت میں مدخلِ عظیم ہے، اور سب سے بڑھ کر طبیعت کی مناسبت کہ ہر کام، ہر مشغلے، ہر پیشے کے لیے شرط ضروری ہے۔ آدمی اِتنا ہولے تو تجارت کا نام لے۔ ہمارے ملک میں جتنی تجارت ہے سب داخلِ قمار ہے، رَجْماً بِالْغَیْب، اندھے کی لاٹھی، لگی تو تیر نہیں تکا۔

رہ گئی زمیں داری، مجھ کو تحصیل داری اور بندوبست کی ڈپٹی کلکٹری کے ذریعے سے اِن مصیبت مندوں کے تفصیلی حالات معلوم ہیں۔ رعایاے انگریزی میں سب سے زیادہ بدنصیب، سب سے زیادہ تباہ، سب سے زیادہ مظلوم گروہ زمیں داراں ہے۔ اِن کے ہم مَحاصل بلکہ اِن سے اَضعافاً مضاعفہ زیادہ مَحاصل کے تاجر اور پیشہ ور ہیں کہ اُن کے حال سے کوئی مُتعرّض نہیں، اور زمیں دار ہیں کہ ہر روز مال اور پولیس اور فوج داری کی کچہریوں

379. اثنا عشر کے معنے ہیں بارہ۔ شیعے اثنا عشری کہلاتے ہیں کیوں کہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔
380. واقفیت کی تجارت
381. تاریخ امروزہ تک
382. وہ فن جس میں اصولِ کفایت شعاری سے بہ لحاظِ انتظامِ ملک بحث کی جاتی ہے اور اس کو فنِ اقتصادِ سیاسی کہتے ہیں۔

میں کھنچے کھنچے پھرتے ہیں، صرف اِس وجہ سے کہ جرمِ زمیں‌داری کے مرتکب ہیں۔ بیچ کیا آن کر پڑا ہے کہ سرکار اور زمیں‌دار میں مُشارکتِ محاصلِ اراضی کی وجہ سے کش مکش ہے؛ پس زمیں‌دار کے مقابلے میں سرکار خود مدّعی اور خود جج ہے۔ پھر بندوبست کے میعادی ہونے نے زمیں‌داروں کو بالکل بے دل اور پست حوصلہ کر رکھا ہے۔ ضوابطِ تحصیلِ زرِ مال گزاری سخت اور جابرانہ ہیں۔ علیٰ رغمِ[383] انف زمیں‌داراں گروہ کاشت کاراں بہت زور پکڑ گیا ہے۔ سرکار اپنا مطالبہ فِيْ اَغْلَبِ الْاَحْوَالِ بَلْ فِيْ جُلِّ الْاَوْقَات[384] بلا لحاظِ کمیِ پیداوار وسقامتِ فصل و نامُساعدتِ موسم فی الوقت[385] وصول کر لیتی ہے، اور جو روپیہ زمیں‌دار کو کاشت کار سے ملتا ہے اُس کے لیے زمیں‌دار مجبور کیا گیا ہے کہ کاشت کار پر نالش کرے۔ نالش کا انجام اکثر یہ ہوتا ہے کہ مہینوں کی دوادوش کے بعد اگر زمیں‌دار کو ظفر ہوئی، وَدُوْنَهٗ خَرْطُ الْقَتَاد[386] تو تمام مطالبہ مصارفِ ناجائز میں گاؤخورد۔

خلاصہ یہ کہ سیونگ[387] میں نے کیا ہے، اور کرتا ہوں، اور کرتا رہوں گا۔ روپیہ کو معطّل ڈال رکھنا میرا قاعدہ نہیں۔ اَعوان واَنصار میرے پاس نہ تھے، نہ ہیں اور نہ ہونے کی امّید۔ تجارت لاعلیٰ بصیرت کو عقل جائز نہیں رکھتی، اور علیٰ بصیرت کی مجھ کو قابلیت نہیں۔ زمیں‌داری کی زحمت اور بے حرمتی مجھ سے برداشت ہو نہیں سکتی۔ ان سب مقدمات کو جمع کر کے تم ہی نتیجہ نکالو۔ فَتَعَيَّنَ الْپْرَامِيْسَرِیْ نُوْٹ۔[388]

---

383. برخلاف

384. اکثر احوال میں بلکہ کل اوقات میں

385. عین وقت پر

386. اور اس سے پہلے ایک خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنا ہے یعنی سخت تکلیف اور زحمت ہے۔

387. پس انداز

388. پس پرامیسری نوٹ کی شق متعین ہوئی۔

[خط: 92]

امن و آسایش وآزادی یعنی نتائج حسنِ انتظام کے اعتبار سے دیکھا جائے تو انگریزی عمل داری ایک رحمتِ الٰہی معلوم ہوتی ہے اور اگر ہندوستان اِسی نسبت سے سوشلی[389] اور پولیٹیکلی[390] ترقی کرتا رہا تو آج سے سو برس کے اندر اندر اِس کو جنت نشان کہنا حکایتِ نفس الامری ہوگا، نہ مبالغۂ شاعرانہ۔ غرض یہی عمل داری ہے (اور اگر گورنمنٹ اپنی سلامتی کا بیمہ بیچنا چاہے تو سب سے پہلا خریدار میں ہوں) تو دنیا کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہے، مگر سخت افسوس کی بات ہے کہ گورنمنٹ کی نیوٹریلٹی[391] نے دنیا کو بنایا اور دین کو بگاڑا، دنیا کو بسایا اور دین کو اجاڑا۔ دین کے بننے بگڑنے کا معیار تعلیم یافتہ لوگوں کے معتقدات ہیں؛ سو اِن دنوں کے تعلیم یافتہ عموماً اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ قَلِيْلٌ مَّاهُمْ[392] بے دین ہیں۔ تعمیلِ احکامِ شریعت میں مداہنت[393] کرنا بے دینی نہیں ہے:

ورنہ سزاوارِ خداوندیش
کس نتواند کہ بجا آورد

بلکہ بے دینی سے مراد یہ ہے کہ مطلق دین و مذہب کو لغو اور خیالِ احمقانہ جانتے ہیں۔ وَهٰذَا هُوَ الدَّهْرِيَّةُ اَعَاذَنِيَ اللّٰهُ وَاِيَّاكَ مِنْهَا۔[394]

تم کسی ایک مذہب کو متعیّن کرو جو تمھارے نزدیک سخت بیہودہ ہو، میں تم کو اُس مذہب کا مقلّد ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں مِنْ اَنْ اَرَاكَ دَهْرِيًّا؛[395] کیوں کہ میری رائے یہ

---

389. من حیث التمدن، معاشرت
390. من حیث السیاست بہ اعتبار انتظامِ ملک وسلطنت
391. سکوت، عدمِ مداخلت
392. بہ استثنا ان کے جن کی نسبت مشیتِ ایزدی اور طرح پر ہوئی اور وہ بہت کم ہیں
393. سستی
394. اور یہ بے دینی ہے جس سے خدا مجھ کو اور تم کو بچائے
395. اس سے کہ میں تمھیں بے دین دیکھوں

ہے کہ دنیا میں جتنے دین ومذہب ہیں ،سب انسان کی اصلاح کی غرض سے جاری ہوئے ہیں اور خصائصِ وقتی وملکی کے لحاظ سے سب میں نیکی کے اصول کی رعایت کی گئی ہے۔

یہ بڑی خرابی کی بات ہے کہ دنیا میں اَدیانِ مختلفہ کی بہت کثرت ہوگئی ہے، اور ہر دین والے دوسرے تمام اَدیان کی تکفیر کرتے ہیں۔ اِن میں فیصلے کرنا عقلاً نہیں تو عادۃً ضرور محال ہے۔ اسلم[396] طریقہ تم جیسے نوجوان آدمی کے لیے یہ ہے کہ جس دین میں پیدا ہوا ہے، آنکھ بند کرکے اُس کی پیروی کرتا جائے جب تک اُس کو مدلّل رائے قائم کرنے کا موقع ملے۔

میں نے برسوں کے غور کے بعد اپنے نزدیک اسلام کو ایسا بدیہی سمجھا ہے جیسا دو اور دو چار، اور مدّت سے میرا ارادہ ہے کہ اپنے خیالاتِ مذہبی کو مقید بالکتابت[397] کروں، مگر اِس وقت تم سے مجھ کو اِسی قدر کہنا منظور تھا کہ مذہب کی بابت بری یا بھلی کوئی رائے قائم کرنے میں ہرگز جلدی مت کرنا۔

[خط: 93]

اِکونٹنٹ[398] کے دفتر میں پنشن کا ایک صیغہ خاص ہے۔ وہاں یہ بات مستنبط کی گئی ہے کہ پنشن خواروں کی اَعمار کا اوسط عامّۂ اَعمار کے اوسط سے ایک ثلث کے قریب گھٹا ہوا ہے۔ سوچنے سے معلوم ہوا کہ لوگ زمانۂ اشتغال میں لوازمِ خدمت کو شرطِ زندگی بنا لیتے ہیں۔ خدمت سے علٰحدہ ہوئے پیچھے زندگی وبالِ دوش ہو جاتی ہے اور جلد مرجاتے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارْ.[399]

396. [محفوظ ترین]
397. قلم بند
398. محاسبوں کا افسرِ اعلیٰ
399. پس عبرت پکڑو اوآنکھ والو! مگر میرے والدِ مرحوم بحمداللہ اس کلیے سے مستثنا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

[خط: 94]

مولوی... اپنی بی بی سے بہت مانوس تھے جیسا کہ بیچ بیچ کے کبھی مولوی ہوا کرتے ہیں۔ بی بی مریں تو مولوی صاحب دنیا سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ کسی چیز کی نظر میں وقعت باقی نہ رہی، یہاں تک کہ نوکری کی اور اپنے بچّوں کی۔ مولوی صاحب کو ایک بزرگ سے تھی اِرادت، اُن کو اِس کیفیت سے آگاہی دی؛ اُن بزرگ نے فرمایا کہ یہ سب خدعِ نفس ہے، اِس کو تبتیل[400] اور اِنَـابَۃُ اِلَـی اللّٰـہ[401] مت سمجھو۔ مولوی صاحب نے اپنے وجدان[402] کے مقابلے میں اِس کو تسلیم نہ کیا۔ شیخ[403] نے اُن کا اِصرار دیکھ کر مراقبہ اور کچھ وظیفے بتا دیے، جن کو مولوی صاحب چندے کرتے رہے مگر کوئی جدید کیفیت پیدا نہ ہوئی؛ آخر ملول ہو کر کنایۃً شکایت کی۔ (یہاں تک حکایت ہے، جو بات مجھ کو کہنی تھی یہ ہے کہ) شیخ نے شکایت سن کر فرمایا کہ جس دن سے تم نے ہوش سنبھالا، طلبِ دنیا میں منہمک رہے۔ اِس طلب میں تم کو اِتنی ہی کام یابی ہوئی کہ ایک نوکری مل گئی جو نہ سلطنت ہے، نہ وزارت، نہ کامل حکومت، نہ کافی اِمارت۔ طلبِ دین میں تم نے اپنی عمر کا کون سا حصّہ صَرف کیا، شاید ہزاروں درجے کی ایک کسرِ اعشاری اور ابھی سے مناصبِ غوث واَبدال کے امّید وار ہو۔

ع ایں خیال است ومحال است وجنوں

(گذشتہ سے پیوستہ) رہے یعنی پورے تیس برس جو بجائے خود سروس کی مدّت ہے، پنشن پائی، جس کی وجہ یہ تھی نوکری کی طرح اُن کو تصنیف وتالیف میں مدۃ العمر انہاک رہا۔]

400. ٹوٹ کر خدا سے لو لگانا

401. خدا کی طرف رجوع کرنا، متوجہ ہونا

402. ذہنی معلومات

403. شیخ سے مراد وہی بزرگ ہیں جن کے ساتھ مولوی صاحب کو ارادت تھی۔

حکیم سنائی کا کیا اچھا قطعہ ہے:

قرن ہا باید کہ تا یک کودکے از لطفِ طبع عاقلے کامل شود یا فاضلے صاحب سخن
سال ہا باید کہ تا یک سنگِ اصلی ز آفتاب لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
ماہ ہا باید کہ تا یک مُشت پشم از پشتِ میش صوفیے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن
ہفتہ ہا باید کہ تا یک پنبۂ از آب و گِل شاہدے را حُلّہ گردد یا شہیدے را کفن
روز ہا باید کشیدن انتظارِ بے شمار تا کہ در جوفِ صدف باراں شوَد دُرِّ عدَن

[خط: 95]

انگریزی جاننا بھی فی الحقیقت ہم لوگوں کے حق میں ایک مصیبت ہے۔ میں نے بڑے بھائی کا بنوایا ہوا مکان دیکھا، اور انگریزی خیالات کے مطابق ناپسند کیا۔ مکان خوش قطع ہے، مُحکم ہے اور تھوڑی سی جگہ میں گنجایش بھی خاصی ہے۔ ضرورت کی کل چیزیں ہیں، یہاں تک کہ دو چور تہ خانے بھی ہیں مگر وِنٹی لیشن[404] کا نام نہیں۔ ہَوا جو کوٹھریوں کے پاٹتے وقت بند کی گئی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بدون پمپ[405] کے کیوں کر بدلی جاسکتی ہے۔ اِس مکان کی زمین اِس قدر مُرتفع تھی کہ اگر مکان روشن اور ہَوا دار ہوتا تو بالا خانے کی کچھ ضرورت نہ تھی، مگر ہَوا دار نہ ہونے سے گرمی کی رات اور موسمِ برسات کے قابل نہیں؛ ناچار بالا خانہ بنوانا پڑا۔

---

404. ہوا داری

405. نل

[خط: 96]

آج ایک تقریب سے تمھاری بچپن کی دو باتیں یاد آکر دل کو بڑی ہی خوشی ہوئی، اور تاکہ تم کو بھی خوشی ہو، یاد دلاتا ہوں۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میری عادت تھی کہ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.[406]

برنمی آید زمن احصاے منتہاے تو
شکر نعمتہاے تو چندانکہ نعمتہاے تو

پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن تم نے پوچھا کہ ''ابا کھانے کے بعد یہ کیا پڑھا کرتے ہو؟'' میں نے کہا: ''خدا نے روزی دی، اُس کا شکر کرتا ہوں''تم نے کہا: ''مجھ کو بھی سکھادو''، میں نے کہا: ''تم عربی فارسی زبانیں نہیں سمجھتے اور اِس وجہ سے میں نے تم کو، جیسا دستور ہے، پہلے قرآن شروع نہیں کرایا کہ تم اُس کو نہیں سمجھ سکتے، اور بے سمجھے بُڈبُڈانا لغو اور لاحاصل ہے، تم اپنی بولی میں اداے شکر کرلیا کرو''تم کچھ مُلول ہوئے تو میں نے تھوڑی دیر تامّل کرکے یہ شعر موزوں کردیا:

یہ رزقِ طیّب، بلا مشقت خدا کی قدرت کا دیکھو جلوا
گناہ گاروں کو منّ وسلویٰ کیا عنایت، گدھوں کو حلوا

چوں کہ لَے اچھی تھی، تم نے بہت پسند کیا اور چند بار دُہرانے سے یاد ہو گیا، مگر بجاے 'گدھوں کو حلوا' کے 'گدھوں کا حلوا' تمھاری زبان پر چڑھ گیا۔ تم دونوں وقت کھانے کے بعد بالالتزام یہ شعر پڑھتے، اور ہم سب لوگ ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ جاتے۔ مدّتوں بعد تم کو غلطی پر تنبہ ہوا، ہنسی تو گئی گزری ہوئی، نری شکرگزاری رہ گئی۔

406. ستائش اس خدا کے لیے ہے جس نے ہم کو کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا اور ستائش اس خدا کے لیے ہے جو پروردگار کل جہان کا ہے۔

اُورئی[407] میں تمھارا زیادہ وقت خدمت گاروں اور چپراسیوں میں بسر ہوتا تھا، کیوں کہ یہ لوگ تم کو کھلاتے بہلاتے تھے۔ ایک دن میں نے تم سے کہا: "میاں بشیر! تم نوکروں میں رہ کر اگر گالیاں بکنی یا قسم کھانی یا جھوٹ بولنا سیکھو گے تو بھی تمھارا منہ سڑ جائے گا، اور میں تم کو اپنے ساتھ نہیں سُلاؤں گا" بچے معصوم، تم کو میرے کہے کا یقین ہوگیا۔ ایک دن تمھاری زبان سے بے ساختہ کوئی بیہودہ بات نکلی، اور فوراً تم کو میرا مقولہ یاد آیا تو تم بھاگے ہوئے اپنی والدہ کے پاس گئے کہ "امّاں بی! ذری میرا منہ سونگھنا" اُن کو میری نصیحت کا حال معلوم تھا، سمجھ گئیں اور بولیں: "سونگھ کر کیا کروں گی؟ گالیوں کی بساہند چلی آرہی ہے" یہ سن کر تم بہت گھبرائے، آخرکار اُنھوں نے استغفار پڑھوا کر الائچی کے دانے چبوادیے، تب تم کو تسلّی ہوئی، مگر بہت دنوں تک تم اُس بدبو کے ڈر سے احتیاط کرتے رہے، اور شکر ہے کہ تمھاری زبان گالی سے آشنا نہیں ہوئی۔

[خط: 97]

میں مَدراس میں اسمٰعیل سیٹھ کی کوٹھی کے بالاخانے پر ٹھیرا تھا، رفتہ رفتہ سیٹھ کے ساتھ تعارف زیادہ ہوتا گیا۔ آخر اُنھوں نے دعوت کا پیام دیا۔ مجھ کو سدا سے دعوت کی چڑ ہے، ٹالنے کے پیرایے میں انکار کرتا رہا۔ جب چل چلاؤ قریب آیا تو سیٹھ نے اِس قدر اِصرار کیا کہ انکار کرتے نہ بن پڑا۔ دسترخوان پر سیٹھ اور اُن کے اَعزّہ و اَقارب اور ملازم حتّیٰ خدمت گار، سب بلا امتیاز شریک ہوئے، اور اُنھوں نے میرے خدمت گاروں کو بھی ساتھ بٹھانا چاہا۔ اِن کو فِـیْ عُـمْـرِ هِـمْ[408] برابر بیٹھنے اور ساتھ کھانے کا اتفاق ہوا نہ تھا، بہت جھجکے، بہت رکے اور سیٹھ ہیں کہ ایک ایک کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر گھسیٹتے لیے چلے آتے ہیں،

407. [ممالکِ متحدہ کا ایک ضلع ہے جو پہلے ضلع جالون مشہور تھا، کالپی کے پاس ہے۔]

408. اپنی عمر میں

تو چاروناچار مجھ کو کہنا پڑا کہ" اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ پیٹ بھر کر کھائیں تو اِن کو الگ کھانے دیجیے۔ ایسا ہی ہوا؛ مگر سیٹھوں نے بڑا ہی تعجب کیا کہ یہ کیسے مسلمان ہیں کہ کھانے میں آقا اور نوکر کا تفرقہ کرتے ہیں؟ اگر چہ میں اِس رسم کو اپنے یہاں جاری نہیں کرسکا تاہم اُس واقعے کو استحسان کے ساتھ اکثر یاد کیا کرتا ہوں۔

[خط: 98]

تم کو معلوم ہے کہ ہمارے خاندان میں لکنت متوارث ہے۔ ہر نسل میں ایک نہ ایک آدمی ضرور ہکلا ہوتا آیا ہے۔ پس یہ لکنت جو تم میں ہے، تمغاے شرافتِ خاندانی ہے۔ تمھاری لکنت خِلقی نہیں ہے۔ گورکھ پور میں تم کو اب سے دور مُغلی[409] دکھ ہوا۔ جب تک ڈاکٹر محمد شائق صاحب پہنچیں، پہنچیں عورتوں نے اِضطرار میں پیاز کے عرق کی جگہ منہ میں پانی ٹپکا دیا۔ اُسی وقت سے عصابُ اللسان[410] مُستَرخی[411] یا مُتَشَنِّج[412] ہوگئے۔ بیماری سے اُٹھے تو ہکلاتے اُٹھے۔ بچّوں کی سبھی حرکتیں دل کش ہوتی ہیں؛ مجھے ابھی تک یاد ہے کہ تمھارا اُن دنوں کا ہکلانا سب کو بھلا معلوم ہوتا تھا مگر میں اُس وقت بھی تم کو ٹوکتا تھا۔

لکنت ایک نقصانِ جسمانی ہے (باڈیلی ڈیفکٹ) اور اگر گویائی اور لَسّانی ہنر ہے

409. ایک قسم کی مرگی [گنوشنو: یعنی ہاتھ پاؤں ٹیڑھے پڑ جانا۔]

410. زبان کے پٹھے

411. ڈھیلے

412. اکڑے ہوئے [بجنسہٖ یہی حال میرے بڑے لڑکے منذر احمد کا ہوا؛ اس کو بھی اسی طرح چار برس کی عمر میں تپ شدید کے بعد لکنت شروع ہوئی مگر خدا کا شکر ہے کہ میری طرح اُس کی لکنت بھی بہت کم اور براے نام ہے مگر ہے ضرور۔ میرے تایا مولوی احمد صاحب مرحوم کو بھی لکنت تھی اور اُن کے بڑے لڑکے مقصود احمد کو بھی ہے، غرض تین پشتوں سے یہ سلسلہ جاری ہے کہ [کذا] ہوتا چلا آتا ہے۔]

تو بلاشبہ لکنت عیب۔ وعظ اور وکالت اور سررشتہ داری وامثالہا، جس جگہ زبان سے کام لینا ہے، تم عاجز ہو۔ کہتے ہیں کہ لکنت دلیلِ ذہانت ہے اور ایسا ہو تو عجب نہیں کیوں کہ ذہین آدمی اکثر مستعجل ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ جھٹ سے اپنا مطلب ادا کرلیں اور زبانِ فاتر[413] اُن کے ارادے کی مطاوِع[414] نہیں؛ پس اُن کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو ایک اڑیل ٹٹو پر سوار ہے کہ ڈانٹنے ٹھکرانے سے ٹٹو نکل جانے کا قصد کرتا ہے مگر عادت مانع ہوتی ہے، اور دو مخالف محرکوں میں کبھی پیچھے کو ہٹتا ہے، اور کبھی الف ہوتا ہے۔ تمھاری لکنت خدا کے فضل سے ایسی شدید نہیں ہے کہ اُس پر عَیَ وحصر[415] کا اطلاق ہوسکے؛ پھر بھی جتنی ہے عِدادِعیب[416] میں ہے۔ چوں کہ فتور داخلِ دہن میں ہے، ذرا اِس بات کا دریافت کرنا مشکل سا ہے کہ لکنت اِسترخاے اَعصاب سے ہے یا تشنج سے، کیوں کہ استرخا اور تشنج دو حالتیں ہیں متضاد، اور دونوں کے علاج بھی لامحالہ متضاد ہوں گے۔ اگر لکنت ہو استرخاسے اور علاج ہو تشنج کا اور بالعکس تو لکنت کو اُلٹی ترقی ہوگی۔ یہ مسئلہ ہے متعلق تشریح اور اطبّاے یونانی کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْن[417] اِس کوچے سے نابلد۔ رہ گئے ڈاکٹر، سو میرے متعارفین میں کوئی اِس مرض کا اِکسپرٹ یعنی حاذِق نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ڈِنٹسٹ[418] ڈاکٹروں کو اِس میں زیادہ ملکہ ہوگا۔ میں نام بھولتا ہوں ایک فلسفی الکن منہ میں کنکر بھر کر گفتگو کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ اُس کی زبان لکنت سے صاف ہوگئی۔

ہکلے کی نہیں، بلکہ ایک توتلے آدمی کی حکایت ہمارے ادبِ عربی کی کتابوں میں ہے کہ کوئی وزیر الثغ یعنی توتلا تھا۔ حرفِ رؔ کے ادا کرنے سے قاصر۔ بادشاہ کو منظور ہوا کہ فِیْ اَعْیُنِ النَّاس[419] اُس کو سبک کرے۔ ایک مجمع میں وزیر کو حکمِ تحریری حوالے کیا کہ لوگوں

413. جس میں فتور یعنی ضعف ہے
414. موافقت کرنے والی
415. رک جانا، بند ہو جانا
416. شمار
417. سب کے سب
418 دانت بنانے والے
419. لوگوں کے سامنے

کو پڑھ کر سنادو۔ اُس میں مرقوم تھا: اَمَرَ الْاَمِیْرُ اَنْ یُّحْفَرَ الْبِئْرُ فِی الطَّرِیْقِ لِیَرْوَیٰ مِنْهُ الْوَارِدُ وَالصَّادِرُ. [420] وزیر دیکھتے ہی سمجھا۔ اُس کو زبانِ عربی پر اِس طرح کی قدرت تھی کہ اُس نے بے فکر وترویّت [421] بہ تبدیلِ الفاظ فوراً پڑھ دیا: حَکَمَ الْحَاکِمُ اَنْ یُّقْلَبَ الْقَلِیْبُ فِی السَّبِیْلِ لِیَسْتَقِیَ مِنْهُ النَّازِلُ وَالْقَافِلُ اَوْ مَاشَابَهَ ذٰلِکَ. [422]

اِسی طرح ہکلاپن بھی اکثر خاص خاص حروف میں ہوتا ہے، اور ممکن ہے کہ اِن حروف سے احتراز کیا جائے مگر اِس کے لیے ضرور ہے کہ آدمی مرادفات الالفاظ سے بہ خوبی آگاہ ہو۔ جو لوگ تمھاری طرح کم ہکلاتے ہیں، غصّے کی حالت میں زیادہ ہکلانے لگتے ہیں؛ اور اُس کی وجہ ظاہر ہے کہ عنانِ تمالک [423] ڈھیلی پڑ جاتی ہے ؛پس اِس ہکلاپن کا علاج ہے: کَظْمُ الْغَیْظ. [424] وَ اِنْ کَانَ لَکَبِیْرَاً اِلَّا عَلَی الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ. [425]

[خط: 99]

تاکہ انگریزی کی سرتاسر مفید تعلیم کے مقابلے میں عربی فارسی کی پرانی، گلی سڑی بُسی تعلیم کا بے کار محض ہونا میری طرح تمھارے ذہن میں بہ خوبی بیٹھ جائے، کالج کے کتاب خانے کو جاکر دیکھو۔ عربی فارسی کی الماریوں میں پاؤ گے کتابیں متقدّمین کی۔ کتاب زمانۂ تصنیف وتالیف کے اعتبار سے جس قدر پرانی، اُسی قدر ہم لوگوں میں معتبر اور مستند؛ برخلاف انگریزی کے کہ سو برس کی کتاب مثلِ تقویمِ پارینہ، سلسلۂ درس سے خارج۔ شتّانَ

420. حاکم کا حکم ہے کہ رستے میں کنواں کھودا جائے تاکہ اس سے آنے جانے والے سیراب ہوں۔
421. غور
422. یا جو اس سے مشابہ ہو یعنی از یں قبیل
423. ضبط کی باگ
424. غصے کا ضبط
425. اگرچہ سوا ان کے جن کی خدا نے ہدایت کی ہے اوروں پر دشوار ہو۔

بَیْنَھُمَا[426] اِسی سے ظاہر ہے کہ کسی علم میں ہم نے ترقّی نہیں کی۔ کی ہوتی تو عِظامِ رَمیم[427] کو کیوں پڑے چھوڑتے۔ فقط

[خط: 100]

انگریزی خوانوں میں بڑا، بہت بڑا، بہت ہی بڑا نقصان یہ دیکھنے میں آیا کہ اِن لوگوں میں مطالعے کا دستور نہیں، اور چوں کہ طبیعت پر غور اور خوض کا بوجھ نہیں ڈالتے، میں نے جہاں تک دیکھا، استنباطِ مطلب میں اکثر خطا کرتے ہیں۔ آج کل کے بی.اے، ایم.اے بات صاف تو یہ ہے کہ ہم لوگوں کی نظروں میں مطلق نہیں جچتے۔ محاملِ الفاظ[428] اور تعلقاتِ سابق ولاحق[429] اور عبارت کے اطراف وجوانب اور مضمون کے مالۂ و ماعلیہ پر کبھی اِن کی نظر کو اِحاطہ کرتے نہ دیکھا۔ پس اِن کی مثال اُس غوطہ زن کی سی ہے جس میں قعرِ دریا تک پہنچنے کا دَم نہیں، ڈُبکیاں لگاتا اور دُرِ مطلب کو نہیں پاتا۔

مطالعے کی برکت تم کو اِس سے ظاہر ہوجائے گی کہ مجھ کو ریڈ صاحب[430] نے تعزیراتِ ہند کے ترجمے میں شریک کیا تو میری انگریزی کی استعداد اِس قدر ناقص تھی کہ

426. دیکھو تو دلوں میں کتنا فرق ہے۔

427. بوسیدہ ہڈیاں

428. لفظوں کے استعمال کے مواقع

429. اگلی پچھلی عبارت کے ساتھ لگاؤ ہے۔

430. مولوی بشیرالدین احمد کو یوں کہتے سنا اور وہ کہتے تھے تو انھوں نے اپنے والد سے سنا ہوگا کیوں کہ یہ واقعہ مولوی بشیرالدین کی ولادت سے پہلے کا ہے کہ سر جارج ایڈمنسٹن لفٹنٹ گورنر ممالک شمالی ومغربی نے پینل کوڈ کے ترجمے کو امر مہتم بالشان سمجھ کر اپنے اہتمامِ خاص میں رکھا اور چوں کہ صاحب ممدوح کو مدتوں طہران میں بہ تقریب سفارت رہنے کا اتفاق ہوا تھا ان کو زبانِ فارسی میں ایسی اچھی استعداد تھی کہ فارسی میں بے تکان بلا تکلف اضافت گفتگو کرتے تھے اور غالبًا یہی وجہ واقع ہوئی کہ انھوں نے اس ترجمے کو اپنی ذاتِ خاص سے متعلق رکھا کیوں کہ اس وقت کوئی یورپین ان سے بہتر فارسی داں نہ تھا۔ سر جارج ایڈمنسٹن نے ہنری (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں پینل کوڈ کی ایک سطر بھی بے مدد ڈکشنری نہیں سمجھ سکتا تھا، اور ڈکشنری بھی وبسٹر کی نہیں بلکہ رومن سکول ڈکشنری؛ مگر بات کیا تھی کہ طالب العلمی کے مطالعے نے فکر کو ایسا غائر بنادیا تھا کہ الفاظ کی جامعیت ومانعیت پر نظر خوب دوڑتی تھی۔ ریڈ صاحب اپنے پندار میں اس کو استعداد انگریزی کی عمدگی پر محمول کرتے تھے، حال آں کہ جو کچھ تھا، مطالعۂ عربی کا طفیل تھا۔

(گذشتہ سے پیوستہ) اسٹوارٹ ریڈ صاحب ڈائرکٹر تعلیم کو اس کارِ سترگ میں اپنے ساتھ لیا، اور ریڈ صاحب نے منشی محمد عظمت اللہ صاحب کو جو ان دنوں بریلی کالج میں انگریزی کے مدرس تھے۔ تو قاعدہ یہ تھا کہ منشی عظمت اللہ صاحب ترجمہ کرتے اور ریڈ صاحب کے میر منشی مولوی کریم بخش صاحب اس کو بہ نظرِ اصلاح دیکھتے کیوں کہ انگریزی منشی عظمت اللہ کی اچھی تھی اور عربی فارسی مولوی کریم بخش صاحب کی۔ اس کے بعد خود ریڈ صاحب ترجمے کو بہت احتیاط کے ساتھ سنتے اور اس میں تصرفات کرتے۔ آخر میں ترجمہ لارڈ صاحب کو سنایا جاتا اور یوں منشی محمد عظمت اللہ صاحب مولوی محمد کریم بخش صاحب، ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب، مسٹر جارج ایڈمنسٹن صاحب، چار شخصوں کی رائے سے ترجمہ قرار پاتا۔ دورہ کرتے کرتے سر جارج ایڈمنسٹن الہ آباد آئے جہاں مولوی نذیر احمد صاحب ڈپٹی انسپکٹر تھے۔ سر جارج ایڈمنسٹن تو منشی عظمت اللہ اور مولوی کریم بخش کو لے کر بنارس چلے گئے، ریڈ صاحب کسی ضرورت سے الہ آباد ٹھیرے رہے، مگر ترجمے کے چند اجزا ریڈ صاحب کے ساتھ تھے۔ ریڈ صاحب نے مولوی نذیر احمد صاحب سے کہا کہ یہ ترجمہ تھوڑا تھوڑا ہر روز مجکو سنا جایا کرو۔ البتہ سنانے میں مولوی نذیر احمد صاحب بھی کچھ دخل دیتے ہوں گے۔ یوں پہلے پہل ریڈ صاحب کو مولوی نذیر احمد صاحب کی انگریزی دانی معلوم ہوئی۔ مولوی بشیرالدین احمد کہتے تھے کہ والد صاحب ہر روز دس بجے سے پہلے جاتے اور چار بجے کے بعد واپس آتے اور تمام وقت کچہری میں بہ مشکل چھ سات دفعات کا تصفیہ ہوتا۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے چار پانچ دن میں ترجمے کا انداز معلوم کرکے چند ورق آگے سے آپ ترجمہ کرنا شروع کیا اور جب ریڈ صاحب یہاں تک پہنچے تو منشی عظمت اللہ کا ترجمہ الگ رکھ کر اپنا ترجمہ سنایا۔ پہلے ہی دن ۱۷ دفعہ کا تصفیہ ہوا، برخاست کرتے وقت ریڈ صاحب ورق الٹ کر ضرور دیکھا کرتے تھے کہ آج کس قدر ہوا، اس روز ایک دم سے ۱۷ دفعہ دیکھ ان کو بہت حیرت ہوئی آخر مولوی نذیر احمد نے عرض کیا کہ یہ ترجمہ میرا کیا ہوا ہے ریڈ صاحب نے اسی وقت لارڈ صاحب کے نام کی چٹھی دے کر مولوی نذیر احمد صاحب کو بھی بنارس روانہ کیا اور آپ بھی دوسرے تیسرے دن کیمپ میں جاملے پھر تو مولوی نذیر احمد صاحب ترجمے میں ایسے پیش پیش ہوئے کہ انھوں ہی نے لکھنؤ میں رہ کر پہلا اڈیشن بہ حکمِ گورنمنٹ منشی نول کشور کے یہاں چھپوایا۔

[خط: 103]

جو لوگ گفت وشنود سے نہیں بلکہ کتاب بینی کے ذریعے سے انگریزی میں استعداد حاصل کرنا چاہتے ہیں (یاد رکھو کہ اخبار کا پڑھنا بھی داخلِ کتاب بینی ہے) اکثر اُن سے ایک بڑی غلطی ہوتی ہے؛ وہ یہ کہ طرزِ عبارت سے قطع نظر کر کے محو مضامین ہو جاتے ہیں، اور اُن کی محنت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مثلاً کئی گھنٹوں میں اُنھوں نے ایک اخبار پورا کیا۔ فارغ ہوئے تو اُن کو واقعات مستحضَر[433] ہیں، اور پیرایۂ عبارت کسی ایک مضمون کا بھی یاد نہیں۔ اُن کی مثال ڈفالیوں کی سی ہے کہ ساری عمر گاتے بجاتے رہے، اور تال اور سُر نہ جانا۔

[خط: 104]

میں جب کسی میاں بی بی کو آپس میں لڑتے سنتا ہوں، گو وہ میری ہی بیٹی داماد کیوں نہ ہوں، تو بدون اِس کے کہ دونوں کا ذکھڑا سنوں، میں عورت ہی کو ملزم ٹھیراتا ہوں، کیوں کہ ہماری سوسائٹی میں مرد کے مقابلے میں عورت اِس قدر مجبور ہے کہ گویا اُس کی کچھ ہستی ہی نہیں؛ پس جب بدنصیب عورت کو شوہر کی طرف سے کوئی امر خلافِ مزاج پیش آئے، چاروناچار اُس کو صبر کرنا چاہیے، ورنہ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ.[434]

(عبارت کو بہ تبدیلِ صیغ وضمیر عورت سے متعلق کرلو)

---

433. یاد

434. آسمان تک ایک رسی تانے اور پھر اس کو کاٹ دے (یعنی لٹک کر مر رہے) اور دیکھے کہ آیا اس سے اس کی ضد پوری ہوئی

[خط: 105]

حضرت موسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کو حکم ہوا تھا کہ خضر سے جا کر سیکھو؛ وہ قصہ قرآنِ مجید کے پندرھویں پارے کے اخیر اور سولھویں کے شروع میں ہے۔ فَوَجَدَا (مُوْسیٰ وَفَتَاهُ) عَبْداً (خَضِرًا) مِنْ عِبَادِنَا آتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْماً. قَالَ لَهٗ مُوْسیٰ هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً. قَالَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا. وَ کَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا. قَالَ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِراً وَّلَا اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا. قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا. فَانْطَلَقَا حَتّٰی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا. قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا. قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا. فَانْطَلَقَا حَتّٰی اِذَا لَقِیَا غُلٰماً فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْساً زَکِیَّةً بِغَیْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُّکْرًا. قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا.[435]

---

435. پس دونوں (موسیٰ اور اس کا خادم) ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضر) سے ملے جس پر ہم نے اپنی طرف سے فضل کیا تھا اور جس کو اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا۔ اس سے (موسیٰ نے) کہا کہ آیا میں تیرے پیچھے چلوں اس (شرط) پر کہ خدا نے جو کچھ عقل تجھے بتائی ہے تو کچھ مجھے بتا دے۔ کہا: تو میرے ساتھ ضبط نہ کر سکے گا اور کیوں کر ضبط کرے اس چیز پر جو تیری رسائی معلومات سے باہر ہو۔ کہا اگر خدا چاہے تو تو مجھ کو ضبط کرتا پائے گا اور تیرا کوئی حکم نہ ٹالوں گا۔ کہا پھر اگر میرے پیچھے آتا ہے تو کوئی چیز مجھ سے مت پوچھ، یہاں تک کہ (خود) تیرے آگے اس کا ذکر چھیڑوں پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب جاؤ میں چڑھے تو (خضر نے) اس میں شگاف کر دیا۔ (موسیٰ نے) کہا کیا شگاف کرنے سے تیرا مطلب ہے کہ کشتی کے لوگوں کو ڈبا دے۔ یہ تو تو نے عجیب بات کی۔ کہا کیا میں نے نہیں کہا کہ تو میرے ساتھ ضبط نہ کر سکے گا کہا میری بھول چوک پر تو گرفت مت کر اور میرے کام میں مجھ پر دشواری مت ڈال پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ملے سو (خضر نے) اس کو مار ڈالا۔ (موسیٰ نے) کہا تو نے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

الغرض خضرؑ نے موسیٰؑ سے شرط کرلی تھی کہ تم میری کسی بات میں دخل نہ دینا۔ موسیٰؑ سے صبر نہ ہوسکا، اور لگے بات بات پر اُلجھنے۔ پہلی دفعہ خضرؑ نے اُن کو متنبہ کیا بہ اِیں عبارت: اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا. پھر دوبارہ اِس عبارت میں لَکَ زیادہ کرکے گویا شکنجۂ ملامت کا ایک پیچ اَور کَس دیا۔ اِس پر ایک ظریف بے ساختہ بول اُٹھے کہ موسیٰؑ تو چلبلے تھے ہی، خضرؑ بھی کچھ کم غصیلے نہ تھے کہ دوسری ہی خطا میں لام کاف[436] پر اُتر پڑے۔

[خط: 106]

سیّد احمد خاں کی شان ایسی اَرفع واعلیٰ ہے کہ مادشما کو اُن کی نسبت کسی رائے کا ظاہر کرنا داخلِ شوخ چشمی ہے۔ جس طرح کا برتاؤ میں نے سیّد احمد خاں صاحب کے ساتھ رکھا ہے، تم کو اُس سے میری رائے کا مستنبط کرلینا کچھ مشکل نہ تھا۔ میں نے مدرسۃ العلوم علی گڈھ میں بورڈنگ ہوس بنوایا۔ دو کوئے ہیں، دونوں میں چندہ دیا۔ اپنے سارے خاندان کے نام کی جالیاں اِحاطۂ مدرسہ میں نصب کرائیں؛ یعنی مدرسۃ العلوم کو مسلمانوں کے لیے مفید اور اُس کی تائید کو داخلِ مثوبات سمجھا۔ اِس وقت تک سیّد احمد خاں کے اخبار یا لکچر یا مواعظ یا تحریرات کا ایک پرچہ کبھی مول نہیں لیا، یعنی مجھ کو اُن کے معتقدات بِاَسْرِھَا[437] تسلیم نہیں۔ سیّد احمد خاں کی تفسیر ایک دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرے نزدیک وہ تفسیر دیوانِ حافظؔ کی اُن شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، جن کے مصنّفین نے جوڑوں

(گذشتہ سے پیوستہ) ایک نفس جان لی بغیر اس کے کہ کسی جان کا بدلہ ہو۔ یہ تو تو نے بہت ہی برا کیا۔ کہا کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا کہ تو میرے ساتھ ضبط نہ کرسکے گا۔

436. لام کاف اردو میں تو تڑاق گالی گلوج

437. سراپا، پورے طور پر

سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتابِ تصوّف بنانا چاہا۔ جو معانی سیّد احمد خاں نے منطوقِ آیاتِ قرآنی سے اپنی پندار میں استنباط کیے مگر میرے نزدیک زبردستی مڑھے اور چپکائے۔ ہاں ہاں، قرآن کے مُنَزَّل مِنَ اللّٰہ[438] ہونے سے انکار کرنا سہل ہے، اور اِن معانی کو ماننا مشکل۔ مجھ کو کیا مُکرنا پڑا؛ میں نے کہا تھا کہ یہ وہ معنی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا، نہ جبریل حاملِ وحی کا، نہ رسولِ خدا کا، نہ قرآن کے کاتب ومدوّن کا، نہ اصحاب کا، نہ تابعین کا، نہ تبع تابعین کا، نہ جمہور مسلمین کا؛ مگر میں نے تم کو بار بار منع نہیں کیا کہ مذہب کے گورکھ دھندے کو سلجھانے کا ابھی تمھارا وقت نہیں۔ محکمات[439] کیا کم ہیں کہ آدمی متشابہات کی تاویل میں لاحاصل بھٹکتا پھرے۔

[خط: 107]

دنیا عبارت ہے روپے سے۔ میں نہیں سمجھتا کہ افلاس کے ساتھ دنیا میں کوئی چیز بھی انسان کو راحت پہنچا سکتی ہے۔ بے وقعتی مفلسی کا نتیجۂ عاجل[440] ہے۔ دولت کا کمانا مشکل ہے خصوصاً اِس زمانے میں، خصوصاً مسلمانوں کو، اور اُس کا حفظ کمانے سے بھی زیادہ مشکل۔ حاجت کے پیش آنے سے جو تکلیف محسوس ہوتی ہے، اُس سے بچنے کی دو

---

438. خدا کے ہاں سے اترا ہوا۔

439. محکمات وہ باتیں ہیں جن میں کسی طرح کے شک وشبہ کا دخل نہیں اور متشابہات وہ جو تاویل طلب ہیں جیسے: بل یداہ مبسوطتان خدا کے تو دونوں ہاتھ فراخ ہیں یعنی اس کی دادودہش ایسی وافر ہے کہ دونوں ہاتھوں سے لٹا رہا ہے یا اینما تولوا فثم وجه الله جدھر کو منہ کرو ادھر کو اللہ کا بھی رخ ہے، حالاں کہ خدا ہاتھ اور منہ سے منزہ ہے ایسے مواقع میں ہم کو حکم ہے ظاہر عبارت پر ایمان لاؤ اور تاویل سے سکوت کرو۔

440. جلد مترتب ہونے والا

ہی تدبیریں ہیں، اوّل : نفس کشی جس کا مرادف شاید انگریزی میں سلف ڈنائل ہے؛ دوسری: ما یحتاج الیہ کا بہم پہنچانا۔ پہلی تدبیر اختیاری ہے، انسان غور کرنے سے بہ تدریج اپنے خیالات پر غالب آسکتا ہے، یہاں تک کہ جس طرح جسم کے سُن پڑ جانے سے قوتِ لامسہ کا احساس باطل ہو جاتا ہے، اِسی طرح مجاہدے سے نفس کو احساسِ حاجت باقی نہیں رہتا؛ اور محتاج الیہ کا مہیا ہو جانا ظاہر ہے کہ ہمیشہ اختیاری نہیں ہوسکتا۔ دنیا میں سلف ڈنائل کے بدون زندگی نہیں ہوسکتی۔ تھوڑا بہت سلف ڈنائل سبھی کو کرنا پڑتا ہے۔ فرق صرف اِس قدر ہے کہ بعض کو خواہش کے مطابق سامان میسّر آسکتا ہے مگر نفس پر قادر ہیں، اور بہ طوعِ خاطر سلف ڈنائل کرتے ہیں، وہ محمود ہے، اور بعض بہ مجبوری:

ع عصمتِ بی بی ست از بے چادری

ہم لوگوں میں تربیتِ اولاد کا ایسا برا دستور ہے کہ ہم خود اپنے بچّوں کو سودے سُلف کی چاٹ لگا کر چٹورپن سکھاتے ہیں، لاجرم ہمارے لڑکے بڑے ہوکر اکثر مُسرِف[441] ہوتے ہیں۔ ہمارے شہر کے مسلمانوں میں پنجابی، جن کا پیشہ تجارت ہے، اچھا مقدور رکھتے ہیں، اور خوش حال ہیں۔ میں ایک مدّت تک غور کرتا رہا کہ یہ لوگ مال دار بھی ہیں، اور خدا نے اِس قوم کو روپے پیسے کے علاوہ حسن کی دولت بھی دی ہے، اور اِن لوگوں میں پڑھنے لکھنے کا رواج بھی بہت کم ہے؛ کیا سبب ہے کہ اِن کے نوجوان لڑکے ہم ہندوستانیوں کے لڑکوں کی طرح آوارہ نہیں ہوتے؟ آخر یہ بات معلوم ہوئی کہ اِن کے لڑکے شروع سے بڑوں کو دیکھتے ہیں کہ دولت کے بڑھانے کے پیچھے پڑے ہیں، اِس سے دولت کی قدر بچپن سے ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ پھر اِن کا پیشہ کچھ اِس طرح کے اِبتلا کا پیشہ ہے کہ مال کی نکاسی اور اُگاہی اور تقاضے اور فرمایش اور حساب وکتاب کے فکر سے کسی وقت نجات نہیں۔ یہ اشتغال اور انہماک اِن کے لڑکوں کو نہیں بگڑنے دیتا۔

---

441. فضول خرچ

[خط: 108]

لوگ ایسا خیال کرتے تھے کہ انگریزی تعلیم رفتہ رفتہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک کردے گی لیکن علیٰ رغم التوقع[442] چند سال سے دیکھتے ہیں کہ دونوں قوموں میں اُلٹی ایک طرح کی مخاصمت سی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اگر یہ مخاصمت صرف طرفین کے عوام میں ہوتو کچھ پروا کی بات نہیں، مگر افسوس ہے کہ تعلیم یافتہ اور اِن لائیٹنڈ[443] لوگوں کے دلوں میں تکدّر آگیا ہے۔ یہ باہمی نِفاق اگر جڑ پکڑ گیا، ممکن نہیں کہ ملک کو پنپنے دے۔ اِس فتنۂ خوابیدہ کو بیدار کیا ہے تاریخوں نے، جو سرکاری مدارس کے کورس[444] میں داخل ہیں۔ اِس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ بعض مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں کے ساتھ ظالمانہ مدارات کی لیکن کس قوم کی شخصی سلطنت میں (اور سلطنت بھی بہ زورِ شمشیر حاصل کی ہوئی) ایسی مثالیں نہیں ہیں؟ اور اگر بعض مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں پر ظلم کیا ہے تو بعض نے (اور یہ بعض اُن بعض ظالموں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں) ہندوؤں کے ساتھ سلوک بھی ایسے ایسے کیے ہیں کہ کسی گورنمنٹ نے غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ نہ کیے ہوں گے۔ مسلمانوں کی سلطنت میں ظلم متوارث ہوتا تو آج ہندو دِوا کو بھی ڈھونڈے نہ ملتے۔ مجھ سے اور سررشتۂ تعلیم کے کسی افسر سے اگر کبھی ملاقات کا اتفاق ہوا تو میں ضرور اُس سے کہہ کر رہوں گا کہ ایسی تاریخیں بناؤ یا بہ فرمایش بنواؤ اور مدارس میں پھیلاؤ کہ یہ دونوں قومیں پچھلی نا اتفاقیوں کو بھلا کر آیندہ صلح کاری سے زندگی بسر کریں، مگر میری کون سنے گا اور کیوں سنے گا؟ خدا کرے گورنمنٹ کو خود ہی سوجھ پڑے۔

---

442. بہ خلاف امید

443. روشن خیال

444. نصاب

[خط: 109]

یہ خیال کرنا بڑی بے انصافی اور ہٹ دھرمی کی بات ہے کہ دوسری قوموں کے رسم ورواج عموماً لغو وبیہودہ ہیں ،اور اس سے بڑھ کر بے انصافی اور ہٹ دھرمی کی بات یہ ہے کہ کسی دوسری قوم کے آدمی سے نفرت کی جائے یا اُس کو نظرِ حقارت سے دیکھا جائے، صرف اِس وجہ سے کہ وہ دوسری قوم کا ہے۔ ہم کو ہندوؤں کے ساتھ بڑا قوی تعلق ہے جس کی لوگ کیسی عمدہ تشبیہ دیتے ہیں کہ ہمارا اِن کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہمارا اِن کا ایک جگہ کا رہنا سہنا، ملنا جلنا، لین دین پشت ہا پشت اور سیکڑوں برس کا ہے۔ ہم آپس میں لڑیں یا جھگڑیں، روٹھیں یا بگڑیں ،مگر کہلائیں گے دونوں ہندوستانی، انڈین نیٹو،[445] کالا لوگ۔ ہم دونوں کے اغراض ایسے مُشتَبِک[446] اور وابستۂ یک دگر ہیں کہ ہم کسی طرح ایک دوسرے سے چھوٹ نہیں سکتے، پس ہم دونوں کا مفاد اِسی میں ہے کہ جہاں تک ہوسکے ایک دوسرے کی طرف سے دل صاف رکھیں۔

ہاں تو میں ہندوؤں کے چند رواج بیان کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے گائے بیل کی بزرگ داشت[447] سے چلو۔ اُن منفعتوں پر نظر کرو جو بنی نوعِ انسان کو اِس جانور سے پہنچتی ہیں تو دنیا کا کوئی جانور اتنا بہ کار آمد نہیں۔ سب پر مقدم کاشت کاری کہ اُس میں جتنے کام مشقت کے ہیں بتمامہا[448] اِسی جانور سے لیے جاتے ہیں۔ سواری، باربرداری، دودھ، گھی ،یہاں تک کہ مَرے پیچھے بھی ہڈی ، چمڑا، سینگ ،کوئی چیز بے مصرف نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس شخص نے ہندوستان میں اِس جانور کی بزرگ داشت کا قاعدہ جاری کیا،

---

445. ہندوستانی
446. دست وبغل
447. خدمت گزاری
448. کل، سب کے سب

بڑا ہی دانش مند اور عاقبت اندیش ہو گزرا ہے۔ اُس نے ملکی ضرورت پر نظر کی، اور یہ بھی سمجھا کہ تا وقتے کہ داخلِ احکامِ مذہبی نہ کی جائے، پوری پوری بزرگ داشت ممکن نہیں۔

اِسی طرح گنگا جمنا کی تعظیم بھی بے اصل نہیں۔ میں اپنے نفس پر قیاس کرتا ہوں کہ مجھ کو بجنور کے تعلق سے گنگا کے ساتھ ایک اُنسِ خاص ہے۔ جب کبھی عبور کا اتفاق ہوتا ہے، پیاس نہ بھی ہو تو بے اختیار اُس ہاضم اور شفاف اور سرد پانی کو جی چاہنے لگتا ہے۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ نماز کا وقت نہیں ہے، اور میں ٹھیرا رہا ہوں کہ دریا کے پانی (گنگا جل) سے (اشنان نہیں) وضو کر کے دو رکعت پڑھ لوں تو چلوں۔ ہندوستان کی کروڑوں بیگھ زمین گنگا اور جمنا سے سیراب ہوتی ہے۔ معلوم ہے کہ پانی محاسنِ قدرت میں سے ہے، اور لوگ مصنوعی تالابوں اور نہروں سے جی خوش کر لیتے ہیں تو کیا گنگا جمنا اِن سے بھی گئی گزری ہوئیں۔ ملک کی گرمی اور آب و ہوا کے لحاظ سے ہندوؤں میں ہر روز کے غسل (اشنان) کا قاعدہ بھی پسند کرنے کے قابل ہے۔

یورپ میں ڈاکٹروں کا اگر اجماع نہیں تو غلبۂ رائے اِس طرف ضرور ہے کہ انسان کو خدا نے گوشت کھانے کے لیے نہیں بنایا، کیوں کہ اِس کام کے لیے نہ تو اِس کے دانت مناسب ہیں، اور گوشت خوار جانوروں کے معدے میں ایک قسم کے تیزاب کی تولید ہوتی رہتی ہے جو گوشت کو خوب ہضم کرتا ہے، انسان کے معدے میں اُس تیزاب کے پیدا کرنے کی بھی صلاحیت نہیں۔ یہ ہے ماخذ وجیٹیرین[449] لوگوں کا جو ہمارے ملک کے ہندوؤں کی طرح گوشت نہیں کھاتے اور یورپ میں یوماً فیوماً زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ ایک بار اخبار میں نظر سے گزرا کہ امریکہ کے ڈاکٹروں نے یہ دلائل ثابت کیا ہے کہ آدمی کا جھوٹا آدمی کو طبّاً مضر ہے۔

غرض کسی قوم، کسی ملک کا کوئی مبتذل سے مبتذل رواج بھی مصلحت سے خالی نہیں۔ ہاں ممکن ہے کہ لوگ اُس میں کچھ مبالغہ کرنے لگے ہوں یا لوگوں کی حالت بدل جانے سے اُس میں ترمیم کی ضرورت ہو۔ اِن وقتوں کے انگریزی خوانوں کا عام رُجحانِ طبع

449. نباتات خوار

کہ اپنے ملک کی ہر چیز کو حقارت سے دیکھتے ہیں، اِنھی کے بے جا تعصّب اور نادانی کی دلیل ہے۔

مدّت کی بات ہے، گورکھ پور میں کچھ دنوں شہر کی صفائی کا چارج میرے پاس رہا۔ ولایت سے صفائی کے متعلّق ایک کتاب نئی آئی تھی، صاحب کلکٹر نے مجھ کو دی کہ دیکھو اِس میں سے شاید کوئی بات اخذ کرنے کی ہو۔ میں نے اُس کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ ایک کمیشن[450] بیٹھی تھی اِس بات کی دریافت کے لیے کہ سلبِ عفونت کی آسان تدبیر کیا ہے۔ اہلِ کمیشن نے فرانس، قسطنطنیہ، عرب، مصر، ہندوستان؛ غرض تمام اطراف واکناف میں برسوں تحقیقات کی؛ آخرِکار ثابت ہوا کہ مٹی بالخاصہ دافعِ عفونت ہے۔ وہ کتاب جو صاحب نے مجھ کو دی تھی اُس کمیشن کی رپورٹ تھی۔ اُس کے پڑھنے سے مجھ کو دو خیال پیدا ہوئے۔ اوّل تو انگریزوں کی تلاش کہ ایک سڑی سی بات کے لیے اِس قدر زحمت؛ دوسرے جو بات اِس قدر تحقیقات کے بعد دریافت ہوئی ،اب سے تیرہ سو برس پہلے ہمارے پیغمبر صاحب کو عَلَیْہِ مِنَ الصَّلٰوۃِ اَکْمَلُھَا وَ اَتَمُّھَا[451] معلوم تھی، اور اُنھوں نے مٹی کو طاہر طَہور[452] فرمایا تھا۔

[خط: 110]

مُتبنّیٰ کی فِیْ شَرْعِنا[453] کچھ اصل نہیں۔ وَ مَا جَعَلَ اللّٰہُ اَدْعِیَاءَ کُمْ اَبْنَاءَ کُمْ ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاھِکُمْ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقُّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ اُدْعُوْھُمْ لِاٰبَائِھِمْ ھُوَ

---

450. انجمن
451. ان پر کامل تر اور تمام تر رحمت
452. پاک اور پاک کرنے والی
453. ہماری شرع میں

اَقْسَطُ عِنْدَاللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا آبَاءَ هُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ.[454]

ایک آدمی جو متبنّیٰ لیتا ہے، اور ایک مرغی جو اپنے انڈے سینے کو نہیں پاتی اور کنکر پتھر لے کر بیٹھتی ہے، دونوں ایک ہی طرح کا ضعفِ طبیعت ظاہر کرتے ہیں۔ اس کی ضرورت اکثر دولت مندوں کو پیش آتی ہے جو دولت کے لیے کوئی مصرف نہیں پاتے ،لیکن اس سے کہ ایک شخصِ خاص بلا استحقاق متمتع ہو (اور جب بے زحمت پائے گا تو بے دریغ اُڑائے گا بھی ضرور) تعمیم منفعت[455] بہ مدارج بہتر ہے۔ وَ اَنْحَاؤُهَا كَثِيْرَةٌ وَ مِنْهَا اِعَانَةُ طَلَبَةِ الْعُلُوْمِ وَالْعُمْيَانِ وَالصُّمِّ وَالْبُكْمِ وَالْمَرْضٰى وَغَيْرِهِمْ.[456]

[خط: 111]

اُس شخص کو جس نے یونانی، انگریزی کسی قسم کی طب نہ پڑھی ہو، اور خدا کے فضل سے بیمار بھی کمتر ہوا ہو، بلکہ بہ حسابے نہ ہوا ہو، دونوں طریقوں میں محاکمہ کرنا مشکل ہے، مگر میں بیمار نہیں رہا تو بیماردار رہا !اس سے میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ انگریزی دوائیں لطیف، قلیل المقدار، سریع العمل، قویّ الاثر؛ آلات عمدہ، معلوماتِ متعلقۂ تشریح کامل؛ الغرض طبِّ انگریزی کی طرف موجباتِ ترجیح بہ کثرت ہیں اور ہونے چاہییں، مگر ایک بڑا بھاری نقصان بھی ہے کہ تشخیص کی غلطی (اور چوں کہ طب علمِ ظنّی ہے، اُس میں غلطی کا ہونا

454. اور جن کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہو (یعنی تمھارے لے پالک) ان کو خدا نے تمھارا بیٹا نہیں کیا۔ یہ تو تمھارے منہ کی بنائی بات ہے اور خدا سچی کہتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔ ان کو ان کے باپوں کا کہہ کر پکارو، یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرینِ راستی ہے۔ پس اگر ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور یار و مددگار ہیں۔

455. نفع کو عام کرنا

456. اور اس کے طریقے بہت ہیں اور من جملہ اس کے طالب علموں اور اندھوں اور بہروں اور گونگوں اور بیماروں اور دوسروں کی اعانت ہے۔

کچھ بعید نہیں بلکہ کثیر الوقوع ہے) بیمار کا جلد کام تمام کردیتی ہے۔ مرض کی وجہ سے طبیعت ہوتی ہے ضعیف، علاجِ غلط کی مقاومت[457] پر قادر نہیں ہوسکتی، اور یہی سبب ہے کہ ڈاکٹروں کے بیماروں کو مہینوں برسوں گھلتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ چٹ پٹ یا اِدھر یا اُدھر۔ اِن کے علاج کی مثال ایسی ہے جیسے ریل کہ اگر انجن ڈرائیور[458] انجن کو جو سنّاٹے کے ساتھ فُل سپیڈ[459] میں چلی جارہی ہے، بھولے سے غلط راستے پر لے جائے تو غالب ہے کہ اُس کو غلطی پر ایسے وقت تنبّہ ہوگا کہ ٹرین ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہوچکی ہوگی یا ٹرین کا بچانا اُس کے اختیار سے خارج ہوگیا ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ حقیقت میں مدبّرِ بدن ہے طبیعت؛ وہی مریض ہے، وہی طبیب، وہی دوا۔ اور انگریزی، یونانی کسی قسم کی طب کیوں نہ ہو حتّٰی کہ گنڈے، تعویذ، ٹونے، ٹوٹکے، جھاڑ، پھونک؛ سارے ڈھکوسلے ہیں طبیعت کو قوّت دینے کے۔ جس کو جس کا اعتقاد، وہی اُس کی شفا،اور اُسی میں اُس کا مفاد۔ مفرد امراض کے لیے میرے نزدیک انگریزی علاج بہتر ہے مگر امراضِ مزمنہ[460] میں مَیں یونانی علاج کو پسند کرتا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی خیال ہے۔

[خط: 112]

چوں کہ اسلام میں رُہبانیت[461] نہیں، اور یہ سب سے قوی دلیل اُس کی اصلی صداقت کی ہے۔ تو جو خوشی انسان کانوں کی راہ حاصل کرسکتا ہے کلیۃً ممنوع نہیں ہونی

---

457. مقابلہ
458. انجن کا ہانکنے والا
459. پوری تیزی
460. کہنہ
461. جیسا ہندوؤں میں جوگ سنیاس ویسی ہی عیسائیوں میں رہبانیت

چاہیے، اور ممنوع ہے بھی نہیں، مگر موسیقی کو بِاَقْسَامِھَا[462] ایسے نالائق پاجی لوگوں نے اپنا پیشہ ٹھیرا رکھا ہے کہ کوئی شریف اُن کی صحبت میں بیٹھ کر (اگرچہ کبھی کبھی اور تھوڑی ہی دیر کے لیے کیوں نہ ہو) باوقار اور وضع دار لوگوں کی نظر میں شریف رہ نہیں سکتا، اور یہ بھی ممکن نہیں کہ انسان موسیقی کا مذاق رکھے اور اہلِ فن سے نہ ملے۔ پس تقاضاے سوسائٹی یہ ہے کہ اِس مذاق کو طبیعت میں پیدا نہ ہونے دیا جائے۔ مذاق کا پیدا نہ ہونے دینا کچھ بھی مشکل نہیں مگر پیدا ہوئے پیچھے طبیعت کا ضبط کرنا مشکل نہیں بلکہ محال ہے۔

[خط: 113]

تم مجھ سے انگریزی تعلیم کی بہت مدح سنتے رہے ہو اِس لیے کہ تمھیں انگریزی پڑھوانی منظور تھی۔ اب کہ تم نے اتنی انگریزی پڑھ لی جتنی کوئین اِمپرس وکٹوریا[463] کی رعایا میں سے ہر بھلے آدمی کو ضرور ہے، تو لو اب اُس کی برائیاں بھی سنو، کیوں کہ ہر چیز میں حُسن و قُبح دونوں کے محامل[464] ہوتے ہیں۔

ع نفعِ مے جملہ بگفتی ضررش نیز بگو

یہ میری اکیلے کی راے نہیں ہے بلکہ عام لوگوں کی، اور خود انگریز بھی اِس کے شاکی ہیں کہ ہندوستانی انگریزی پڑھ کر مغرور اور گستاخ اور خود پسند ہو جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب ایک قوم کو خدا سلطنت دیتا ہے کہ وہ دنیا کی بہشت ہے تو اُس قوم کی سب چیزوں میں شانِ حکومت آجاتی ہے، اور زبان بھی اِس عموم سے مستثنیٰ نہیں۔ انگریزی کی وسعت کا تو یہ حال ہے کہ اگر علمِ فلاحت یا کیمیا یا طب یا تشریح یا نیچرل فلاسفی؛[465] غرض

462. اس کی تمام قسموں کے ساتھ
463. ملکۂ قیصرہ وکٹوریا فرماں روائے انگلستان وہندوستان
464. پہلو
465. طبیعیات یا فلسفۂ طبیعی

سائنس کی کسی کتاب کو ترجمے کے ارادے سے لے کر بیٹھو تو سطر پیچھے دو چار لفظ ضرور ایسے ہوں گے کہ اردو بے چاری کی تو کیا بساط ہے، گئے آمدی گئے پیر شدی، عربی میں جو ہماری کلاسکل لینگویج[466] ہے، اُن کے مرادف نہیں ملتے۔ پس یہ مجبوری یا تو نئے الفاظ گھڑو یا بعینہا انگریزی کے الفاظ رہنے دو، اور دونوں پیرایے بھونڈے، اور اِنھی دقتوں کی وجہ سے ہم علوم جدید سے محروم۔ مصر اور قسطنطنیہ کے عربی اور فارسی کے اخبار دیکھو تو تم کو اِس کی تصدیق ہو۔ جو شخص فرنچ[467] اور انگریزی کے مصطلحات نہیں جانتا، اِن اخباروں کا ایک آرٹکل بھی نہیں سمجھ سکتا۔ شاہِ ایران کے روزنامچۂ سفرِ ولایت کا بھی یہی حال ہے اور خود ہماری زبان میں بھی الفاظِ انگریزی برابر داخل ہوتے چلے جاتے ہیں، اور یہ ضروری نتیجہ ہے انگریزوں کے غلبۂ قومی یعنی سلطنت کا کہ اِن کی زبان دوسری زبانوں پر غالب آتی چلی جاتی ہے۔ پس وہ جو میں نے کہا تھا کہ جب خدا کسی قوم کو سلطنت دیتا ہے تو اُس کی سب چیزوں میں شانِ حکومت آجاتی ہے، زبانِ انگریزی کی یہ ایک شانِ حکومت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انگریزی میں ابتذال اور خوشامد اور مبالغہ اور جھوٹ نہیں۔ ہمارے یہاں بیسیوں انشائیں صرف القاب آداب، معمولی خیر و عافیت، رسمی شوق وانتظار کے لیے پڑھنی پڑتی ہیں؛ پھر اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی؟ طرزِ مراسلت ایسا بگڑا ہے کہ بچپن سے عادتیں پڑی ہوئی ہیں؛ اِس سے احساس نہیں ہوتا، ورنہ آدھا جھوٹ اور باقی آدھے میں اپنی تذلیلِ بے سبب، مخاطب کی مدح بلا استحقاق۔ لوگوں کو تعصب اور ہٹ دھرمی سے کفرانِ نعمت کرنے دو۔ اپنا تو مقولہ یہ ہے کہ فارسی لٹریچر نے ہماری تہذیب کو بالکل برباد کردیا تھا۔ اب اردو پر انگریزی رنگ آتا چلا ہے۔ زبان مبالغے اور ابتذال کے عیوب سے بہت پاک ہوگئی ہے اور ہوتی جاتی ہے۔ سیدھی اور صاف بات میں لوگوں کو مزہ ملنے لگا ہے۔ کچہری کا ایک ادنیٰ محرر بھی خاص کر مسلمان، اپنے تئیں خانہ زاد اور نمک پرورد اور فدوی اور خاکِ پا، اور حاکم کو خداوندِ خدایگاں، پیرومرشد، قبلۂ عالم

466. طبقۂ اعلیٰ کی زبان
467. زبانِ فرانس

نہیں کہنا چاہتا۔ غرض انگریزی نے ہر ایک کے کان میں پھونک دیا ہے کہ وہ بھی آدمی ہے، جان اور مال اور عزّت رکھتا ہے، اُس کے سب حقوق محفوظ ہیں۔ کوئین امپرس وکٹوریا کی رعیّت اور ایک حد تک حاکمِ وقت کا محکوم ہے مگر کسی کا زرخرید غلام نہیں۔ اُس پر اپنے افسر کا ادب لازم ہے نہ پرستش، وہ خوشی سے سلام کرتا ہے نہ سجدہ، مودّب الفاظ میں بات کا جواب دیتا ہے لیکن گڑگڑا کر اور ہاتھ جوڑ کر نہیں۔ وہ اگر قصوروار ہے، ضابطے کی سزا کو خوش دلی سے انگیز[468] کرتا ہے مگر ڈام فول[469] سننے کی اُس کو مطلق برداشت نہیں۔

اگر انگریزی خوانوں کے غرور کی شکایت انگریزوں ہی سے سنی گئی ہوتی تو ہم سمجھتے کہ بعض نوجوان، تازہ ولایت، تیز مزاج انگریز پاجی خدمت گاروں میں رہ کر بدزبانی کرنے لگتے ہیں۔ عجب نہیں کسی غیور[470] سے پالا پڑ گیا ہو، اور اُس نے بات کا بتنگڑ بنا کھڑا کیا ہو۔ مگر انگریزی خوانوں کے غرور کے اَور بہت سے شواہد ہیں اور تم خود مُحتسبانہ ان کے حالات کی تفتیش کروگے تو مان لوگے کہ انگریزی خواں کل نہیں تو اکثر اپنی ہی سوسائٹی کو نظرِ حقارت سے دیکھنے لگتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری سوسائٹی میں کوئی عیب نہیں، بے عیب ذات خدا کی۔ مگر ہم کو اپنے ملک کے انگریزی خوانوں سے دو طرح کی گفتگو ہے۔ اوّل تو ہم کو اِسی میں کلام ہے کہ جس کو انگریزی خواں عیب سمجھتے ہیں، فی نفسہٖ عیب بھی ہے یا نہیں؟ انگریزی پڑھنے سے آدمی ضرور کسی نہ کسی قدر پریجوڈسڈ[471] ہوجاتا ہے یعنی اُس کے ذہن میں انگریزی کی خوبی قدرِ واجب سے زیادہ بیٹھ جاتی ہے۔ یوں تو حکومت کی وجہ سے انگریزوں کی تمام ادائیں تھوڑی بہت سبھی کی نظروں میں بھلی معلوم ہوتی ہیں، اور آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں معلوم ہوں گی، پر ہوں گی۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ[472] مگر انگریزی خواں تو گویا انگریزوں کے بھاٹ ہیں۔ ہماری سوسائٹی کے

---

468. [برداشت]

469. پاجی گدھا

470. غیرت مند اس کا مرجع انگریز ہے

471. بے تحقیق کیے ہوئے پہلے سے ایک خیال جما لینے والا

472. لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔

عیوب بے چارے انگریزی خواں ہم سے زیادہ کیا جان سکتے ہیں، ہم آپ ہی نہ گنوادیں؟ ہم میں لاکھ عیبوں کا ایک عیب تو ہے مفلسی، اور مفلسی بھی لازم کہ اب سے شاید دس نسلوں تک دفع ہوتی نظر نہیں آتی۔ اس پر مزید تعصب ، جہالت ، بے ہنری، بے حمیتی، کاہلی، ناعاقبت اندیشی، خودغرضی، باہمی نااتفاقی یعنی تمام لوازمِ بداقبالی؛ مگر بڑا رونا تو اِسی کا ہے کہ ہمارے انگریزی داں بھائی جو ہمارے ملک کے گُلِ سرسبد[473] سمجھے جاتے ہیں، اِن وجوہ سے ہم کو ذلیل نہیں سمجھتے، اور کس منہ سے سمجھیں کہ یہ عیوب بِتَمَامِهَا مَعَ شَیءٍ زَائِــــدٍ[474] خود اُن میں موجود ہیں۔ ہماری آنکھ میں ناخنہ ہے تو اُن کی میں ٹینٹ۔ ہم کانڑے ہیں تو وہ اندھے۔ ہم ہکلے ہیں تو وہ گونگے۔ انگریزی خوانوں میں اگر بلندنظری ہوتی تو بھلے ہی دن نہ ہوتے؟ اُن کو تو ہم میں ایک ہی عیب سوجھتا ہے کہ ہم انگریزوں کی طرح کا طرزِ تمدن کیوں نہیں اختیار کرتے۔ اُنھی کے سے مکان میں رہیں، اُنھی کے سے کپڑے پہنیں، اُنھی کی طرح کھائیں پئیں، اُنھی کی طرح عورتوں کو آزاد کردیں کہ مُردنگیاں باہر پڑی پھریں ۔ گویا اِن دانش مندوں کے نزدیک انگریزوں کا دنیاوی عروج اُن کے طرزِ تمدن کی وجہ سے ہے۔

ع فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

ارے عقل کے دشمنو! انگریزوں کی وہ صفتیں ہی دوسری ہیں جو اُن کی ترقی کا سبب واقع ہوئی ہیں۔ محنت، جفاکشی، تفتیش و تلاش، استقلال، ضبطِ اوقات، علومِ جدید میں توغل، قومی اتفاق۔

مجھ کو تمام عمر انگریزی سوسائٹی میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا، اور نہ کبھی اس کی تمنا کی۔ پس مجھ کو انگریزی سوسائٹی کا بہت ہی تھوڑا حال معلوم ہے لیکن جتنا معلوم ہے اُس کی نسبت تو میرا خیال اچھا نہیں۔ بھلا ایسے لوگوں کی سوسائٹی میں داخل ہونے کی کیا کسی غیرقوم کے آدمی کو رغبت ہوگی جن کے مزاجوں میں اس قدر اجنبیت ہو کہ ایک ہی قوم کے

473. ڈالی کے سرے پر کے پھول
474. کل بلکہ کسی قدر زیادہ ہی

دو آدمی مدتوں ایک ہوٹل یا جہاز میں رہیں، دونوں وقت ایک میز پر کھانا کھائیں اور ایک دوسرے سے معرفت نہ پیدا کرسکیں۔ معلوم ہے کہ انگریزوں میں عورتوں کے پردے کا دستور نہیں۔ اِس سے بڑھ کر یہ کہ مرد ہو یا عورت عَلٰی رُؤُسِ الْاَشْھَاد[475] ناچنے کا عیب نہیں، اور ناچنا بھی ہمارے ملک کا سا نہیں بلکہ مرد اور عورت ایک وضع خاص سے بغل گیر ہوکر ناچتے ہیں۔ خیر یہ تو ہر ملکے و ہر رسے، مجھ کو اِس مقام پر اُور ہی بات کہنی منظور ہے کہ اگر ناچنے میں مثلاً جیمس اور میری کا جوڑا لگ جائے تو یہ اختلاط داخلِ ملاقات نہیں، پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے اجنبی کے اجنبی۔ چھوٹے چھوٹے بچّوں کو یہ لوگ پڑھنے کے لیے ولایت بھیج ہی دیتے ہیں۔ تم نے بھی خیال کیا ہوگا کہ یہ لوگ چاہے اکیلے ہوں مگر اکثر رہیں گے الگ کوٹھی میں۔ اِن باتوں سے ایسا مستنبط ہوتا ہے کہ انگریزوں کی طبیعتیں انس پزیر کم ہیں۔ آدھے وحشی تو ہم اب سمجھے جاتے ہیں، اگر کہیں ایسے روکھے مزاج ہمارے ہوتے تو پورے وحشی نہیں بلکہ ڈیوڑھے پَون دونے وحشی ہونے میں کیا کسر تھی؟

رہ گیا طرزِ تمدّن، اِس میں عورتوں کو بڑا مدخل ہے، اور کیوں نہ ہو، آخر وہ بھی تو سوسائٹی میں داخل ہیں۔ ہم میں اور انگریزوں میں بڑا اختلاف اِن عورتوں کی وجہ سے ہے۔ اب اِس کا محاکمہ کون کرے کہ عورتوں کے ساتھ کون سی سوسائٹی کی مُدارات مناسب ہے۔ اِس مقام پر مجھے ایک نقل یاد آئی: میرے ایک معزز دوست کہتے تھے کہ ہمارا سارا خاندان کا خاندان شیعہ ہے۔ میں نے بڑے ہوکر سنّی شیعوں کے اختلافات کی تحقیقات کی، اور آخر کار میری رائے اِس پر قرار پائی کہ سنّی برسرِ حق ہیں، چناں چہ میں سنّی ہوگیا۔ خاندان کے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ مباحثات رہتے تھے، اور میں ہر ایک کو سنّی ہوجانے کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ ایک بی بی میری بزرگ تھیں، اُن سے بھی میں ہمیشہ کہتا رہتا تھا کہ سنّی ہوجاؤ۔ وہ بی بی میری باتوں کا جواب تو کیا دیتیں، سن کر چپ ہو رہا کرتی تھیں۔ ایک دن میں نے ان بی بی سے کہا کہ آخر کچھ بیان تو کرو کہ تم کو سنّی ہوجانے میں

---

475. لوگوں کے سامنے کھلے خزانے

تامّل کیوں ہے؟ تو اُن بی بی نے فرمایا کہ بیٹا! بات یہ ہے کہ مجھ کو اُن موؤں[476] (اصحابِ ثلٰثہ) کے نام ہی بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ سچ ہے انسان ایسا ہی ضعیف مخلوق ہے کہ اُس کی راے پر سوسائٹی کا تھوڑا بہت اثر ضرور ہوتا ہے۔ یہ انگریزی خوانوں کے صرف منہ سے کہنے کی باتیں ہیں۔ ذٰلِکَ قَوۡلُهُمۡ بِـاَفۡوَاهِهِمۡ[477] کہ ہمارا طرزِ تمدّن انگریزی ہو جائے۔ دوسرے اختلاط تو درکنار، مجمع میں کوئی اُن سے اُن کی جورو کا مزاج شریف پوچھ بیٹھے گا یا اُن کے رؤ در رؤ اُس کی خوب صورتی کی تعریف کرے گا تو ممکن نہیں کہ سر سے پاؤں تک میاں کے تن بدن میں پتنگے نہ لگ جائیں۔

ہماری تمام اخلاقی عمارت عورتوں کی پردہ داری پر مبنی ہے۔ جس دن عورتوں کی پردہ داری میں ذرا بھی خلل پڑے گا، ساری عمارت متزلزل ہوجائے گی۔ اگر چہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اِس معاملے میں کسی ہندوستانی یا کسی انگریز کی راے برسرِ صواب نہیں ہوسکتی کیوں کہ ہر شخص بہ تصنّع نہیں بلکہ بالطبع اپنی ہی سوسائٹی کی جانب داری کرے گا، مگر میں حتّی الوسع انصاف کے ساتھ تم پر اتنی بات ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے طرزِ تمدّن کی جس قدر برائی کی جاتی ہے، اُس قدر برائی کا وہ سزاوار نہیں۔ کہتے ہیں کہ ہندوستانیوں[478] کی عورتیں دائم الحبس ہیں، شوہروں کے انتخاب میں اِن کا اختیارِ واجب زبردستی سلب کرلیا گیا ہے، اِن کو ظلماً گھروں کی چار دیواری میں قید رکھ کر جائز تمتّعات سے محروم کیا گیا ہے۔ یہ اور اِس قسم کے اَور اعتراضات جو ہندوستانیوں کے نہیں بلکہ مسلمانوں کے پردے کے رواج پر وارد کیے جاتے ہیں، انگلش پوائنٹ آف ویو[479] یعنی انگریزوں کی آنکھ سے دیکھا جائے تو ہمارے وحشی اور بے رحم اور سنگ دل ہونے کی بڑی

476. [نقلِ کفر کفر نباشد]
477. وہ ان کے منہ کی (بنائی ہوئی) باتیں ہیں
478. اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورتوں کا پردہ مسلمانوں سے چلا ورنہ ہندوؤں میں پردہ نہ تھا اور اب جو ہے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی۔
479. انگریزوں کے زبنۂ خیال سے، انگریزوں کی آنکھ سے

قوی دلیل معلوم ہوتے ہیں، لیکن جو عورتیں رواجاً پردہ نہیں کرتیں (اور ہندوستان میں خاص کر دیہات میں ایسی قومیں بہ کثرت ہیں) اور خود انگریزوں کی عورتیں بھی۔ میں اپنے پندار میں سب کو مردوں کے اختلاط سے گریزاں پاتا ہوں یعنی پردہ تمام جہان کی نسواں کا تقاضائے طبیعت معلوم ہوتا ہے، اور اگر میرا یہ خیال غلط بھی ہو، تاہم انگریز تو خیر غیر قوم، غیر مذہب اور غیر ملک کے ہیں یہ تو پردہ دار خاندانوں کا حال کیا جان سکتے ہیں، مگر ہمی میں کے بگڑے ہوئے مسلمان جن پر انگریزی کی سنوار ہے، اور جو انگریزوں سے بڑھ کر پردے کی برائیوں کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں، ایک تو ہمارے منہ پر کہہ دے کہ اُس نے کبھی کسی پردہ دار عورت کو پردے کی سختی کا شاکی پایا ہے۔ اِس کو بھی جانے دو، اِس کلیے سے تو انکار نہیں ہوسکتا کہ اَلْعَادَۃُ طَبِیْعَۃٌ ثَانِیَۃٌ[480] یا انگریزی خوانوں کے یقین دلانے کے لیے اُسی بولی میں کیوں نہ کہو جس کی وقعت اُن کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہے "ہیبٹ از دی سکنڈ نیچر"[481] تو اگر پردہ داری عام صنفِ نسواں کا تقاضائے طبیعت نہ بھی ہو تاہم رواجِ مستمر نے اُس کو طبیعت بنا دیا ہے۔ پرنس آف ویلز ہندوستان میں تشریف لائے تو کچھ قیدی رہا کیے گئے؛ اُن میں ایک دائم الحبس آغازِ جوانی میں قید ہوا تھا۔ رہا کیا گیا تو بوڑھا ہوگیا تھا۔ چند روز بعد اُس نے عرضی دی کہ مجھے جیل خانے کے باہر اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ چالیس پچاس برس کی قید اُس شخص کو جیل خانے سے مانوس کردے اور صدہا برس کی اُمًّا عَنْ جَدَّۃٍ[482] متوارث پردہ نشینی کے بعد عورتوں کا دیدہ ہوائی رہے، کسی کی عقل اِس کو قبول کرے گی؟ غرض عورتوں کی طرف سے وکالتہً جو پردہ داری کی شکایت کی جاتی ہے محض لغو اور بے اصل ہے۔ مجھ کو حقیقت میں ہنسی آتی ہے کہ پردے کی وجہ سے مسلمانوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ عورتوں کی کچھ قدر نہیں کرتے، اور میں کہتا ہوں کہ پردہ ہی اِس بات کا ثبوت ہے کہ جیسا اپنی عورتوں کو ہم عزیز رکھتے ہیں دنیا میں کوئی

---

480. عادت دوسری طبیعت ہے۔

481. عادت دوسری فطرت ہے۔

482. ماں نانی سے چلی آنے والی [یعنی پشت ہا پشت سے]

قوم نہ رکھتی ہوگی۔

غیرت از چشم برم، روے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم

جتنے اعتراض عورتوں کے پردے پر وارد کیے جاتے ہیں سب میں یہ اعتراض کسی قدر جان دار ہے کہ شوہروں کے انتخاب میں پردہ دار عورتوں کو آزادی نہیں، لیکن ساری دنیا اور خاص کر ہندوستان میں یہ مشکل مقدمہ عورتوں کو ایسی ابتدائی عمر میں پیش آتا ہے جب کہ ناتجربہ کاری اور نقصانِ عقل کی وجہ سے اُن کو اِس کے قابلِ اطمینان فیصلے کی قابلیت نہیں ہوتی، اور زن وشو کی حالتوں میں آخرِ عمر تک معمولی غیرمعمولی ایسے ایسے عظیم تبدلات واقع ہوتے ہیں کہ بڑے سے بڑے دانش مند پختہ کار کی عقل بھی اُن پر احاطہ نہیں کرسکتی۔ اِس صورت میں ایسے سُتُرگ معاملے کا تصفیہ طرفین کے بزرگوں کی تجویز سے ہونا قرینِ مصلحت ہے؛ اور عورتوں کی کیا تخصیص ہے، ہم تو اپنے یہاں کے مردوں کو بھی اِس معاملے میں قریب قریب ایسا ہی بے اختیار پاتے ہیں۔ میں اِس کو مانتا ہوں کہ انگریزوں کی عورتیں لیاقتِ علمی میں، ہنرِ خانہ داری میں، سلیقہ شعاری میں ہندوستانی عورتوں سے بہ مدارج بہتر ہیں، اور مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ انگریزنوں میں بعض صاحبِ تصانیف ہیں، بعض نے مردوں کے ساتھ کمپیٹ[483] کرکے بی.اے. اور ایم.اے. کے خطاب اور ڈپلوے[484] پائے ہیں۔ غرض اِن عورتوں نے بہ خوبی ثابت کردیا ہے کہ جسمانی توانائی کو چھوڑ کر، کہ وہ ایک قدرتی بات ہے، باقی دنیا کے سارے کام جو مرد کرسکتے ہیں، عورتیں بھی کرسکتی ہیں۔ مگر خوب سمجھے رہو کہ مجھ کو اِس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ ہندوستان کی عورتوں کو اُن کی حالت کے مناسب تعلیم کرنا نہایت ضرور ہے، مگر ساتھ ہی رواجِ پردہ کی موقوفی کا میں سخت مخالف ہوں۔ اوّل تو میں انگریزنوں کا کوئی کارِ نمایاں ایسا نہیں دیکھتا جس کو میں سمجھوں کہ پردہ اُس میں حارج ہوسکتا ہے۔ اور اگر ہو بھی تو بے پردگی

483. مقابلہ بالمسابقہ

484. اسناد

کے خراب نتیجے اخباروں میں پڑھتے پڑھتے کلیجا پک گیا۔ ایسے فائدوں کو (اگر ہوں) سلام ہے جو سوسائٹی کو گندا کریں۔ ہماری بیبیاں بلا سے پھوہڑ ہوں، بے ہنر ہوں، بے سلیقہ ہوں، بے علم ہوں کہ بچّوں کا ہاتھ منہ دُھلانے، پھٹا اُدھڑا سینے، روٹی دال پکا لینے کے سوائے اور کچھ نہ جانتی ہوں، ساری دنیا میں کوئین اِمپرس وِکٹوریا کی جوبلی[485] کا غل ہو، اور اِن کو خاک خبر نہ ہو، سوڈان اور بلغاریہ اور برھما کے نام تک اِن کو معلوم نہ ہوں، روس کے جھگڑے اور فرانس کے ننٹے اِن کے کانوں تک نہ پہنچے ہوں؛ غرض ہماری بیبیاں جانور ہوں، پتھر ہوں، بلکہ اُن سے بھی بدتر ہوں، ہم کو قبول۔ خدا نے سرچارلس ڈائک اور مدراس والے راس اور ایک ڈائک اور ایک راس ایسے ایسے پچاس کی فضیحت اور رسوائی سے تو بچایا ہے۔

اب رہا انگریزی لباس؛ اِس میں سے عورتوں کی فُل ڈریس[486] اگر بہتر ہے تو بلا مبالغہ اِس شعر کا مصداق:

تنِ عریانی سے بہتر نہیں، دنیا میں لباس
یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا

اور فُل ڈریس کی بھی ایک ہی کہی:

ع برعکس نہند نامِ زنگی کافور

غرض فُل ڈریس اور اُس کے نام سے انگریزوں کا مذاقِ لباسی معلوم ہوا، زیادہ صراحت کی کیا ضرورت ہے، کیا خوب کہا ہے:

ہر یکے ناصح برائے دیگراں
ناصحِ خود یافتم کم در جہاں

دوسروں کو کیسا منہ بھر بھر کے جانور اور وحشی اور نامہذّب کہہ بیٹھتے ہیں، اور اپنا یہ حال کہ سچ پوچھو تو تن بدن ڈھانکنے تک کا سلیقہ نہیں۔ اِن لوگوں کے مردانہ لباس میں انضمامِ

---

485. پچاسویں سال گرہ کی تقریب
486. پوری پوشاک

حکومت سے البتہ ایک شانِ وقعت پیدا ہوگئی ہے ورنہ فِی حَدِّ ذَاتِہٖ مڑھے ہوئے کپڑوں پر ایک چھچھورپن سا برستا ہے، اور خود انگریزوں کو دیکھا ہے کہ گرمی کے موسم میں بُوکلا بُوکلا اٹھتے ہیں۔ اپنے قومی لباس کے متحمل نہیں ہوسکتے، اور گھروں پر اوقاتِ خاص میں ہماری طرح کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے رہتے ہیں۔ ہم تو اُن کو پابندیِ رسم ورواج سے آزاد نہیں مانتے۔ ایک وضع کو موجب راحت سمجھا تھا تو پھر اُس کے اختیار کرنے میں جھینپنا کیا معنیٰ؟

میں سمجھتا ہوں کہ انگریزی لباس ہی نے انگریزوں کو اِس بات پر مجبور کر رکھا ہے کہ دن رات کرسی کوچ پر لدے رہتے ہیں، ورنہ اگر ہٹ دھرمی نہ کی جائے تو جو آسایش فرش پر بیٹھنے میں ہے، اُس کا عُشرِ عشیر بھی کرسی کوچ میں نہیں۔ کرسی پر ایک ہی وضع سے آدمی کو بیٹھنا پڑتا ہے۔ بہت کیا تو ذرا پیٹھ لگا لی یا اکیلے ہوئے تو میز پر ٹانگیں سیدھی کرلیں مگر یہ ڈولی ڈنڈے کا طور قابلِ دید ہوتا ہے۔ اور وہاں ایک وضع اور بھی ہے۔ پیروں پر زور دے کر کرسی سمیت پیچھے کو تن گئے، مرکزِ ثقل جگہ سے بے جگہ ہوا، ٹانگیں اوپر اور سر نیچے۔ پتلون کی قینچی چڑھی ہوئی ہے، اور پڑے چلا رہے ہیں کہ آدمی آئے تو اٹھا کر کھڑا کرے۔ فرش پر آدمی اتنی اوضاعِ کثیرہ سے بیٹھ سکتا ہے کہ اُن کا شمار نہیں ہوسکتا، اور از روے اُصولِ طب فرش پر بیٹھنا تن درستی کے لیے نہایت مفید ہے، مگر حکومت کے آگے آسایش اور طب پر کون نظر کرتا ہے۔ ایک عالم اِسی خبط میں مبتلا ہے کہ بجا ہو یا بے جا، جہاں تک ہوسکے انگریزوں کی تقلید کیجیے، اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہر ملک کے لوگ خصائصِ ملکی کے لحاظ سے ایک خاص طرح پر زندگی بسر کرنے کے خوگر ہیں یعنی اُن کے لیے آسایش کی وہی ایک خاص طرح ہے؛ اُس کو بے داعیۂ قوی بدلنا ضرور تکلیف دہ ہوگا۔

جو لوگ وضعِ انگریزی کے گرویدہ ہیں، کیوں کر ہوسکتا ہے کہ لباس انگریزی ہو، نشست برخاست انگریزی ہو، اور کھانا انگریزی نہ ہو۔ انگریزی کھانے کے ایک تو یہ معنی کہ میز کرسی، کانٹا چھری ہو یعنی دیسی کھانا انگریزی طور پر کھایا جائے۔ دوسرے یہ کہ کھانا بھی انگریزی ہو۔ ہم میں کے ایک نئے رِفارمر[487] بگڑے ہیں۔ اُنھوں نے ہاتھ سے

487. کفیلِ اصلاح [مصلحِ قوم]

کھانے پر (کہیں یہ مت خیال کرلینا کہ رفامر صاحب کتے کی طرح منہ سے یا کوے کی طرح پاؤں سے کھاتے تھے بلکہ چھری کانٹے سے) ہندوستانیوں کو کیسا کیسا لتاڑا ہے کہ توبہ ہی بھلی، مگر اُن کی ساری بکواس کا ماحصل اتنا ہی تھا کہ ہاتھ سے کھانا نچلی پن ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ ہاتھ سے کھانے میں ہاتھ تو خواہ نخواہ تھوڑا بہت بھرتا ہی ہے مگر پھر ہم کہتے ہیں کہ رغبت اور نفرت عام نہیں بلکہ عادت پر موقوف ہے۔ سارڈین[488] وغیرہ انگریزوں کی بہت چیزیں ہیں کہ ہم کو اُن سے گھن آتی ہے۔ کھانے کے بعد کُلی نہ کریں تو ہماری طبیعت مالش کرنے لگتی ہے، اور بعض کو تو بے تبدیلِ ذائقہ چین نہیں پڑتا۔ غرض صفائی اور طہارت کا قومی بلکہ شخصی سٹینڈرڈ[489] مختلف ہے، اور کسی کو کسی پر جرح وطعن کا منصب نہیں۔ ایک بار ایک دُکان پر ایک خاص طرح کی چاے کی پیالیاں دیکھنے میں آئیں۔ پیالی کے کنارے پر اندر کی طرف کو ایک چھجا سا نکلا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ موچھوں کے بچاؤ کے لیے یہ تجویز سوچی گئی ہے۔ اُسی وقت مجھ کو قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحیٰ۔[490] یاد آیا اور خیال ہوا کہ شارع نے کس قدر ہمارے مصالح کا حفظ کیا ہے۔ پھر اِس طرف ذہن منتقل ہوا کہ پابندیِ رواج بھی کیا بری چیز ہے۔ یہ تکلفات کرتے ہیں، اور اتنا نہیں ہوسکتا کہ لبیں لوا ڈالیں۔ ہاتھ سے کھانا انگریزوں کو مکروہ معلوم ہوتا ہوگا مگر اِس میں ایک تو مفادِ صریح یہ ہے کہ جس خوبی کے ساتھ ہاتھ لقمے کو گرفت کرسکتا ہے، ممکن نہیں کہ چھری کانٹا ہاتھ کا کام دے سکے۔ دوسرے اب اُنھی کے ڈاکٹر قائل ہو چلے ہیں کہ ہاتھ میں ایک قوتِ مقناطیسی ہے، اور وہ ہاتھ سے کھانے میں داخلِ لقمہ ہو کر ممدِ ہضم ہوتی ہے۔ انگریزی کھانوں میں اوّل تو مزہ ہی کیا خاک دھرا ہے۔ سالنوں میں اُبلا ہوا بساہندا، ادھ کچرا گوشت، مٹر کی گھنگنیاں، اُبلے ہوئے آلو، پَسایا ہوا خشکہ، چپاتی پراٹھوں کی جگہ نان پاؤ، ایک پیالی میں نمک، دوسری میں سیاہ مرچیں۔ وہ نقل

488. ایک قسم کی مچھلی جو ولایت سے پیک کرآتی ہے [جو نہایت بساندی اور متعفن ہوتی ہے۔]

489. پیمانہ، نصاب

490. موچھیں گھٹاؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ

شاید تم نے سنی ہوگی کہ ایک شہری کتے نے ایک دیہاتی کتے کو مہمان بلا کر ایک کبابی کی دُکان پاس بٹھا دیا۔ جب کبابی دُکان بڑھا کر چلا گیا، دیہاتی کتا لگا ہر طرف سونگھنے، کہیں مرچوں کا دَونا پڑا رہ گیا تھا۔ جوں اُس میں منہ ڈالا مرچیں مغز کو چڑھ گئیں۔ کھانستے کھانستے اور چھینکتے چھینکتے باولا ہوگیا۔ شہری دوست سے شکایت کی تو اُس نے کہا یار، اِنھی چٹخاروں کے لیے تو ہم شہر میں پڑے ہیں۔ غرض ہم لوگوں کے منہوں کو تو چٹخارے لگے ہیں، انگریزی کھانوں میں کیا مزہ آئے۔ ایک حکایت اَور؛ اینڈ دی انگلش ڈِنَر اِز اُووَر[491] غدر سے پہلے امرائے شاہی میں سے کسی امیر نے دہلی کالج کے پرنسپل[492] کی دعوت کی۔ کھانے کی سینیاں بھجوادیں۔ انگریزی قاعدے سے کھانا میز پر چُنا جا چکا تو آدمی نے صاحب کو اطلاع کی۔ ہر قسم کا کھانا میٹھا، سلونا شاہی رکاب داروں نے پکایا تھا، اور دعوت تھی تو بلا شبہ اہتمام بھی ضرور ہوا ہوگا؛ سبحان اللہ! اُس کے ذائقے کا کیا پوچھنا ہے۔ جس وقت سے کھانا آیا، ساری کوٹھی مہک اٹھی تھی، مگر پیچھے سنا کہ جوں صاحب نے کھانے کے کمرے کے اندر پاؤں رکھا اور مشک اور زعفران اور گلاب اور کیوڑے کی بھپک آئی، اُلٹے پاؤں باہر نکل آئے، اور کھانا کیسا اُنھوں نے آنکھ بھر کر کھانے کی طرف کو دیکھا تک بھی تو نہیں۔

پس جو لوگ انگریزی تمدّن، انگریزی تمدّن پکار رہے ہیں اِس تہ کو نہیں پہنچتے کہ مذاقوں کے اختلاف قدرتی باتیں ہیں، یہ کسی کے بیٹے مُتی ہیں؟ اپنا تو یہ مقولہ ہے کہ جس کا جو طرز ہے وہ اُسی کو پسند کرتا ہے، اُسی میں اُس کو راحت ملتی ہے، اور آخر تک اُس کو اُسی طرز پر چلا جانا چاہیے۔ ہم جانتے ہیں کہ انگریز اپنی تمام حالتوں میں نمایاں ترقی کر رہے ہیں، اور اپنے طرزِ تمدّن کی اصلاح سے بھی غافل نہیں۔ بااین ہمہ یہ فرض کر لینا کہ اُن کا تمدّن اعلیٰ درجے کی شائستگی کو پہنچ گیا ہے، فرضِ غلط ہے۔ کھانے کپڑے کی تو چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، ہم کو تو اُن کی سوسائٹی میں بہت سی بڑی بڑی باتیں کھٹکتی ہیں۔ عورتوں کی

---

491. اور انگریزی کھانا تمام ہے

492. مدرسے کا افسرِ اعلیٰ

بے پردگی کا مذکور تو ضمناً اوپر ہو چکا، اور لو بادہ خواری۔ اِس میں تو کسی کو کلام کرنے کی گنجایش ہی نہیں کہ جس طرح کھانسی اُمّ الامراض[493] ہے، مِــنْ حَیْـــثُ الْاَخْلَاق[494] شراب اُمّ الخبائث۔ اور تمام جہان کے ڈاکٹروں کا اجماع ہے کہ یہ ملعون عرق تن درستی کو بھی سخت مضر ہے۔ باوجود اتنی برائیوں کے جس کثرت سے اِس کا رواج انگریزوں میں ہے شاید روے زمیں پر کسی دوسری قوم میں ہو۔ بس اِس خیال نے غضب ڈھا رکھا ہے کہ اعتدال کے ساتھ اِس کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں مگر شراب اور اعتدال؟ فکرِ باطل، خیالِ محال۔

انگریزوں کے طرزِ تمدّن میں ایک عیب اَور ہے جس کا نقصان انگریزوں کو شاید کم محسوس ہوتا ہو یا نہ بھی ہوتا ہو، لیکن اگر ہم لوگ اُن کی وضع پر رہنا چاہیں تو یقیناً ہماری بربادی کا مُوجب ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہائی لائف، یعنی اونچی شان دار زندگی جو بڑے مصارف کے بدون ایک دن نہیں نبھ سکتی۔ ظاہر میں دیکھو تو سیدھے سادے موٹے ڈھٹ کپڑے، اکیلے کوسوں پیادہ پا چلے جائیں، کسی بات کی عار نہیں، کسی طرح کی مشیخت نہیں، مگر سواری اور مکان اور سامانِ آرایش اور شاگرد پیشہ کے خرچ دیکھو تو عقل دنگ ہو کر رہ جائے، اور اگر کہیں میم صاحب کی بلا بھی سر پر مسلّط ہوئی تو پھر کچھ ٹھکانا نہیں۔ دو دو تین تین درزی ہیں کہ صبح سے شام تک سوئی ہاتھ سے نہیں چھوٹتی، اور بیڈیم پائل[495] کی تہائی تنخواہ کی قسط علاوہ۔ غرض اِس ارزانی کے ملک میں بی بی بچّے والا انگریز میرے حساب سے ہزار روپے ماہوار سے کم میں جنٹل مَینی یعنی شریفانہ فارغ البالی اور آسایش سے نہیں رہ سکتا۔

ہم تو ہندوستانیوں ہی کو ملامت کرتے تھے کہ اِن کو دولت کی نگہداشت کا سلیقہ نہیں، اور اِن کا بہت روپیہ نمود ونمایش میں ضائع ہوتا ہے۔ انگریزوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ہندوستانیوں پر بھی سبقت لے گئے ہیں۔ ہندوستانی تو پھر بھی زیوروں اور باسنوں

---

493. [بیماریوں کی جڑ]

494. اخلاق کے اعتبار سے

495. بیڈیم پائل ایک مشہور ٹیلر یعنی درزی [اور پارچہ فروش] ہے جو سیے سلائے کپڑے دیتا ہے۔

کے پیرایے میں اپنی دولت کا ایک معقول حصّہ پس انداز کرتے ہیں۔ اُن کے یہاں کاٹھ اور کانچ اور گلٹ کے سوائے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ قلعی تو اُس وقت کھلتی ہے کہ جب کسی کی بدلی ہوتی ہے، اور اسباب نیلام کیا جاتا ہے۔ کسی کے خوشامدی اَونے پَونے خرید لیں تو وہ بات ہی دوسری ہے اور وہ حقیقت میں ایک قسم کی رشوت ہے، ورنہ نیلام میں روپے کے آٹھ آنے تو بندھے ہیں۔

خیر شاید انگریز تو اس شان میں رہ بھی سکتا ہے۔ اُس کو روپیہ کمانے کے بہت سے ڈھب یاد ہیں۔ اُس کی ہمّت بلند اور اُس کا حوصلہ وسیع ہے۔ اُس کو تمام روے زمین خشکی اور تری، جنگل اور پہاڑ، آبادی اور اُجاڑ، اپنا اور بے گانہ سب یکساں ہے۔ نوکری تو اُس کی جوتیوں سے لگی پڑی ہے مگر وہ اُس کا پابند نہیں۔ ایک ذرا سی بات خلافِ مزاج پیش آئی اور وہ فوراً اُس کو لات مار کر اٹھ کھڑا ہو۔ اُس کی قوم کا ماٹو[496] ہے :ملکِ خدا تنگ نیست، پاے گدا لنگ نیست۔ وہ چل پھر کر کہیں نہ کہیں اپنا ٹھکانا کر کے رہے گا۔ شاید وہ کوئی سکول کھول بیٹھے، وکالت کرنے لگے، کسی قسم کا کارخانہ جاری کرے، سوداگر بن جائے، کہیں کسی چیز کی کان ڈھونڈ نکالے یا کوئی موقع مناسب دیکھ کر کالونی[497] بسانے کا ڈول ڈالے۔ غرض یہ کہ وہ کسی جگہ اور کسی پیشے پر بند نہیں۔ ایسے آدمی کو معاش کی کیا کمی؟ پھر اُس کی سوسائٹی کا یہ دستور نہیں کہ کمانے والا ایک اور کھانے والے بیس۔ کیا مرد کیا عورت سب اپنی اپنی جگہ خوش دلی کے ساتھ محنت کرتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ محنت ہی کے لیے ہم پیدا کیے گئے ہیں اور محنت ہمارا فرض ہے۔ بھلا ہندوستانی کاہل، بے ہنر، قاصرالہمت سے کیا اُن کی ریس ہوسکتی ہے۔ اور کرے گا تو مفلس جیے گا اور قرض دار مرے گا۔

انگریزی سوسائٹی کا آخری نقصان دی لاسٹ دو ناٹ دی لیسٹ[498] لامذہبی ہے۔

---

496. نقش نگیں، دستورالعمل [اصول]

497. نوآبادی

498. آخری گو رتبے میں سب سے اخیر نہیں

جہاں تک مجھ کو اُن لوگوں کے حالات سے آگہی ہے (اگرچہ تھوڑی ہے مگر نمونے ہمیشہ تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں) میں تو یہی کہتا ہوں کہ اُن لوگوں میں اکثر کی تمام ہمت اصلاحِ دنیا کی طرف مصروف ہے، اور یہ انہماک اِس وجہ سے زیادہ تر قابلِ اعتراض ہے کہ اُس کا منشا فطری غفلت نہیں ہے جس سے کوئی فردِ بشر بَری نہیں، بلکہ مذہب کا استخفاف، مذہب کی بے وقعتی کہ میری نظر میں یہ مکروہ ترین پیرایہ ہے الحاد کا۔ اور در حالے کہ صرف انگریزی تعلیم سے (وہ بھی ادھوری) ہمارے ملک کے انگریزی خواں اَیز اے باڈی[499] لامذہب ہوتے چلے جاتے ہیں، ضرور لامذہبی کا رنگ انگریزی سوسائٹی میں بہت گہرا ہونا چاہیے اور افسوس کہ ہے بھی۔

انسان کے تمام افعال معلّل بالاغراض ہوتے ہیں۔ اِس اُصول کے مطابق انگریزی طرزِ تمدّن کے اختیار کرنے میں بھی کوئی مفاد منوی[500] ہونا چاہیے، اور اب تک جس قدر میں نے لکھا ہے اُس سے تم پر ظاہر ہوجائے گا کہ انگریزی تمدن جس جس چیز سے عبارت ہے، اُن میں بعض چیزیں تو بے مفادِ محض ہیں، اور بعض بے مفادِ محض نہیں بلکہ ہمارے حق میں بے مفاد ہیں؛ لیکن لوگ ایک اَور ہی مفاد کی طمع سے انگریزی تمدّن کی طرف کو دوڑتے ہیں۔ اُن کو یہ توقّع ہے کہ انگریزی تمدّن کے اختیار کر لینے سے انگریز ہم کو اپنی سوسائٹی میں لے لیں گے، کہیں لے نہ لیں۔ جب تک انگریزوں میں اور ہم میں حاکم ومحکوم، فاتح ومفتوح، غالب ومغلوب کے تفرقے باقی ہیں ہماری اُن کی مثال تیل پانی کی ہے، نہ ملے ہیں نہ ملیں گے۔

میری یہ تحریر بہت لمبی ہوگئی مگر تم دیکھتے ہو کہ مطلب بھی مہتم بالشّان تھا۔ جس طرح بعض جسمانی امراض بعض اوقات کثرت سے شائع ہوجاتے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ یہ زمانہ لامذہبی کے شیوع کا ہے۔ بہت تھوڑے سر انگریزی تقلید کے مالیخولیا سے خالی ہیں۔ میں نے تم کو اپنی سمجھ کے مطابق آگاہ کردیا ہے، وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ.[501] فقط

---

499. مِن حیث المجموع
500. مضمر، پوشیدہ
501. اور ہمارا کام صرف پہنچا دینا ہے

[خط: 114]

عادت

عادت کا ماخذ ہے: عَوْدٌ، جس کے معنی ہیں: لوٹنا، پھرنا؛ یہیں سے تم عادت کی وجہِ تسمیہ بھی مستنبط کرسکتے ہو، کیوں کہ جب آدمی بار بار لَوٹ لَوٹ کر کسی فعل کا مرتکب ہوتا ہے تو اُس فعل پر عادت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اگر چہ لغۃً عام ہے مگر عُرف میں عادت کا استعمال صرف افعالِ ارادی و اختیاری میں ہے، اضطراری مثلاً تنفّس میں نہیں۔ افعالِ ارادی میں جسمانی ہوں یا دماغی، سب میں تھوڑا بہت جہد کرنا ہوتا ہے جس کو تم انگریزی میں اِگزرشن کہتے ہو۔ عادت کا ضروری نتیجہ ہے تخفیفِ مشقّتِ جہد؛ یہاں تک کہ جب عادت راسخ ہو جاتی ہے تو فعلِ عادی افعالِ اضطراری کی طرح بلا قصد وارادت، اور بے اِعمالِ فکر وروِیت سرزد ہونے لگتا ہے؛ اور یہی درجہ ہے جس پر پہنچ کر کہا جاتا ہے: اَلْعَادَةُ کَالطَّبِیْعَةِ الثَّانِیَة ۔ تشبیہ کا قاعدہ ہے کہ مشبہ بہ اکمل وافضل ہوتا ہے، تو اَلْعَادَةُ کَالطَّبِیْعَةِ الثَّانِیَة سے شاید تم سمجھو کہ طبیعت میں بِالنِّسْبَةِ اِلَی الْعَادَةِ غلبہ اور اشد اد اور تقاضا قوی تر ہے۔

ع وَالْحَالُ مُنْقَلِبٌ وَالْاَمْرُ مَعْکُوسٌ

امورِ طبیعی واضطراری میں اُسی تنفّس کو لو جس کا ذکر آچکا ہے۔ فقرا کی ریاضات ومجاہدات میں سے ایک حبسِ نفس ہے، اور یہ اُن کی تعلیم کی شاید ابجد ہے۔ لوگ تو امتدادِ حبسِ نفس میں بہت مبالغہ کرتے ہیں مگر خیر دن اور ہفتے اور مہینے نہ سہی، یہ تو میں نے دیکھا ہے کہ پاسِ اَنفاس کا ایک عامل ایک سانس میں سو مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بہ مراعاتِ ضروب بہ آسانی تمام کرلیتا تھا۔ آسانی کو میں نے اِس سے جانا کہ برابر کئی کئی گھنٹے تک وہ اِسی شغل میں رہتا۔ الغرض اگر انسان تقاضاے طبیعت کے معدوم کرنے پر قادر نہ بھی ہو، تاہم وہ اُس کی شورش کو مجاہدہ وممارست یعنی عادت کی مدد سے بہت کچھ فرو کرسکتا ہے، یعنی

عادت حاکم ہے اور طبیعت محکوم۔

ایک شخص نے حکیم امام الدین خاں مرحوم کی حذاقت کی ایک حکایت نقل کی کہ کوئی مولوی صاحب (راوی نے اُن کا نام بھی لیا تھا مجھ کو یاد نہیں رہا) بیمار پڑے، حکیم صاحب نے جُلاب تجویز کیا۔ باوجودے کہ معدہ مجیب تھا، اور مُؤیِدات بھی دیے گئے مگر دست نہ آئے۔ حکیم صاحب کو خبر ہوئی؛ استفسارِ حالات کے بعد بیماردار سے فرمایا کہ جلد جاؤ اور مولوی صاحب سے کہو بہ دستور کتاب دیکھیں۔ راوی کہتا تھا کہ آدھا گھنٹہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ جُلاب کا عمل ظاہر ہوا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی تو حکیم صاحب نے فرمایا کہ طبیعت تھی کتاب بینی کی خوگر، اُس کو خلافِ عادت شغلِ مانوس سے ہوئی مفارقت، انقباض پیدا ہوا۔ یہ حکایت اگر سچ ہے (اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ سچ کیوں نہ ہو) تو اِس سے ہم عادت کی قوت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

جن لوگوں نے علمِ اخلاق پر کتابیں لکھی ہیں، میں نہیں جانتا اُن میں سے کسی نے اِس خیال کو ظاہر کیا ہے یا نہیں (مگر میری نظر سے نہیں گزرا) کہ عادت اُمّ الاخلاق ہے۔ باوجودے کہ عادت کو اخلاق کے پیدا کرنے، بنانے اور بگاڑنے میں مدخلِ عظیم ہے مگر افسوس ہے کہ عادت کی نگرانی میں پرلے درجے کی غفلت کی جاتی ہے۔ لوگوں کو عادت کا شعور ہوتا بھی ہے تو اکثر کہیں ایسے آخر وقت میں جا کر کہ طبیعت مغلوبِ عادت ہو چکتی ہے۔ تم نے شاید خیال کیا ہو کہ اطبائے یونانی کا کوئی نسخہ شربت یا نبات یا خمیرے سے خالی نہیں ہوتا۔ کچھ اِس کی لم بھی سمجھے؟ وہ لم یہ ہے کہ شیرینی بالطبع ہے مرغوب، فلہٰذا ہر دوا میں کسی قسم کی شیرینی شامل کر دی جاتی ہے تا کہ طبیعت شیرینی کو بالاصالت، اور دوا کو بالتّبع قبول کر لے۔ بعینہٖ یہی حال ہے انسان کی طبیعت اور اخلاق کا۔ طبیعت کو معدے کی جگہ سمجھو، اخلاق کو دوا اور عادت کو شیرینی۔ کوئی کام کیسا ہی ناموافقِ طبع ہو، عادت کی مٹھائی سے مل کر ضرور اشہیٰ اور احلیٰ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ آدمی بری لت بھی اپنے پیچھے لگا سکتا ہے لیکن اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عادت فِی نَفْسِهَا مِنْ حَيْثُ اَنَّهَا قُوَّةٌ مِنَ الْقُوَى الْاِنْسَانِيَة بری چیز ہے۔ انسان کی تمام قوتوں کا یہی حال ہے کہ بھلائی اور برائی

دونوں کے محامل اُن میں ودیعت رکھے گئے ہیں۔ اب یہ انسان کی اپنی تجویز رہی کہ اِن قوتوں کو کس پہلو پر ڈھالے۔

قطعہ

آدمی زادہ طرفہ معجونے است از ملائک سرشتہ و زحیواں
گر کند میل ایں شود کم ازیں ور ژود سوے آں شود بہ ازاں

عادت میں یہ کتنی بڑی خوبی ہے کہ مشکلات پر غالب آنے کے لیے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں۔ عادت کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا، وہ اِس بات کی تمہید ہے کہ تم کتاب بینی کی عادت ڈالو۔ ممکن ہے کہ شروع شروع میں طبیعت گریز کرے، اور با دلِ ناخواستہ کتاب کا دیکھنا بارِ خاطر ہو لیکن اس وقت میرے کہنے سے اِتنی بات کا تیقّن کرلو کہ یہ ہرب ونفرت عارضی اور چند روزہ ہے۔

ع ہیچو یخ در آفتاب نیم روز

ایک وقت مجھ پر گزرا ہے اور وقت سے میری مراد گھنٹہ دو گھنٹہ، دن دو دن، مہینے دو مہینے نہیں بلکہ بیس پچیس برس کہ نوم مطمئن کے لیے پلنگ پر سرہانے کتاب کا ہونا ایسا ہی ضرور تھا جیسے تکیے کا۔ اب وہ کیفیت نہیں ہے تاہم تم نے کم تر اوقات مجھ کو کتاب سے بے تعلق دیکھا ہوگا، بلکہ میں تو خیال کرتا ہوں کہ نہیں دیکھا ہوگا۔ کیا تم کو چمن چرو کی بات یاد نہیں کہ تم نے بڑی محنت سے ایک چمن درست کرکے چاہا کہ میں کسی وقت ایک نظر اُس کو دیکھوں۔ میں نے یہی جواب دیا کہ کسی تقریب سے بُلدے جانا ہو تو اپنے کمرے سے باہر نکلوں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اپنے کمرے میں مُلول اور دل گرفتہ بیٹھا رہتا تھا، جیسے قفس میں جانور؟ نہیں نہیں: ویسا ہی خوش دل جیسے تم اپنے چمن میں، یا واجد علی شاہ لکھنؤ کے قیصر باغ یا اب مرتیوں کو کلکتے کے مٹیا برج میں، یا دلّی کے سیلانی جیوڑے دو گھڑی دن رہے سے چاندنی چوک میں، یا اِن دنوں کے آزاد مزاج انگریزی خواں سمجھیں یا نہ سمجھیں تھیٹر میں۔ میں نے انگریزی خواں کے ساتھ آزاد مزاج کی قید کیوں لگائی

ہوگی؟ میرے اور ماشاء اللہ تمھارے سوا ایسا بھی کوئی انگریزی خواں ہے جو آزاد مزاج نہ ہو إِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ وَ قَلِيْلٌ مَّاهُم.[502]

خلاصۂ مقصد یہ ہے کہ میں تم کو کتاب بینی کا شوق دلانا چاہتا ہوں، اور خود اپنی حالت سے استشہاد کرتا ہوں کہ بدولتِ کتاب بینی میرا وقت بہت ہی جمعیتِ خاطر کے ساتھ گزرتا ہے۔ نہ ملاقات کا مشتاق، نہ زیارت کا منتظر، نہ معاشرت کا متمنّی۔ میرے نزدیک سوسائٹی ہے اور کتاب ہے۔

ع وَخَيْرُ جَلِيْسٍ فِيْ الزَّمَانِ كِتَابٌ

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں کتاب نہیں بھی دیکھتا، تاہم کتاب کے سامنے رکھے رہنے سے میرے دل کو ایک طرح کی تسلّی سی رہتی ہے۔ اِس مضمون کو غالبؔ نے کیا اچھی طرح ادا کیا ہے:

گو ہاتھ کو جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے!
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

[خط: 115]

خودداری

اگر تم سے کہا جائے کہ فلاں شخص مزاج کا غصیلا ہے تو ضرور تمھارا ذہن اِسی طرف منتقل ہوگا کہ مغلوب الغیظ ہے، سریع الغضب ہے، زود رنج ہے؛ لیکن لفظ کی بناوٹ پر نظر کرو تو غصیلے کے معنے ہیں صرف: غصّے والا؛ سو غصّے والا ہونا کچھ عیب کی بات نہیں۔ غصہ ہمارا قدرتی حربہ ہے۔ اگر بالفرض کسی شخص میں مطلقاً غصہ نہ ہو تو اِس کے یہ معنے ہیں کہ دفعِ ضرر پر قادر نہیں؛ یا بہ عبارتِ دیگر اُس کی خِلقت ناقص واقع ہوئی ہے۔ اِسی

502. [مگر ہاں یہ کہ خدا چاہے اور ایسے کو بہت ہی تھوڑے ہیں۔]

طرح اگر کہیں کہ فلاں شخص خوددار ہے، تو لوگ خیال کریں گے خودبین ہے، خود پسند ہے، مُعجب ہے؛ لیکن واقع میں خودداری وہی ہے، جس کو انگریزی میں سلف ریسپکٹ کہتے ہیں اور عربی میں تعزّز۔ خودداری اور خودبینی میں بڑا فرق ہے، مگر نازک؛ اور اِس فرق کا شعور کماحقہٗ اُسی شخص کو ہوسکتا ہے جس سے خودداری یا خودبینی کا کوئی فعل سرزد ہو، اور وہ خود دواعیِ فعل پر محتسبانہ اور منصفانہ نظر کرکے اُس فعل کا فضیلتِ خودداری یا رذیلتِ خودبینی ہونا تجویز کرے۔ معانی کی جامعیّت اور مانعیّت پر منطقی طور سے نظر کروتو ہماری زبان کے کم تر الفاظ اِس جانچ میں ٹھیر سکتے ہیں وَلٰکِنْ لَا مَشَاحَۃَ فِی الْاِصْطِلَاحِ ۔ مَیں اِس پیچیدگی میں تم کو نہیں ڈالنا چاہتا، اور اِس تحریر سے میرا مقصد اِسی قدر ہے کہ خودداری کی فضیلت تمھارے ذہن میں بٹھادوں۔ قرآن میں خداے تعالیٰ نے انسان کی آفرینش کو اِس طور پر بیان فرمایا ہے کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانا چاہتا ہوں) ظاہر ہے کہ خلافتِ الٰہی ایک طرح کی خدائی ہے، اور جب انسان خلیفۃ اللہ ہوا، وہ آپ سے آپ اشرفُ المخلوقات بھی ہوا۔ فرض کرو کہ اُجرامِ فلکی پر لوگ بستے ہوں جیسا کہ علماے ہیئات خیال کرتے ہیں، اور ایسے بہت سے قرائن ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ محض بے تکی بات تو نہیں کہتے، پھر فرض کرو کہ مثلاً چاند پر سے جو ہم سے قریب تر ہے، کوئی اَن جان سا آدمی کسی طرح زمین پر اُتر آئے تو وہ یہاں آکر دیکھے گا کہ روے زمین پر ہزاروں لاکھوں قسم کی مخلوقات آباد ہیں، مگر انسان، باوجودے کہ بہت سی دوسری مخلوقات کے مقابلے میں ضعیف و حقیر ہے، پر اِس کو عقل کا کچھ ایسا ڈھب یاد ہے کہ تمام روے زمین پر اُس نے اپنی حکومتِ قاہرہ بٹھا رکھی ہے۔ بڑے بڑے قوی ہیکل اور خوں خوار جانور اِس کی خدمت کرتے، اور جو زیادہ سرکش ہیں، اِس کے ڈر کے مارے جنگلوں میں چھپے پھرتے۔ وہ کسی چیز کے پیدا کرنے پر تو قادر نہیں، لیکن جتنی چیزیں زمین کے اندر اور زمین کے اوپر ہیں، وہ سب میں مالکانہ تصرّف کرتا ہے۔ اِسی حکومت اور اِسی تصرّف کا نام ہے: خلافتِ الٰہی : اور اِس کا شعور کہ ہم کو اِس حکومت کی شایستگی اور تصرّف کی قابلیت دی گئی ہے، اور حکومت اور تصرّف کا اِنفاذ یعنی انسان کا اپنے تئیں

انسان سمجھنا خودداری ہے جو موقوف علیہ ہے دنیا اور دین دونوں کی فلاح اور تکمیل کی۔ نَحْنُ رِجَالٌ وَّ هُمْ رِجَالٌ ۔ وہاٹ مَین ہیز ڈَن مَین کین ڈُو[503] انھی لوگوں کے مقولات ہیں، جن کے دلوں میں خودداری کی امنگیں جوش مار رہی تھیں۔ ہم ہرگز اپنی حالت میں ترقی نہیں کر سکتے، تا وقتے کہ ہم کو اِس کا اِذعان نہ ہو کہ ہم اُس سے بہتر حالت میں رہنے کے اہل ہیں۔ غرض ترقی کی محرکِ اوّل خودداری ہے۔ آزادی جس کی آواز تمام یورپ میں بڑی گونج رہی ہے، اور اُس کی بھنک اب چند روز سے ہندوستان میں بھی سنائی دینے لگی ہے، اُسی خودداری کا نغمۂ دل کش ہے۔ یہی خودداری ہے جو صفحۂ زمین سے غلامی کا نام ونشان مٹا دینے کے پیچھے پڑی ہے۔ یہی خودداری قومی عروج اور تنزل کی شناخت کی معیار ہے۔ یہی خودداری ظلم وانصاف اور حق وناحق کی پہچان کی کسوٹی ہے۔ یہی خودداری مارل فلاسفی[504] بلکہ تمام اَدیان کا ماحصل ہے۔ یہی خودداری تہذیب وشائستگی کا لبِّ لُباب ہے۔ یہی خودداری ہم کو اکتسابِ فضائل کی ترغیب دینے والی، اور ارتکابِ رذائل سے باز رکھنے والی ہے۔

ہمّت بلند دار کہ پیشِ خدا وخلق
باشد بقدرِ ہمّت او اعتبارِ تو

ذوقؔ نے اس بارے میں فطرتِ انسانی کو کیا اچھی طرح بیان کیا ہے:

آدمیّت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ
پست فطرت یہ نہ ہو اور پست قامت ہو تو ہو

مذہبِ اسلام کی عمدگی کی عمدہ ترین دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام کے اصول وفروع میں خودداری کی مراعات عمدہ طور سے کی گئی ہے جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں مل نہیں سکتی۔ ہم ہندوؤں کو دیکھتے ہیں کہ چاند اور سورج اور آگ اور پانی اور ہوا اور درخت اور ذلیل سے ذلیل جانور سب کے سامنے ماتھا ٹیکنے کو موجود ہیں، یعنی مذہبِ ہنود

503. جو ایک انسان کر چکا ہے وہ دوسرا بھی کر سکتا ہے۔
504. فلسفۂ اخلاق

کی رؤ سے آدمی رذیل ترین مخلوقات ہے لیکن مسلمان ایک خداے نامشاہد اور غیر مرئی کے سواے کسی کی عبادت نہیں کرنی چاہتا، اور وہ اپنے ہی تیئں کل مخلوقات میں افضل خیال کرتا ہے، اور فی الواقع وہ افضل ہے بھی۔ صحابہ علیہم السّلام بہ تقریب تجارت اطراف واکناف میں جاتے، لوگوں کو اپنے اعاظم واکابر کی تعظیم ایک وضعِ خاص کے ساتھ کرتے دیکھتے، اور واپس آکر حضرتِ پیغمبر صاحب سے عرض کرتے کہ یا حضرت! ہم بھی آپ کو سجدہ (تعظیمی) کیا کریں جیسے اہلِ فارس اپنے بڑوں کے آگے کرتے ہیں؟ آپ بہ سختی منع فرماتے حتّٰی کہ تعظیماً کھڑے ہونے سے بھی ناخوش ہوتے۔ یہ خودداری کی تعلیم نہ تھی تو کیا تھی؟ اسلام نے السّلام علیکم کے سواے ہم کو اپنے ابناے جنس کی اَور کسی طرح کی تعظیم نہیں سکھائی، اگر چہ وہ پیغمبر یا خلیفہ یا امیر یا سلطان یا استاد یا پیر یا اپنا سگا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ ہاتھ اُٹھانا یا جھکنا یا الفاظِ آداب وغیرہ سب شیوۂ اعاجم ہے۔ زید عمرو کو ذلیل کرتا ہے اور بہ قاعدۂ فَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ. عمرو کو بکر کے آگے ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ خودداری کسی میں نہ رہی اور سب ذلیل ہو گئے۔

عیسائی باوجودے کہ برسرِ عروج ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں تو خودداری کی تعلیم اُن کے یہاں بھی ٹھیک نہیں۔ احکامِ عشرہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی تیرے داہنے کلّے پر تماچہ مارے تو بایاں کلّہ بھی اُس کے سامنے کردے کہ "لے اَور مار"؛ اِس کو خودداری سے کیا مناسبت؟ اور چوں کہ خودداری ایک امرِ جِبلّی ہے، جن احکام میں اِس کی پوری پوری مراعات نہیں، از قبیلِ محالات ہیں، صرف کتاب میں لکھنے کے لیے۔ اِن کی تعمیل نہ کبھی ہوئی نہ آیندہ کبھی ہونی ممکن ہے۔ اب دیکھو کہ اِس خصوص میں اسلام کیا فرماتا ہے:

وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ. وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ. وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ. وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ. اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. وَ لَمَنْ

صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الاُمُوْرِ.

میرے نزدیک ہم مسلمانوں کے تنزل کا اصلی سبب یہی ہے کہ ہم میں خودداری کی گدگدی نہیں رہی یا اس قدر کم ہوگئی ہے کہ گویا نہیں رہی۔ محصنات کے آخر میں جو مرثیہ ہے اُس میں ایک بند یہ بھی ہے، معلوم نہیں تمھارا ہے یا میرا۔ اگر تمھارا ہے تو بہت اچھا ہے اور میرا ہے تو بھی برا نہیں۔

افسوس قوم میں عصبیّت نہیں رہی ہم میں کسی طرح کی مَرَمّت نہیں رہی
مضبوطیِ ارادہ و نیّت نہیں رہی جرأت کہاں سے ہو کہ حمیّت نہیں رہی
ہم میں ہر ایک بشر کے خیالات پست ہیں
پس لاجرم ذلیل ہیں اور تنگ دست ہیں

خدا جانے کہاں دیکھا تھا کہ آدمی چاہتا ہے کہ دوسرے اُس کی عزت کریں تو چاہیے کہ وہ خود دوسروں کی عزت کرے۔ خیر یہ تو ایک معمولی سی بات ہے کَمَا تُدِیْنُ تُدَانُ. مگر میں کہتا ہوں کہ اگر آدمی چاہتا ہے کہ دوسرے اُس کی عزت کریں تو چاہیے کہ پہلے آپ اپنی عزت کرے۔ انسان دوسروں کو مغالطہ دے کر بھی اُن کی نظر میں معزز ہوسکتا ہے لیکن یہ عزت دھوکے کی ٹٹی ہے؛ اصلی اور سچی عزت وہی ہے کہ انسان اپنی عزت آپ کرے جس کو میں نے خودداری سے تعبیر کیا۔ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ خودداری مارل فلاسفی (علمِ اخلاق) کا ماحصل ہے۔ تمام محامدِ اخلاق میں شاید تم کو خودداری کا امتیاز نہ ہو تو اتنا کیا کم ہے کہ جس میں خودداری نہیں اُس میں غیرت نہیں، قناعت نہیں، سیر چشمی نہیں، بلند نظری نہیں، شجاعت نہیں، سخاوت نہیں، رحم نہیں، ہمدردی نہیں یعنی سیدھی طرح پر یہی کیوں نہ کہا جائے کہ انسانیت نہیں۔

[خط: 116]

فرائضِ انسانی

آدمی کے تمام افعال مُعَلَّل بالاغراض ہونے کے یہ معنے نہیں ہیں کہ آدمی مخلوقِ خود غرض ہے۔ متقدّمین فلاسفہ کا یہی خیال تھا کہ آدمی کے تمام افعال کی محرکِ اوّلی اُس کی ذاتی غرض ہوتی ہے، جلبِ منفعت ہو یا دفعِ مضرّت؛ لیکن ہم اب سے ہزاروں برس پہلے کے لوگوں کے حالات تاریخ میں پڑھتے یا محض اجنبی لوگوں کی (جن کے ساتھ تمام عمر کسی طرح کا تعلق ہونے کی مطلق توقع نہیں) بلکہ جانوروں تک کی مصیبت دیکھ کر بے چین ہوجاتے ہیں۔ ہماری کون سی ذاتی غرض اِن کیفیتوں کی (اور یہ کیفیتیں داخلِ افعال تو ہیں) محرک ہوسکتی ہے؟ کوئی سی بھی نہیں۔ یہ خیال کرنا کہ اگر ایسے ہی افعال ہم پر موثر ہوتے تو ہم اُن کو اپنی ذاتی غرض کے تعلق سے اچھا یا برا سمجھتے یا جن حالتوں کو دیکھ کر ہم ترس کھاتے ہیں، اگر ویسی ہی حالتیں ہم پر گزرتیں تو ہم دوسروں سے رحم کے امّید وار ہوتے، منطقیوں کے عقلی ڈھکوسلے ہیں جن کو وجدانِ سلیم ہرگز تسلیم نہیں کرے گا۔ مجھ کو اِس سے انکار نہیں کہ انسان میں خود غرضی نہیں، ہے بلکہ بہت ہے۔ میرا مطلب اِسی قدر ہے کہ خود غرضی انسان کے تمام افعال کی محرک نہیں ہے۔ اِس مسئلے کا دوسرا پیرایہ وہ ہے کہ افعال کا حسن وقبح ذاتی ہے یا نہیں، یعنی انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں، وہ افعال فِیْ حَدِّ ذَاتِہَا اِس کے متقاضی ہیں کہ اُن میں کوئی اچھا اور کوئی برا سمجھا جائے یا حسن وقبح کا مدار نتائجِ افعال ہیں؟ اِس حیثیت سے کہ انسان کے حق میں مورثِ حُزن یا منتجِ فرح ہوتے ہیں، فلسفیوں کے اِن گورکھ دھندوں کا سلجھانا آسان نہیں، مگر تم اِن بکھیڑوں میں کیوں پڑو؟ تم کو اِس بات کی ٹوہ لگانے سے کیا فائدہ ہوگا کہ دنیا میں افعال کے حسن وقبح کا خیال کیوں کر پیدا ہوا؟ اِس قدر بس کرتا ہے کہ ہم بے غرضانہ انسان کے بعض افعال کو حسن اور بعض کو قبیح سمجھتے ہیں۔

کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم
کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

میرے نزدیک (اور خوب دھیان لگا کر دیکھو تو میں سمجھتا ہوں تم کو بھی اِس کی تصدیق ہو جائے گی) بچّوں میں خودغرضی یعنی حرص وطمع زیادہ ہوتی ہے؛ وہ بہت جلدلالچ میں آجاتے ہیں ،اور کوئی چیز کیسی ہی بے قدر کیوں نہ ہو، اوّل تو اُن کے دل سے نکلتی ہی نہیں، اور نکلتی ہے بھی تو مشکل سے۔ اِس سے دو باتیں مستنبط ہوتی ہیں :ایک یہ کہ بے غرضی اُن صفتوں میں نہیں ہے جن کے قبول کرنے کے لیے نفسِ انسانی شروع سے مستعد ہوتا ہے، جیسے حیا یا راست گوئی؛ دوسرے یہ کہ بچوں کے حال پر قیاس کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں اگر ہمارے ابنائے جنس اِس صفت سے بالکل بے بہرہ رہے ہوں تو بھی تعجب نہیں بلکہ میں تو ایسا خیال کرتا ہوں کہ اب بھی وحشی قوموں میں خودغرضی کا رنگ ضرور گہرا ہوتا ہوگا۔ لیکن ایک بے غرضی پر کیا موقوف ہے تمام اخلاقِ حسنہ کا یہی حال ہے کہ جوں جوں آدمیوں میں شائستگی، جس کو انگریزی میں سِولِزیشن کہتے ہیں، آتی گئی، اخلاقی خیال نکھرتے اور اونچے ہوتے چلے گئے۔

اب ہم انگریزوں کی نظر میں آدھے وحشی ہیں (ذرا اِس بات پر خیال کرنا کہ آدھے وحشی کی جگہ آدھے مہذّب کہتے تب بھی وہی مطلب تھا مگر آدھا مہذّب چٹکی ہے تو آدھا وحشی نُہَلا)[505] اور سچ یہ ہے کہ ہم اپنی دنیاوی حالت کو انگریزوں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں تو آدھے وحشی کے خطاب کے بھی اہل نہیں۔ لیکن مجھ کو اپنی قوم کا انگریزوں کے مقابلے میں آدھا مہذّب (نہیں نہیں) آدھا وحشی ہونا یہیں تک تسلیم ہے (اِس سے زیادہ نہیں) کہ ہمارے پاس سلطنت نہیں (اور یہی نہیں کہ نہیں ، بلکہ تھی اور ہم اُس کو اپنی نالیاقتی سے کھو بیٹھے)، مال نہیں، مال کے پیدا کرنے کا سلیقہ نہیں، یعنی ہنر نہیں اور سب سے بڑا رونا اِس کا ہے کہ نہ ہونے کا احساس نہیں؛ جس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ قومی حالت کی درستی کی توقّع نہیں ،مگر بااینہمہ خدا کا شکر ہے کہ اخلاقی خیالات میں ہم انگریز

505. زور سے نوچنا کھسوٹنا

کیا روے زمین کی کسی قوم سے بیٹے نہیں ،اور بیٹے ہونہیں سکتے کیوں کہ ہمارے اخلاقی خیالات جزوِ مذہب ہیں۔ خدا نہ خواستہ ہمارے اخلاقی خیال بیٹے ہوں تو لازم آئے کہ اسلام بیٹا ہو، حال آں کہ اسلام کی نسبت مخبرِ صادق کا فرمودہ ہے :هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ. میں تم کو قرآن کے چند مقامات کا نشان دیتا ہوں۔

(۱)　وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا. اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَاءً وَّلَاشُکُوْرًا.

علی حبہ کے مرجع میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔بعض نے طعام اور بعض نے خدا کو مرجع ٹھیرایا ہے ،اگر طعام مرجع قرار دیا جائے تو معنے میں ایک لطف خاص پیدا ہوتا ہے جس کی تائید ایک جگہ اور بھی ہے: وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ.

(۲)　وَسَیُجَنَّبُهَا (النّار) الْاَتْقَی. الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی. وَمَالِاَ حَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی. اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی.

(۳)　وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ

(۴)　وَ یَخْشَوْنَهٗ وَ لَایَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّااللّٰه

اسی طرح تتبع کیا جائے تو قرآن میں بہت سے مقامات نکلیں گے کہ شارعِ اسلام نے بڑے شدّ ومد کے ساتھ ہم کو بے غرضانہ نیکی کی تعلیم کی ہے۔

اب سوچو کہ جب انسان کا ذاتی مفاد محرّک نیکی نہ ہوا تو دوسرا کون سا خیال محرّک ہوسکتا ہے۔ اسی خیال کو انگریزی میں سنس آف ڈیوٹی[506] کہتے ہیں،یعنی آدمی ایک فعل کرتا ہے صرف اس خیال سے کہ وہ اُس کو اپنا ڈیوٹی یعنی فرض سمجھتا ہے۔ممکن ہے کہ انسان غلطی سے کسی فعل کو اپنا ڈیوٹی سمجھ لے۔ اس پر بھی سنس آف ڈیوٹی ایک عمدہ اور بہت بہ کارآمد قوت ہے، اور اس کو جہاں تک ہوسکے کلٹیویٹ[507] کرنا چاہیے؛ کیوں کہ سنس آف ڈیوٹی

506. احساسِ ادائے فریضہ

507. دل میں جگہ دینا، برداشت کرنا، ترقّی دینا

ارادے کی جان، غفلت کا تازیانہ، افعال کا صلۂ نقد اور نتیجۂ عاجل، دل کی تسلی، حلّالِ مشکلات، مُیسّر صعوبات اور آدمی کے کردار کا محتسب اور کاتبُ الاعمال ہے۔ انسان کو زندگی میں ایسا کوئی معاملہ پیش آ نہیں سکتا جس میں فوراً اُس کا کانشس (وجدان) اُس کو بتا نہ دے کہ تیرا ڈیوٹی یہ ہے۔ اِسۡتَفۡتِ قَلۡبَکَ.[508] اگر کانشس نے ڈیوٹی کی تعیین میں غلطی بھی کی تاہم انسان ڈکٹیٹس آف دی سنس آف ڈیوٹی[509] کے مطابق عمل کرنے سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ الغرض منٹل فلاسفی،[510] مارل فلاسفی[511] کی کتابوں میں فلاسفہ کی موشگافیاں دیکھ کر کہیں ہمارے اخلاقی سٹینڈرڈ کو کہ وہ شعبۂ دین ہے قِیَاساً عَلَی الدُّنۡیَا لو مت سمجھ لینا۔ ہم دنیا کے اعتبار سے ناقص اور ادھورے ہیں مگر دین میں کامل اور پورے۔ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا.[512]

---

508. کیا تم نے اپنے دل سے مشورہ کر لیا ہے۔
509. ادائے فریضہ کا احساس
510. فلسفۂ عقلی
511. فلسفۂ اخلاقی
512. اب ہم تمھارے دین کو کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمھارے لیے (اسی) دین اسلام کو پسند کیا۔]

ضمیمۂ اوّل

دیباچہ الموعظہ

جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب سے میری ذاتی شناسائی مطلق نہیں، مگر جس تفصیل سے میں اُن کو جانتا ہوں اُن کے دوست آشنا تو خیر اُن کے قریب کے رشتہ دار بھی اتنا ہی جانتے ہوں گے۔ لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ لَمَا ازْدَدتُّ یَقِیْناً۔[1] اس کا سبب یہ ہے کہ مجھ کو اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِّاَبِیْہٖ[2] چھوٹے سکیل[3] کے مولوی نذیر احمد یعنی اُن کے فرزندِ یگانہ مولوی بشیرالدین احمد صاحب کے ساتھ اس درجے کی مخالطت رہی ہے کہ ہم دونوں یک

1. اگر حجاب اٹھا دیا جائے جب بھی یقین میں کچھ افزائش نہ ہو یعنی یقین مرتبۂ کمال کو پہنچ گیا ہے۔ یہ قول ہے حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کا کمالِ عرفان میں۔
2. بیٹا اپنے باپ کا بھید ہے یعنی مظہرِ صفاتِ باطنی
3. پیمانہ

روح و دو قالب تھے۔ اور اب سوءِ اتفاق سے مخالطت نہیں ہے تو متصل اور متواتر مراسلت ہے، ایسی کہ اَلْمَکْتُوْبُ نِصْفُ الْمُلَاقَات [4] کے حساب سے اب بھی ہم دونوں کسی وقت ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ میں نے جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے تمام مصنّفات کو بالاستیعاب [5] دیکھا ہے، نہ ایک دفعہ بلکہ بار بار:

ع هِيَ الْمِسْکُ مَا کَرَّرْتَهٗ يَتَضَوَّعُ [6]

جب کہ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے مصنّفات معلّی القاب نواب سر ولیم میوٗر صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر ممالکِ شمالی مغربی جیسی قدر دان گورنمنٹ نے منظور کر کے اُن کو ہزار ہا روپے انعام کے دیے ہوں۔ جب کہ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے مصنّفات اس درجہ مقبولِ خلائق ہوں کہ وار نہیں آنے پاتا، اور اِڈِشن [7] پر اِڈِشن نکلتے چلے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض کتابوں کی قریب قریب لاکھ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ جب کہ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے مصنّفات بھاکا، مرہٹی، گجراتی، بنگالی، کشمیری اور سب سے بڑھ کر انگریزی میں ترجمہ ہوگئے ہوں، اور جب کہ اُن کی ایک کتاب توبۃ النصوح داخلِ امتحانِ سول سروس [8] ہو، وَ کَفٰی بِهٖ فَخْرًا۔ [9] یعنی جب کہ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کی اعلیٰ لیاقت اور پاکیزگیِ تحریر اور راستیِ خیالات پر جمِ غفیر نے اجماع کرلیا ہو تو میں اپنی رائے کا اظہار کرنا تحصیلِ حاصل بلکہ ایک طرح کی شوخی سمجھتا ہوں۔ ممالکِ شمالی مغربی، پنجاب، بہار، بنگالہ تو ایک اعتبار سے زبانِ اردو کا وطن ہے، اِن ملکوں میں جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے مصنّفات کی جتنی قدر ہو تھوڑی؛ حیدرآباد دکن میں

---

4. خط و کتابت آدھی ملاقات کے حکم میں ہے۔
5. اوّل سے آخر تک، سراپا، سب کا سب
6. یہ تصنیفیں مشک ہیں جتنا رگڑو اُس کی خوش بو پھوٹتی جائے۔
7. چھاپا، طبع
8. ولایت کا ایک امتحان جس سے گورنمنٹ ہند کی تمام اعلیٰ خدمات کا استحقاق حاصل ہوتا ہے۔
9. اور یہ نازش کو کافی ہے۔

جہاں فارسی دفتر تھا، جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کی تحریرات کا وہ زور وشور رہا کہ اُن کے روزنامچے اور روبہ کار اور کیفیتیں اور رپورٹیں اور فیصلے اور تجویزیں مجامع میں اس طرح پڑھی جاتی تھیں، جیسے مشاعروں میں غزل۔ سارے دکن میں ایک نواب سر سالار جنگ بہادر مرحوم خود مردِ مجسّم اور مردم شناس تھے۔ اُن کا یہ حال تھا کہ جناب مولوی مہدی علی صاحب کے نام جو خطوط جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے جاتے، بالالتزام اُن کو بار بار مزے لے لے کر پڑھتے اور حسنِ تحریر کی داد دیتے۔ جب حضورِ نظام کی مسند نشینی کو ڈیڑھ یا دو برس باقی رہے تو گورنمنٹ[10] آف انڈیا نے چاہا کہ رئیس کو انتظامِ ملک سے آشنا کیا جائے۔ وزیر اور رزیڈنٹ نے مل کر یہ تجویز کی کہ انتظامِ مملکت پر کچھ رسالے لکھوا کر حضور کو ملاحظہ کرائے جائیں۔ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے سوائے ایسے رسالے اور کون لکھتا؟ کم و بیش دس رسالے جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب نے لکھے۔ ایک دن کا مذکور ہے کہ نواب سر سالار جنگ بہادر میز پر تھے اور آنریبل[11] مسٹر سیّد محمود اور چند اکابر اور بھی شریک تھے کہ ایک رسالہ پہنچا۔ نواب سر سالار جنگ بہادر سے صبر نہ ہوسکا، اور عین تناولِ طعام میں رسالے کو دیکھنا شروع کیا اور حاضرین کو سنایا، اور آخرکار یہ فرمایا کہ مجھ کو ساری عمر میں اگر رشک ہوا ہے تو مولوی نذیر احمد کے دماغ پر۔ بس جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے سرٹیفکٹوں[12] کا پشتارہ، جس میں کئی لفٹنٹ گورنروں کی چٹھیاں بھی ہیں ایک طرف، اور ہند کے بسمارک[13] نواب سر سالار جنگ بہادر کا اتنا فرمانا ایک طرف۔ خیر نواب سر سالار جنگ بہادر کو تو جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے دماغ پر رشک تھا، مجھ کو جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کی تحریرات سے عشق ہے۔ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کی کتابیں ہندو،

10. حضور نواب گورنر جنرل بہادر ہند بہ اجلاس کونسل
11. خطابِ عزّت جو ہائی کورٹ کے ججوں اور کونسل کے ممبروں کو حاصل رہتا ہے۔
12. اسناد
13. وزیرِ جرمنی جس کا تدبیرِ سیاست میں تمام یورپ لوہا مانتا ہے۔

مسلمان، عیسائی، یہودی، پارسی ہر قوم اور ملت کے لوگوں نے پڑھی ہوں گی، مگر یہ میرا ہی حصہ تھا کہ مولوی بشیر الدین احمد صاحب اپنے والد کے خطوط مجھ کو دکھایا کرتے، اور میں ان کو نقل کرلیتا۔ خطوط میں اکثر خانگی حالات تھے، اور بہت میں مباحثِ علمی جو جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب سبقاً سبقاً لکھ لکھ کر بھیجتے تھے، حذف واسقاطِ ضروری کے بعد جو کچھ بچا، وہ یہ کتاب ہے جو پیش کشِ ناظرین کی جاتی ہے۔ اس کے چھپوانے سے لوگوں کو یہ دکھلانا منظور ہے کہ ایک لائق باپ اپنے اکلوتے بیٹے کو کس طرح پر تعلیم وتربیت کرتا ہے۔ شغف[14] تو اس درجے کا ہے کہ سوتے جاگتے، سفر میں، حضر[15] میں، فرصت میں، اشتغال میں؛ ہر حال میں بیٹے کا تصور نصب العین[16] ہے۔ گویا دنیا عبارت ہے اسی ایک وجود سے، مگر تعلیم میں بھی اس بلا کا اہتمام ہے کہ علم ایک لقمہ ہو تو کھلا دیں، یا تعویذ ہو تو گھول کر پلادیں۔ میں ناظرینِ کتاب کو جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کا نمونہ دکھلا کر اولاً نفسِ تعلیم اور ثانیاً اُس خاص طرح کی تعلیم کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جس کا زمانۂ حال مقتضی ہے۔ مقصدِ اصلی تو یہ ہے، اور اگر کوئی طرزِ تحریر اور طریقۂ ادائے مطلب سے استفادہ کرے تو روکھن[17] میں۔

نمبر 13 تالتلا بازار اسٹریٹ، کلکتہ　　　　محمد عبد الغفور شہبازؔ بہاری
تاریخ غرۂ جنوری 1887 روز شنبہ

---

14. شیفتگی
15. ضدِ سفر یعنی حالتِ اقامت
16. مدِ نظر، آنکھوں کے سامنے
17. سودے والوں کا دستور ہوتا ہے کہ خریدار کے خوش کرنے کے لیے تھوڑا سودا اوپر سے مفت دے دیا کرتے ہیں اُس کو روکھن کہتے ہیں۔

دیباچۂ طبعِ ثانی

مولوی نذیر احمد کی کتابوں کو تو کچھ ایسی خدا کی سنوار ہے کہ اِدھر بنیں، اُدھر چھپیں؛ اِدھر چھپیں، اُدھر بکیں۔ اسی مارامار میں موعظۂ حسنہ کے پہلے اِڈیشن [1] میں کتابت کی غلطیاں، خطوں کی بے ترتیبی اور بعض ضروری ... کی متردکی کئی نقص رہ گئے۔ اس دوسرے اِڈیشن کے وقت میں نے دل پر ٹھان لیا تھا کہ بلا سے دیر ہو تو ہو مگر جیسی کتاب کیا عبارت کیا مضامین کے اعتبار سے عمدہ ہے، اور جیسی لوگ اس کی قدر کرتے ہیں، اُسی مناسبت سے ترتیب اور تکمیل اور کتابت اور تصحیح اور چھاپہ سبھی چیزیں عمدہ ہوں۔ میرے نزدیک یہ دوسرا اِڈیشن حجم میں، ہر طرح کی بہتری میں پہلے سے اگر ڈیوڑھا نہیں تو سوایا ہونے میں کچھ شک بھی نہیں۔ پس جو لوگ پہلا اِڈیشن لے چکے ہیں، وہ اس کے ایسے ہی محتاج ہیں جیسے نئے خریدار، کَثَّرَهُمُ اللّٰه.

اِس میں میری منظوم تقریظ ملا کر تین تو تقریظیں ہیں، انڈکس ہے، حواشی ہیں، اور خود مصنف کے بہت سے خطوط ہیں جو عِنْدَ التَّهَيُّوِ لِلطَّبْعِ الثَّانِی بہم پہنچائے گئے۔ اس کتاب کے جمع کرنے سے جو غرض تھی، ابھی اس اِڈیشن سے حاصل ہوتی ہے، تَامًّا مُکَمَّلاً

العبد

سید محمد عبدالغفور شہباز

---

1. چھاپہ، طبع

خاتمۃ الطبع

شمعِ من یافتہ ضیا ازوے
مسِ من گشتہ کیمیا ازوے

میرے والدِ ماجد، خدا اُن کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ ومفیدہ ہیں۔ جن کی کتابوں نے ہندوستان کے اِس سرے سے اُس سرے تک اِس قدر شہرت اور مقبولیت حاصل کی ہے کہ جس کی نظیر ملنا محال ہے؛ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِیْم. پس لوگوں سے اُن کی تقریب یا تعارف کرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہر شریف گھرانے میں اُن کی کتابیں رائج ہیں۔ مرد تو مرد عورتیں، لڑکے لڑکیاں سب مرآۃ العروس، اصغری اکبری کے قصے اور اُس کے مصنف کو اس طرح جانتی ہیں جیسے اپنے گھر والوں کو۔

موعظۂ حسنہ ایک مجموعہ ہے اُن خطوں کا جو زمانِ تعلیم میں میرے شفیق باپ نے نہایت دل سوزی سے مجھے لکھے تھے جن کے فقرے فقرے بلکہ لفظ لفظ سے محبت اور شفقت ٹپکتی ہے، اور در حقیقت محبتِ پدری کے غیر معمولی جوش کا ابال ہیں۔ یہ وہی خط ہیں جنھوں نے مجھے راہِ راست بتلائی، میرے قدموں کو ڈگمگانے نہ دیا، اور میرے کیرَکٹر کی ایک مستحکم بنیاد قائم کی۔ انسان فطرۃً خودغرض ہے اور ہر بات میں وہ اپنی بہتری اور فائدے کو مقدم رکھتا ہے، لیکن اولاد کی مامتا اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی لگا دی ہے کہ اُس کے

مقابلے میں وہ اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہے، اور ماں باپ کو اگر ایسی بے قراری نہ لگا دی جاتی تو یہ کیڑے پلتے کیوں کر۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا. صحیح صحیح اندازہ والدین کی محبت کا اُس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہم خود باپ نہ بنیں۔

ع قدرِ بابا آں زماں دانی کہ خود بابا شوی

میں بھی اپنے باپ کی تحریرات کو ناجائز سختی پر محمول کرتا تھا، پڑھنے لکھنے کی اِس بلا کی تاکید تھی کہ میرا ناطقہ بند تھا۔ بندھا روپیہ میں نے کبھی دیکھا نہیں، چار پیسے روز میری والدہ مرحومہ مغفورہ مجھے سودے سلف کو دیتی تھیں اور اُس کا بھی حساب لیتی تھیں۔ یہ سب باتیں مجھے ازحد ناگوار تھیں، مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ کیا گیا وہ سختی نہ تھی، رحمت تھی۔ اور آج وہ طرزِ عمل جسے میں بچپنے اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے ایک طرح کا ظلم اور میری جائز آزادی میں خلل اندازی سمجھتا تھا، میری آیندہ زندگی کے لیے ایک بیش بہا نعمت ثابت ہوا ہے۔

یہ خط کبھی اِس غرض سے نہیں لکھے گئے تھے کہ پبلک میں لائے جائیں گے، بالکل پرائیوٹ نیچر کے تھے، اور اِسی وجہ سے قلم برداشتہ لکھے گئے تھے۔ مجھ کو بھی اِن کے چھپوانے کا خیال نہ تھا، میرے لنگوٹیا یار مولوی عبدالغفور شہبازؔ نے (جو آگے چل کر میرے ہم زلف بھی ہوگئے) مجھے اِس طرف توجہ دلائی اور اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ کے مصداق بنے۔ چوں کہ سب خطوں کو میں نے جان کے برابر لگا رکھا تھا، گٹھے کا گٹھا اُن کے حوالے کیا، اور انھوں ہی نے اِن خطوں کو کتاب کی شکل میں مدوّن کرکے 1887 میں بلا کسی قسم کی ترمیم وتبدیل کے اصلی حالت میں قومی پریس لکھنؤ میں چھپوایا۔ دوسرے ایڈیشن کا مجھے خبر نہیں کہ کب چھپا اور کہاں چھپا۔ گو میں نے اِن خطوں کو، جس زمانے میں لکھے گئے تھے، بارہا پڑھا اور فِيْ زَعْمِيْ اُن پر مُعْمِلٌ بِهٖ رہنے کی کوشش بھی مَهْمَا يُمْكِنُ کی تھی، لیکن چھپنے کے بعد کبھی پڑھنے کا نہ اتفاق ہوا نہ کوئی ضرورت پڑی۔ جب پنشن لے کر خانہ نشین ہوا، اور مرحوم کی کتابوں کی دیکھ بھال شروع کی تو معلوم ہوا کہ 1331ھ میں تیسرا ایڈیشن نذیر حسین صاحب تاجرِ کتب کے اہتمام سے نکلا، لیکن پھر بھی پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا؛ کیوں

کہ ایسے خط، جن کے مضامین بچپنے سے میرے دل پر نقش کالحجر تھے اور جنھیں میں نے حرزِ جاں بنا رکھا تھا، اب مجھے پڑھنے کی کیا ضرورت باقی تھی۔ بھلا بڈھے طوطے کہیں پڑھا کرتے ہیں۔ اب جب دیکھا کہ موعظۂ حسنہ کی مانگ کثرت سے ہے، اور بازار میں کتاب ملتی نہیں تو اپنے اہتمام سے اِس کے چھپوانے کا قصد ہوا۔ کاغذ کی سخت گرانی بہ مقابلہ لوگوں کی ضرورت پورا کرنے کے سدّ راہ نہ ہوئی۔ میں نے کاتب کو کتاب لکھنے کو دے دی۔ جب کاپیاں تصحیح کو آنے لگیں تو پھر مجھے اِن خطوں کو چالیس بیالیس برس کے بعد بہ ضرورت پڑھنا پڑا۔ نذیر حسین صاحب تاجرِ کتب، جو ہمارے والدِ ماجد کے معتمد علیہ اعظم اور کتابوں کے چھپوانے، بیچنے اور سیاہ وسفید کے مختارِ کل تھے، اُنھوں نے خدا جانے والد مرحوم سے اجازت لی یا نہیں، مگر مجھے تو کانوں کان خبر نہیں، اور اُنھوں نے دھڑلے سے کتاب چھپوا ڈالی۔ مولوی عبد الغفور صاحب، جو اِس کتاب کے مدوّن تھے، مر گئے ورنہ وہ شاید کچھ دخل دیتے۔ نذیر حسین کوئی ذی علم آدمی نہ تھے۔ ایک کتب فروش کے لیے ایک چٹھی رساں کی طرح صرف کتاب کا نام پڑھ لینا اُن کی تجارتی اغراض کے لیے کافی تھا، اور یہی اُن کا مبلغ علم تھا؛ اور پھر بصارت سے معذور۔ اُنھوں نے کتاب کو چھپوایا نہیں، غارت کیا۔ کتاب ٹھیری وہ جس سے لڑکوں کو تعلیم دینا، قواعد سکھلانا مقصود تھا، جس میں رفعِ اغلاط اور صحت کا کافی انتظام ہونا چاہیے تھا، مگر اب کاپیاں دیکھتا ہوں تو سرتاپا غلطیوں سے بھری پڑی ہیں۔ طرزِ کتابت غلط، املا غلط، انشا غلط؛ جہاں کہیں عربی آگئی بس توتو اُڑ گیا۔ نذیر حسین کا کام کاپیوں کی تصحیح نہ تھا اور نہ یہ کام اُن کے بس کا تھا، نہ اُن کو اِس دردسری سے غرض تھی۔ کسی مصحح کو رکھتی اُن کی بلا۔ اُن کو کتاب بیچنے کو درکار تھی، غلطیوں کی تصحیح سے اُن کو کیا سروکار تھا۔ کتاب اُنھوں نے چھپوا اپنے ٹکے سیدھے کیے، جو پڑھے گا وہ غلطیوں کو آپ سلٹ لے گا۔ غرض مجھ کو علم نہ تھا کہ اِس کتاب کو اِس بے پروائی سے چھاپا گیا ہے، اور اِس میں ایسی فاحش غلطیاں اور بھونڈی فروگزاشتیں ہیں کہ جن غلطیوں سے مصنف منع کرتا ہے، وہی اِس میں جا بہ جا موجود۔ اور تو اور صفحے کے صفحے الٹ پلٹ، رو ایک ہے اور پشت پر غیر متعلق صفحہ کہیں کا کہیں چھپا ہوا ہے۔ کاتب بے چارہ نقل را چہ عقل حساب لگاتا

رہتا ہے کہ جز و لکھے اور کیا اُجرت سیدھی ہوئی۔ نذیر حسین کو صحت سے کیا بحث؟ وہ دیکھتے تھے کہ مولوی نذیر احمد کا نام بکتا ہے نہ کتاب۔ لینے والا آنکھ بند کر کے لے گا۔ گھر لے جا کر جب پڑھے گا، غلطیوں کا خمیازہ خود بھرے گا۔ غلطیوں سے کتاب کی قیمت میں ایک پائی کا فرق نہیں آتا۔ جب یہ کتاب تعلیمی کورس کی ہے تو اِس میں غلطیاں رہنا ایسا ہے جیسے مجموعۂ تعزیراتِ ہند کی دفعات میں قید کی جگہ پھانسی، اور پھانسی کے عوض سزائے بید لکھ دینا۔ غرض میرا خون اُونٹ گیا۔ میں دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ چوتھا ایڈیشن بالکل اغلاط سے پاک وصاف ہے، مگر ہاں یہ ضرور ہے کہ تیسرے ایڈیشن سے پچھتر فی صدی غلطیاں تو اِس میں ضرور کم ہیں، اور میں اسے بھی غنیمت سمجھتا ہوں۔ غرض نذیر حسین کی چھپوائی ہوئی موعظۂ حسنہ اور اِس میں وہی فرق ہے جو ایک کرایے کے لدّو ٹٹو اور ذاتی اسپ راہوار میں ہوتا ہے۔ خیر اِس طول طویل بحث میں میرا ذاتی مطلب رہا جاتا ہے، وہ بھی ذرا سن لیجیے۔

مجھے اپنے باپ کی ساری کتابوں میں یہ کتاب سب سے زیادہ عزیز ہے، اور کیوں نہ ہو کہ اِس کے دیکھنے سے میرا سارا بچپنا میری آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ میں اپنے باپ کی اُس بے قراری کا احساس اب قرار واقعی طور پر کرتا ہوں جو اُنھیں میری تعلیم کے بارے میں تھی۔ اُن کا بس نہ چلتا تھا کہ علم کو گھول کر وہ میرے حلق میں اتار دیتے۔ چوں کہ میں اُن کا اکلوتا بیٹا تھا، وہ میری آیندہ کی بہبودی کے لیے واجبی طور پر مضطرب تھے، اور چاہتے تھے کہ میری آیندہ کی زندگی کی طرف سے اُن کو کسی نہ کسی طرح کچھ تھوڑا بہت اطمینان ہوجائے۔ جہاں وہ ہر اعتبار سے خوش نصیب تھے الحمدللہ اُن کی یہ خواہش بھی بہ احسن الوجوہ پوری ہوئی کہ وہ مجھے پھلا پھولا دیکھ گئے۔ گو میں بہ از پدر کہلانے کا مستحق نہیں ہوں، مگر اِس زمانے میں یہ بھی بہت غنیمت سمجھتا ہوں، اور اپنے پروردگار کے افضال کا شکر گزار ہوں کہ ہزاروں سے بہتر ہوں، اور اگر چہ میں اپنے باپ کے نام کو بڑھا نہ سکا ہوں تو میں نے اُن کی شہرت کو گھٹنے بھی نہیں دیا، نہ اُن کے نام کو بٹا لگایا، وَكَفٰى بِهٖ فَخْرًا۔

معزز ناظرین! وہ شخص جو کبھی میاں بشیر یا خالی بشیر کے مختصر مگر پیارے نام سے

پکارا جاتا تھا، نہ صرف بچپنے کی بے غِل وغِش منزل طے کر چکا، بلکہ جوانی دیوانی کی کٹھن منزل سے بھی اللہ تعالیٰ نے اُسے پار لگا دیا، اور اب کئی کئی برسوں سے بڑھاپے کی گھاٹی میں مراحلِ زندگی طے کر رہا ہے، اور بھاگم بھاگ اَرْذَلِ الْعُمُر کی آخری منزل میں جھپٹا ہوا چلا جارہا ہے، یا یوں کہیے کہ زمانہ کشاں کشاں اُسے لیے چلا جارہا ہے۔ خدا جانے کب یہ منزل طے ہوکر یہ خاکسار منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ دعا کیجیے کہ خدا عاقبت بہ خیر کرے:

جہازِ عمرِ رواں پر سوار بیٹھے ہیں
سوارِ خاک ہیں، بے اختیار بیٹھے ہیں

بہر حال نہ میاں بشیر کہنے والے رہے، نہ اب بشیر وہ بشیر ہی رہا کہ جس کی پیاری پیاری باتوں پر پیٹ میں بل پڑ پڑ جاتے تھے۔ اب بشیر تو ہے، مگر بالکل ایک دوسرا بشیر ہے۔ مذاق اب بھی اُس کی باتوں پر اُڑایا جاتا ہے۔ پہلا مذاق بچپنے کی باتوں پر تھا جب اس کے منہ سے دودھ کی بو آتی تھی، اب کا مذاق بڑھاپے کے سٹھیا جانے پر ہے؛ ہنسنے والے جب بھی ہنستے تھے، اور اب بھی ہنستے ہیں، مگر پہلے اور اب کی ہنسی میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ اور اب معلوم ہوا کہ کسی نے سچ کہا ہے کہ بالا اور بوڑھا برابر۔ اب وہ بشیر بشیر ہی نہ رہا، نہ اُس کی بہبودی کے لیے کوئی بے قرار ہے، نہ وہ محبت بھری نظر اور پیار ہے۔ اب وہ میاں بشیر جن کی باتوں پر باچھیں کھلی جاتی تھیں، خود بڑے بوڑھوں میں اُن کا شمار ہے۔ کچھ تو عمر بھی ایسی ہی آگئی، اور کچھ قبل از وقت ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے سے ہم ہی سب میں بڑے بن گئے۔ کَبَّرَنِیْ مَوْتُ الْکُبَرَاءِ.

یہ کتاب نوعمر لڑکوں کے لیے حصولِ علم، تہذیب واخلاقِ حسنہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ دور بیٹھے مراسلت کے ذریعے سے جس طرح کا نشیب وفراز سمجھانا بہترین اسلوب سے ممکن ہے، وہ اِس میں ہے۔ جو صاحب اپنی اولاد کے دلوں میں تحصیلِ علم کا شوق اور مذاقِ صحیح پیدا کرنا چاہتے ہیں، اُن کو چاہیے کہ یہ کتاب سمجھ دار لڑکوں کے ہاتھ میں دیں کہ وہ خود پڑھیں۔ سبقاً سبقاً پڑھانے سے وہ فائدہ مترتب نہ ہوگا جو اِس کتاب کا مقصودِ اصلی

ہے۔ یہ کتاب ایسی استعداد کے لڑکے کو دینی چاہیے جو اردو لکھنے پڑھنے پر اچھی طرح قادر ہو، وہ اِس کو ایک دفعہ نہیں، بار بار مختلف اوقاتِ فرصت میں پڑھے؛ سبق کی طرح نہیں کہ بار خاطر ہو، بلکہ محض شوق سے تفریحاً کہ طبیعت پر بوجھ نہ ہو، اور مطالب بہ خوبی ذہن نشین ہو جائیں، اور اِس کی نصیحتوں پر عمل کرنے کی بھی کوشش کرے۔ اتنا میں بالوثوق کہہ سکتا ہوں کہ اِس کتاب کے پڑھنے کے بعد ضرور ہے کہ مبتدیوں کو جو پڑھنے لکھنے کی طرف سے بدشوقی اور عدمِ توجہی ہوتی ہے اور جی چراتے ہیں، وہ ضرور حصولِ علم کی طرف جھک جائیں گے۔ جنرل نالج (واقفیتِ عامّہ) بڑھنے کے سوا اُن کی اخلاقی حالت کی درستی ہوگی، سو الگ۔ ممکن تھا کہ میں اِس کتاب میں اپنے والد کے اور کچھ خطوط، جو میرے پاس ہیں، اضافہ کر دیتا، مگر اوّل تو وہ وہ نہ ہوتے جن میں مَیں مخاطب صحیح تھا، دوسرے یہ کہ وہ بہ لحاظ مضامین بھی تعلیم و تعلّم کے دائرے سے باہر تھے، اور ظاہر ہے کہ ایسے خطوں سے بچوں کو دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ اِس وجہ سے میں نے نفسِ کتاب میں سوائے اِس کے کہ چند نوٹ توضیحِ مطلب کے لیے بڑھا دیے ہیں، اور کچھ اضافہ نہیں کیا۔ والسلام

خاکسار

(میاں) بشیر

دہلی

شعبان المعظم 1337ھ　مئی 1919

تقریظات

موعظۂ حسنہ کا ریویو

[جناب مولوی سید محمد خاں صاحب بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ عظیم آباد کے قلم آزاد رقم سے]

بالفعل جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب بہادر مصنفِ مشہور دہلی کی ایک نہایت مفید، بہ کارآمد اور عمدہ کتاب میری نظر سے گزری۔ یہ وہ دل چسپ مجموعۂ مکتوبات ہے کہ جس کو مولوی سیّد محمد عبدالغفور صاحب شہباز نے اپنے خاص اہتمام سے مرتب فرما کر مطبع قومی پریس میں چھپوایا ہے، اور جس کا اشتہار آج کل بعض بعض اردو اخباروں میں نظر افروز ہے۔ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کو اردو کی انشا پردازی کی دنیا میں ایک مصنف ہونے کی حیثیت سے ایسی غیر معمولی، بجا اور رشک انگیز کام یابی حاصل ہوئی ہے کہ جس کی نظیر ان دنوں مشکل سے ملے گی، اور مجرد اُن کا نام نامی کتاب کے مقبولِ خاص وعام ہونے کے لیے کافی ضمانت ہے۔ اُس پر اس کتاب کو ایک ایسے ذہین، قابل اور شوخ طبع نوجوان نے مرتب کیا ہے کہ اس کی متانتِ رائے، صفائی خیالات اور قدرتِ تحریری سے

بھی بہت سے قابل لوگ اکثر مشہور مقامات اور تہذیب یافتہ حلقوں میں واقف ہیں، اور اُس کی شرکت ایک ایسے فرخندہ فرجام کام میں اُس کی عمدگی کی عمدہ سرسری دلیل ہے۔ گو مجھے اُس غور اور توجہ سے اِس کتاب کے مطالعے کی نوبت نہیں آئی کہ جس کی یہ مستحق ہے اور نہ میری یہ غرض کہ میں اس کا کوئی جامع اور حاوی رویو لکھوں، لیکن بہ ہر کیف جس قدر موقع کہ مجھے اس کتاب کے دیکھنے کا ملا ہے، اور اُس میں میری جو سرسری راے کہ اس کی نسبت قائم ہوئی ہے، اُس کو آزادانہ قلم بند کر دینا مناسب جانتا ہوں۔

اس کتاب میں وہ نصیحت آمیز اور جواہر ریز مکتوبات ہیں کہ جو مصنفِ مرآۃ العروس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اس کے زمانِ طالب العلمی میں بہ نظر اُس کی تعلیم اور تہذیب اخلاق کے لکھے ہیں، اور جن میں حکیمانہ اصول سے اُس کے خیالات کی بلندی و پستی اور اُس کی غلطیوں کو نہایت دردمندانہ اور پُر اثر عبارت میں بتایا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اُن کو ایسے رقعات کے لکھنے کی ضرورت تھی، اور شاید اُن سے بہتر اس کام کے لیے بہت کم لوگ تھے۔ اوّلاً اس قسم کی کتاب اردو زبان میں بہت کم بلکہ نایاب ہے اور ثانیاً بعض قابل اور مشہور زباں دانوں اور تجربہ کار شاعروں کے مکتوبات جو جمع کیے گئے ہیں، اُن کی بہ خیال شستگیِ عبارت وشیرینی وصفائیِ زبان جو کچھ مدحت کی جائے مگر اُن کے سارے مطالب اور مضامین کبھی اس لائق نہیں ہیں کہ کوئی تہذیب یافتہ رغبت سے اُن کو دیکھ سکے یا نوجوانوں کو اُن کے پڑھنے کی اجازت دے سکے۔ ہاں اگر اُن سے کوئی ویسے تہذیب سوز مضامین نکال ڈالے تو البتہ اُن کے منتخب حصے عام کے لیے مفید اور ملک کے فنِ ادب کی ترقی کے لیے معین ہو سکتے ہیں، اور میرے نزدیک اس انتخاب کی بہت اشد ضرورت ہے کیوں کہ فرطِ عام پسندی سے لوگ بعض ویسی کتابوں کو نہایت شوق سے دیکھتے ہیں۔ موعظۂ حسنہ میں کیسے دردمندانہ، آزادانہ اور حکیمانہ پیرایے میں ایک نوجوان کو مختلف امور ضروری کی تعلیم کی گئی ہے، اور اُس کی ہمت کو کس خوبی سے ترقی کے زینے پر چڑھایا گیا ہے اور اُس کے پست حوصلے اور کام چور دل کو کس شایستہ عنوان سے نصیحت اور ملامت کی دھیمی دھیمی آنچ سے بڑھایا گیا ہے۔ ان مکتوبات میں معلومات کا ایک بڑا خزانہ اور لڑکوں

کے مرغِ خیال کے لیے بہت کچھ تازہ، مزہ دار اور شاداب آب ودانہ ہے۔ عبارت کی قوت ولطافت ، بندش کی چستی، محاورات کی خوبی، زبان کی پاکیزگی، مضامین کی متانت، جائز اور ضروری ظرافت کی شوخی، نصائح کی دل پذیری اور تسلسل وآزادیِ خیالات میں یہ مکتوبات میری رائے میں اس قسم کی کتابوں میں بے مثل ہیں۔ خداوندِ کریم مسلمان باپوں کو اپنے بیٹوں سے اس انداز سے نامہ وپیام کرنے کی لیاقت اور صلاحیت دے۔ بہت کم تربیت یافتہ اور قابل لوگوں کا خیال ہندوستانیوں میں ایسے امور کی طرف متوجہ ہے۔ عمدہ کالج میں لڑکوں کا داخل کردینا، عمدہ ماسٹر یا مولوی کا گھر میں نوکر رکھ دینا، اپنے لڑکوں کی تعلیم کے لیے اعلیٰ درجے کا سامان سمجھتے ہیں، حال آں کہ ہر ایک باپ کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اپنی اولاد کی تعلیم میں اپنے قلم اور زبان اور اپنے کردار وگفتار کی نظیر سے ہمیشہ مدد لے، اپنے خیالاتِ ناقص کی اصلاح میں ہمیشہ مشغول رہے۔ اگر ہمارے ملک کے تربیت یافتہ لوگ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے ان مکتوبات سے ایک یادگار اور پُر منفعت سبق لیں تو بجا ہے، کیونکہ یہ مکتوبات اُن کو دکھا اور بتا دیں گے کہ تربیت یافتہ باپ کا کام فقط منی آرڈر بھیجنا یا اپنے لڑکے کو بہ صرفِ زرِ کثیر بے امتیازی سے ولایت روانہ کرنا نہیں ہے، بلکہ باپ اپنی اولاد کی اصلاحِ خیالات وعقائد وخصائل کا بہت بڑا جواب دِہ معلّم اور اتالیق ہے، اور وہ اپنی اس خدمت سے کبھی پہلوتہی نہیں کرسکتا، باوجود کثرتِ مشاغل اور اتنی تصانیفِ بلند ومشکل کے، صاحبِ موعظۂ حسنہ کو اس کی فرصت ملتی تھی کہ اپنے پیارے بیٹے کو ایسے مراسلات بھیجا کرتے کیونکہ اُن کو اپنی یہ جواب دہی اور اپنے کلام کی قوّتِ تاثیر بہ خوبی معلوم تھی۔ یہ کتاب لڑکوں اور بوڑھوں دونوں کے پڑھنے کے لائق ہے اور سوائے فائدے کے، اس سے کسی طرح کے ضرر کا گمان نہیں ہے۔ یہ مکتوبات گو ایک خاص لڑکے کے لیے لکھے گئے تھے، مگر خدا جانے کتنے ہزار نوجوان ان سے فائدہ اٹھائیں گے، اور کتنوں کے یہ کام آئیں گے۔ اس قسم کی چیزوں کی ہم مسلمانوں میں بہت بڑی ضرورت ہے، اور ضرور ہے کہ جس قابل آدمی کے مکتوبات اور سوانحِ عمری میسّر آئیں، اُن کو اہتمام سے جمع کرکے زیورِ طبع سے آراستہ کیا جائے۔ یہ وہ

کتاب ہے کہ ہر سردار خاندان کا واجبی کام ہے کہ ہر ایسے لڑکے کو جو اس کو پڑھ کر سمجھنے کی استعداد رکھتا ہے، اس کی ایک جلد لے کر دے، اور اس کے پڑھنے کی نسبت اُس کو تاکید کرے۔ میں اُس زمانے کے دیکھنے سے بہت خوش ہوں گا جبکہ یہ کتاب مدرسوں اور اسکولوں میں نصاب میں داخل کی جائے، کیونکہ اس کے پڑھنے سے طلبہ کو چند در چند نفع حاصل ہوگا۔فقط

مقام: باقی پور، مہندرو
8 تحریر ماہِ اگست 1887

موعظۂ حسنہ

[جناب مولوی نذیر احمد صاحب خان بہادر کی کتاب موعظۂ حسنہ کا ریویو
جناب شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد کے کلکِ مرصع سلک سے]

اس کتاب کو، جو ابھی چھپ کر مشتہر ہوئی ہے، میں نے دیکھا۔ ہندوستان کے خاندانوں اور اُن کے نوجوانوں کی سقیم حالت دیکھ کر ایسی تصنیفات کا پھیلانا جزوِ مصلحت ہے۔ اس لیے قلمِ آزاد پر واجب ہوا کہ اپنا فرض ادا کرے۔

یہ ایک فاضل، سن رسیدہ مصنف کے خط ہیں جس نے کاروبارِ زمانہ کو ہر حال میں دیکھا، اور سمجھ کر دیکھا، برتا، اور سمجھ کر برتا۔ ان میں عبارت آرائی یا ترتیب انشا کے لیے فرضی مطالب کو فقروں میں نہیں ڈھالا، اصلی خط ہیں کہ پیارے باپ نے پیارے فرزند کو سچی ضرورتوں اور واقعی مواقع پر بے تکلف عبارت میں کھلے دل سے تحریر کیے ہیں جو کہ وقت بہ وقت اور روز بہ روز حالتِ عنفواں میں ہر ایک شریف خاندانی کو پیش آتے ہیں، اس واسطے نوخیز جوانوں کے لیے نسخہ ہے تقویتِ دماغ، پرورشِ عقل اور ورزشِ فکر کا۔

فاضل مصنف عالمِ تجربہ کا طبیب اور زمانے کا عمدہ نبض شناس ہے، دیکھتا ہوں کہ جس طرح نو رفتار بچے کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھاتے ہیں، وہ اپنے نوفہم، ناز پروردہ کو مسافتِ فکری میں چلنا سکھا رہا ہے۔ اُس میں قدم قدم پر کہیں روکتا ہے، مگر حکمتِ عملی کے ساتھ؛ کہیں بڑھاتا ہے، مگر ذوق وشوق بڑھا کر؛ کہیں ہٹاتا ہے، مگر خوش نما مصلحت دکھا کر؛ اور بچے کو نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی عامل مجھ پر میری خواہش یا حالتِ موجودہ کے مخالف عمل چاہتا ہے۔ یہ ہدایتیں زیادہ تر تعلیم، طریقِ تعلیم، سلسلۂ تعلیم، انضباطِ اوقات اور کہیں کہیں مسائلِ علمی پر بھی مشتمل ہیں۔ اکثر اعمال واطوار واخلاق پر موثر ہیں۔ اکثر تدبیر المنزل یعنی گھر والوں کے لیے گھر کے کاروبار میں انتظام اور اصلاحیں ہیں۔ انھیں معمولی لوگوں کی طرح دلیلیں لکھ کر ثابت نہیں کیا، فقط طرزِ بیان اور اندازِ ادا دلوں سے تسلیم اور قبول حاصل کرے گا۔

نوجوان لڑکے یا بصیرت طلب انسان کو راہِ زندگی میں بہت نشیب وفراز پیش آتے ہیں، اور سوچتا رہ جاتا ہے کہ کیا کرے۔ کہیں پھیر کھاتا ہے، اور کہیں ٹھوکر کھاتا ہے۔ یہ مجموعہ اُسے مواقعِ مذکورہ سے ہاتھ پکڑ کر نکال لے جائے گا۔ اللہ اللہ ایک دن وہ تھا کہ آزاد بہ مقتضائے سن خود ایسے رہنما کا محتاج تھا۔ آج سب منزلیں طے ہوگئیں لیکن پھر محتاج کا محتاج:

دریں تعلیم شد عمر و ہنوز ابجد ہمی خوانم
نہ دانم کے سبق آموز خواہم شد بہ دیوانش

دیگر

پڑھتا ہوں ایک مطلع ومقطع میں حسبِ حال — دیکھے تماشے میں نے جو ملکِ وجود کے
اک دن وہ تھا کہ ٹوٹتے تھے دانت دوُدھ کے — پھر یہ ہوا، گزرنے لگی کھیل کود کے
اب حال یہ ہے عالمِ پیری میں اے ظفر — باقی نہیں حواس بھی گفت وشنود کے

مقام: لاہور — راقم
تحریر ماہِ اگست 1887 — بندۂ آزاد محمد حسین

تقریظِ نظم

[ازقلمِ نیاز رقم جامعِ ایں اوراق]

ہو جو تصنیف تو ایسی ہو کہ اک دھوم ہے آج　　ہے سرِ لوح پہ شہرت کا چمکتا ہوا تاج
نہیں، یہ لوح فصاحت کا ہے چینی ارژنگ　　نہیں، یہ لوح بلاغت کا ہے رومی دیباج
کیوں نہ ہو، اُس کے یہ خط ہیں جسے فرہنگِ فرنگ　　کیوں نہ ہو، اُس کے یہ خط ہیں جسے ہے ملک کی لاج
اُس کے خط ہیں، جسے معلوم علوم اور فنوں　　اُس کے خط ہیں، جسے محفوظ رسوم اور رواج
اُس کے خط ہیں، جسے مشرق میں ہے مغرب کی سمجھ　　اُس کے خط ہیں، جسے دہلی میں ہے لندن کا مزاج
اُس کے خط ہیں، جو ہے امراضِ دماغی کا طبیب　　اُس کے خط ہیں، جسے معلوم ہے خاطر کا علاج
اُس کے خط ہیں، جسے ہے کشورِ شہرت میں عروج　　اُس کے خط ہیں، جسے ہے عالمِ تصنیف میں راج
اُس کے خط ہیں، جو ہے اقلیمِ معانی کا امیر　　اُس کے خط ہیں، جسے دیتا ہے سخن باج وخراج
اُس کے خط ہیں کہ ہیں سب جس کے سخن کے خواہاں　　اُس کے خط ہیں کہ ہیں سب جس کے قلم کے محتاج
اُس کے ہیں خط، ہے زباں جس کی بلاغت معجز　　اُس کے ہیں خط، ہے جسے عقل کی حاصل معراج
اُس کے خط ہیں، جسے تالیف ہے خرما وثواب　　اُس کے خط ہیں، جسے تصنیف ہے اک پنتھ دو کاج
اُس کے ہیں خط، کہ جو ہے ہبرِ ذکی دودھ میں کھانڈ　　اُس کے ہیں خط، کہ جو ہے ہبرِ غبی کوڑھ میں کھاج

اُس کے خط ہیں، ہے اثر جس کو کبوتر کی جگہ
وہ کبوتر ہے فصاحت جسے شہپر کی جگہ

ہیں یہ خط اُس کے بھلے کو جو ہے پروردۂ ناز　　باپ کا لختِ جگر، نورِ نظر، عمر دراز
دانش آموز تھا جب مدرسۂ دہلی میں　　شفقت تھی اُسے لکھتی یہ خطِ روح نواز

جب کہ بہکاتی تھی ناتجربہ کاری اُس کو　　تجربہ بڑھ کے بتاتا تھا نشیب اور فراز
ہارتی تھی کبھی ہمت جو طبیعت اُس کی　　کرتی تنبیہ تھی دروازۂ ناکامی باز
کبھی انداز سے پڑتا تھا قدم گر باہر　　ادب آتا تھا بتانے اُسے حسنِ انداز
جھکتا اسفل کی طرف تھا جو کبھی مرغِ نظر　　عرش اعلیٰ کی بجھاتا تھا خرد کا شہباز
ساحلِ علم پے ہوتی تھی اگر تشنہ لبی　　گھول کر خضر پلا جاتے تھے اک دفترِ راز
کبھی شوق اُس کا بڑھا دیتا تھا ذوقِ تسوید　　کبھی ذوق اُس کو بنا دیتا تھا انشا پرداز
کبھی تھی باغِ مضامیں میں اُسے نزہتِ فارس　　کبھی تھی بیتِ معانی میں اُسے سیرِ حجاز
کبھی لندن میں وہ کرتا تھا خیالی گل گشت　　کبھی دہلی میں وہ کرتا تھا خیالِ شیراز
کبھی آزادی سے ادیان پے دیتا تھا وہ رائے　　کبھی دیں داری سے مسجد میں وہ پڑھتا تھا نماز
کبھی تدبیر میں دنیا کی وہ ہوتا مصروف　　کبھی تعمیر کو عقبیٰ کی، وہ کرتا آغاز

الغرض اس میں بدولت انھی مکتوبوں کی
آگئیں آن میں ساری صفتیں خوبوں کی

جانتے ہیں اسے، جو لوگ کہ ہیں رمز شناس　　نہیں مکتوب، یہ ہے دفترِ تعلیم اساس
اس کی تعلیم ہے تعلیم اتالیقِ شفیق　　اس کی تادیب ادب آموزیوں میں فرسٹ کلاس[1]
اس کے پڑھ لینے سے جاتی ہی نہیں علم کی بھوک　　اس کے سن لینے سے بجھتی ہی نہیں علم کی پیاس
یہ بڑھائے تو ہمیشہ رہے، بڑھتا ہوا دل　　یہ بندھائے تو ہمیشہ رہے، بندھتی ہوئی آس
یہ ہو نزدیک تو کچھ دور نہیں، عمر کی قدر　　پاس یہ ہو تو بس آسان ہے، اوقات کا پاس
ہے کبھی اجر کی تحریص سے تلقینِ شکیب　　کبھی تشویق زیادت سے ہے تعلیم سپاس
اس سے عادات کی اصلاح ہے بے عدّ وشمار　　اس سے اخلاق کی تہذیب ہے بے حد وقیاس
اس سے ناداں میں حکیموں کی ہے پیدا خو بو　　اس سے انساں میں فرشتوں کی ہے ظاہر بو باس
یہ وہ ہے نخل عسل ریز ہے ناچیز درخت　　یہ وہ آہو ہے، کہ ہے مشک فشاں سوکھی گھاس

---

1. انگریزی ہے مراد قسم اول، اعلیٰ درجہ

نہیں حکمت پہ[2] یہ ہے موجبِ تصحیحِ نظر　　نہیں منطق پہ یہ ہے باعثِ اصلاحِ قیاس
جب کیا ہے کبھی تلخی نصیحت نے ترش　　گھول دی ہے وہیں شوخیِ عبارت نے مٹھاس
اُس کی جتنی ہے فضیحت، وہ ہے مصری کی ڈلی　　اُس کی جتنی ہے نصیحت، وہ ہے شربت کا گلاس

پند ہے لیک بھرے اس میں مزے قند کے ہیں
لطف ہر پند میں لقمان کے صد پند کے ہیں

ہے یہی نامہ و پیغامِ نصیحت فرجام　　ہے یہی موعظۂ موردِ تحسین[3] انام
ضبط خوبی سے اسی میں ہیں اصولِ ترغیب　　شوق افزائی میں ہر جا ہے اسی کو ابرام
کہیں بدشوقوں سے یہ یاد کراتی ہے سبق　　بدزبانوں کے کبھی منہ میں یہ دیتی ہے لگام
سنگ ریزوں سے مٹاتی ہے کہیں یہ لکنت　　لاتی پوڈر[4] سے کہیں ہے یہ شفا کا پیغام
کہیں کرتی ہے گھڑی بن کے، یہ حفظِ اوقات　　بن کے عینک، یہ دکھاتی ہے کہیں چرخ کا بام
کہیں گفتار کی تلقین میں ہے بلبلِ باغ　　کہیں رفتار کی تعلیم میں ہے کبک خرام
کبھی ہے مشغلۂ صَرف میں یہ مانفنیک[5]　　کبھی ہے مرحلۂ نحو میں توضیحِ مرام[6]
کبھی ہے دفترِ[7] انگریزی میں یہ حیلۂ[8] رزق　　کبھی ہے عسکرِ تازی میں شعارِ اسلام[9]

---

2. "پہ" مخفف ہے "پر" کا
3. تحسین سے اشارہ ہے حسنہ کی طرف جو موعظۂ حسنہ کے نام کا جزوِ دوم ہے۔ حسنہ اس بحر میں موعظہ کے ساتھ بے تکلف موزوں نہیں ہوسکتا تھا اس لیے یہ پیرایہ اختیار کیا گیا۔
4. گوآ پوڈر کی طرف اشارہ ہے جس کا بعض مکتوب میں ذکر ہے۔
5. مانفنیک فی الصرف زبانِ اردو میں فنِ صرف کی ایک کتاب ہے صاحبِ موعظہ سے تمام مسائلِ ضروریہ صرف کو حاوی اور نہایت عام فہم اور خوش نظم۔
6. توضیح المرام مولوی علی احمد صاحب برادر صاحبِ موعظہ کی ایک کتاب ہے جس میں تمام اُن مسائلِ نحو کو جو شرح ملا جامی میں نہایت مغلق اور دشوار پسند طور پر مذکور ہیں، نہایت ہی سلیس اور عام فہم طور پر کمالِ وضاحت کے ساتھ زبانِ اردو میں بیان کیا ہے۔
7. مطبخ
8. مچھ
9. جنگ اور سفر میں کسی قوم کی شناخت اور علامت، وردی، بڑ دل، ملبہ الامتیاز

آئے جب ذکرِ حد[10] علم سر آئزک نیوٹن[11]　　لائیں جب اگلے زمانے کے صُحف ابن سلام[12]

ہے بیاہوں کے لیے یہ کہیں شادی کا بیاہ　　ان بیاہوں کے لیے ہے کہیں شادی کا پیام

کبھی تقدیر سے دیتی ہے یہ تدبیر کو زک　　کبھی تدبیر سے لیتی ہے یہ تقدیر کا کام

اس کو فرصت میں بھی ہر لحہ خیالِ اشغال　　اس کو محنت میں بھی ہر لحظہ لحاظِ آرام

حُرکت میں ہے سکوں گہ یہ سکوں میں حرکت

گہ سکوں ہے سکوں گہ حرکت میں برکت

مقام: باقی پور، مہندرو

فکرِ ماہِ ستمبر 1887

---

10. یہاں حد پایاں اور تعریف منطقی دونوں معنوں میں منطبق ہے۔
11. انگلستان کے ایک مشہور متبحر حکیم کا نام ہے جس نے مرتے وقت فراوانیِ علم کی نسبت یوں بیان کیا کہ ہرچند میں نے عمر دراز پائی، اور بہت کچھ اوقات تحصیلِ علم و حکمت میں گنوائی، لیکن پھر بھی دریاے ناپیدا کنارِ علم تک نہ پہنچ سکا، اور پڑا کنارے ہی پر کچھ خوش رنگ سنگ ریزے چنا کیا۔
12. عبداللہ بن سلام سے عبارت ہے جو مدینہ میں یہود کے بڑے عالم تھے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ضمیمۂ دوم

تلفظ اور املا

آسایش: اس لفظ کی کئی صورتیں ملتی ہیں: آسائش، آسائیش: ل؛ آسایش: ن؛ اور دوسری کتابوں میں آسایش، اس لیے اسی کو متن میں ترجیح دی گئی۔ قاعدے کی رو سے ''آسایش'' درست بھی ہے۔ مولوی نذیر احمد صرفِ صغیر میں حاصل مصدر کی بحث کے تحت لکھتے ہیں: ''لیکن اس کے بنانے کا کوئی ایک خاص قاعدہ مقرر نہیں۔ کبھی امر کے آخر میں شؔ لگانے سے بنتا ہے، جیسے: بارش، خواہش، سازش، کاہش، آلایش، آسایش'' اس واضح اصول کی روشنی میں اس قبیل کے تمام لفظوں کا املا یؔ کے ساتھ لکھا گیا ہے، مثلاً فرمایش، گنجایش وغیرہ۔

اٹکا کر: اس لفظ کے سلسلے میں ایک دل چسپ صورت سامنے آئی۔ جملہ نسخوں میں ''ناخن اٹکا کر'' لکھا ہوا ہے یعنی الف پر کوئی حرکت نہیں۔ یہ لفظ اتنا عام ہے کہ اس پر حرکت کی کوئی ضرورت بھی نہیں، لیکن بؔ [جو بشیر الدین احمد کی نگرانی میں پہلی بار شائع ہوا تھا] میں اس حرف پر پیش لگا کر [یعنی اُٹکا کر]

ایک نئی اور حیران کن صورت پیدا کردی۔ چونکہ یہ نسخہ بھی اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ وہ مولوی بشیرالدین احمد کی نگرانی میں شائع ہوا تھا، اسے نظر انداز کرنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔ آصفیہ اور نور میں اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں، اور نہ ہی کسی اور نسخے میں ایسی کوئی بات موجود ہے۔ اس لیے اس لفظ کو بغیر کسی حرکت کے لکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اَحَدی: آصفیہ میں لکھا ہے: "جلال الدین اکبر نے ایک قسم کے تیر اندازوں کا نام "اَحَدی" رکھا تھا، جو کسی فوج کے زمرہ میں تو نہیں ہوتے تھے مگر علاحدہ گھر بیٹھے کسی خاص وقت کے لیے تنخواہیں پاتے تھے۔ یا سرکش زمینداروں سے روپیہ وصول کرنے کو بھیجے جاتے تھے۔ یہ لوگ جہاں جاتے تھے اُگاہی کا روپیہ لے کر اٹھتے تھے۔ حتٰی کہ حاجاتِ ضروری کے لیے بھی دوسری جگہ نہیں جاتے تھے۔ چنانچہ ایسی ایسی باتوں سے وہ سست ہوگئے تھے۔ مگر اب یہ بہ سکونِ حاے حطّی نہایت سست، کاہل مجہول آدمی کے واسطے مخصوص ہوگیا ہے۔" آصفیہ کی اس وضاحت کی روشنی میں اس لفظ کو "اَحَدی" لکھا گیا ہے، کیوں کہ یہ لفظ اسی نئے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اُقلِیدِس: آصفیہ میں "اُقلَیدِس" لکھ کر "صحیح اُقلِیدِس" بھی لکھا ہے: اسی رعایت سے "اُقلِیدِس" کیا گیا۔ اس طرح یہ اپنے انگریزی تلفظ Euclide سے ذرا قریب کی نسبت رکھتا ہے۔

اکک ڈھکک: اکک ڈھکک: ل؛ اکّے ڈھکّے: ن، ب، م؛ ہکلے ڈھکلے: ت۔ ت میں تو واضح طور سے کتابت کی غلطی ہے۔ رشک کے لغت نفس اللغہ میں "امکا ڈھمکا" اور "امک ڈھمک" دو لفظوں کا ذکر آیا ہے۔ یہی صورت نور کی بھی ہے۔ آصفیہ میں دونوں لفظ شامل کیے گئے ہیں لیکن "امکا ڈھمکا" لکھ کر "دیکھو (امک ڈھمک) درج ہے۔ اس سے یہ پہلو نکلتا ہے کہ صاحب آصفیہ کے ہاں اصل لفظ "امک ڈھمک" ہے۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ل کے علاوہ باقی نسخوں میں

''اکے ڈھکے'' بہ صورتِ امالہ استعمال ہوا ہے، یعنی ''امکا ڈھکا'' کو امالے کے عمل سے گزار کر ''اکے ڈھکے'' کر لیا گیا ہے۔ چونکہ ل کے متن میں بہ ظاہر کوئی خرابی نہیں، اور یہ لفظ بذاتِ خود لغت میں موجود ہے، اسی کو ترجیح دی گئی ہے۔

ایس، ایف: دونوں اشاعتوں میں اِس اور اِف لکھا گیا ہے، اس کی درستگی میں کوئی کلام نہیں لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ اِس [اردو لفظ] سے ذہن اشارۂ قریب کی طرف اور اِف سے انگریزی کے ایک دوسرے لفظ If کی طرف بھی متوجہ ہوسکتا ہے۔ موجودہ زمانے کی تحریروں میں اب یہ چلن آ گیا ہے کہ ان لفظوں کو ی کے اضافے کے ساتھ (ایف، ایم، ایل اور ایس) لکھتے ہیں۔ قارئین کی اس پریشانی کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان لفظوں کو رواجِ عام کے مطابق لکھا گیا ہے۔

بوکھلا اٹھنا: ل میں یہ خط موجود نہیں۔ ن اور ت میں یہ لفظ ''بوکلا'' استعمال ہوا ہے۔ آصفیہ اور نور میں ''بوکھلا'' درج ہے، اسی کی مطابقت اختیار کی گئی۔

بہم: بہ ہم :ل، باقی نسخوں میں'' بہم''۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ اب یہ لفظ بالاتفاق ایک ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ یہ درست بات ہے کہ مرکب لفظوں کو امکان کی حد تک علاحدہ صورت میں لکھا جانا چاہیے لیکن بعض الفاظ اس کلیے سے مستثنیٰ کیے جاسکتے ہیں مثلاً بجاے، اسی ذیل میں'' بہم'' بھی آتا ہے۔

بھتا: ل میں یہ لفظ بعض مقامات پر ہاے مختفی کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یہ ایک دستور سا بن گیا تھا کہ بہت سارے ہندی لفظوں میں بھی عربی و فارسی الفاظ کی تقلید میں ہاے مختفی لگا دی جاتی تھی جب کہ اصولاً وہاں الف آنی چاہیے تھی۔ یہی صورت اس لفظ کی بھی ہے۔ ن میں الف کے ساتھ لکھا گیا ہے، اور ل میں بھی ایک جگہ اس لفظ کو اضافت کے ساتھ درست صورت میں لکھا گیا ہے ''بھتاے

دوامی' یہ ترکیب دیسی اور فارسی الفاظ سے مرکب ہے۔

بیکھ: ل میں "بیکھہ" ہے۔ یہ دراصل ایک ہی لفظ کے دو مختلف انداز ہیں۔ اب سے پہلے بہت سارے لفظوں کو ایک زائد ہ کے ساتھ لکھنے کا رواج سا ہو گیا تھا۔ یہ فارسی کا اثر تھا اور اس کے اثرات آج تک باقی ہیں۔ بعض اوقات یہ زائد ہ آخری حرف کی حرکت کو سہارا دینے کا کام بھی کرتی تھی، اور تلفظ میں شامل نہیں کی جاتی تھی۔ "بیکھہ" اسی قبیل کا لفظ ہے۔ اسی رعایت سے ن کے لفظ کو مرجح سمجھا گیا۔

پانسو: پانسو: ل، پان سو: ن،م؛ پانچ سو: ت۔ ت کا متن قابلِ قبول نہیں کہ یہ ایک نیا لفظ بن گیا، اگر چہ مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔ ن اور م میں الگ الگ لکھا گیا ہے۔ فسانۂ مبتلا میں ل کی طرح ہی ایک ساتھ ملا کر لکھا ہوا ہے۔ یہ املا نہیں روشِ کتابت کا مسئلہ ہے۔ آصفیہ اور نور میں بھی ایسے ہی ملا کر لکھا گیا ہے، لہٰذا اسے ہی مرجح سمجھا گیا۔

پاؤں: اس لفظ کا املا نیرنگی کا شکار رہا ہے۔ وہی نیرنگی موعظہ کی مختلف اشاعتوں میں موجود ہے، مثلاً پاؤں: ل،م؛ پاؤں، پانو، پانوں:ن؛ لیکن تعداد کے اعتبار سے "پاؤں" نسبتاً زیادہ استعمال ہوا ہے۔ اسی بنیاد پر اس کو ترجیح کا فائدہ حاصل ہے۔

اس لفظ کے املائی اختلافات کی پوری بحث کو رشید حسن خاں نے اپنی کتاب اردو املا میں جمع کر دیا ہے۔ محض وضاحت کی خاطر یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے چار املا عام طور سے کتابوں میں مل جاتے ہیں: پانو، پاؤں، پانوں، پاؤں۔ "شوق نیموی نے لکھا ہے: "پاؤں" اس کا املا مختلف فیہ ہے۔ دلی والے "پانو" لکھتے ہیں اور ردیفِ واو میں لاتے ہیں اور لکھنؤ والے "پاؤں" لکھتے ہیں اور ردیفِ نون میں داخل کرتے ہیں۔ اور بعضے "پانوں" بھی لکھتے ہیں، یعنی الف کے بعد بھی نون لکھتے ہیں۔" (اردو املا، ص 241)

مثال کے طور پر آتش کی غزل (جس کا مطلع ہے: باہر نہ پائچے سے ہوں اُس سیم تن کے پانو) واو کی ردیف میں ہے۔ مولفِ نور نے بھی یہی بات لکھی ہے. ''حضراتِ لکھنؤ آخر میں نون (پاؤں)، اور حضراتِ دہلی آخر میں واو (پانو) لکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں صاحبِ آصفیہ کے اندازِ نگارش سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں مرجح صورت'' پاؤں'' ہے، انھوں نے لکھا ہے: ''پانو یا پانوں۔ہ۔ اسمِ مذکر۔ دیکھو: پاؤں'' اور اس لفظ کے جملہ مشتقات کو ''پاؤں'' کے ذیل میں نقل کیا ہے۔

مرزا غالبؔ نہ صرف ''پانو'' کو درست مانتے تھے بلکہ ''پاؤں'' کو غلط املا کہتے تھے۔ املاے غالبؔ میں رشید حسن خاں نے لکھا ہے: ''مرزا صاحب نے کئی بار اس کی وضاحت کی ہے کہ صحیح املا ''پانو'' ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ''پاؤں'' غلط املا ہے، اس طرح نہیں لکھنا چاہیے۔

موعظہ کے علاوہ نذیر احمد کے دو ناول فسانۂ مبتلا [مرتبہ صدیق الرحمٰن قدوائی] اور توبۃ النصوح [مرتبہٗ مالک رام] موجود ہیں۔ قدوائی صاحب نے ''تعارف'' کے تحت لکھا ہے: ''... چنانچہ انھوں نے اس کی تصحیح کی اور نظرِ ثانی وترمیم واصلاح کے بعد پہلا صحیح ایڈیشن مطبعِ انصاری، دہلی سے اور پھر دوسرا شمسی پریس، دہلی سے چھپوایا... کتاب میں جابجا حواشی درج ہیں اور خاتمے پر ایک مرثیہ اور پھر فرہنگ ہے، جسے مصنف نے ہی مرتب کیا تھا۔ یہ سب کچھ اس ایڈیشن میں بالکل اسی طرح قائم رکھا گیا ہے۔'' اس توضیح کے بعد یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ اس لفظ کے املا کے سلسلے میں بھی فاضل مرتب نے کوئی ترمیم روا نہیں رکھی ہوگی۔ مزید یہ کہ فسانۂ مبتلا کا یہ نسخہ نذیر احمد کی نظروں سے لازمی طور پر گزرا ہوگا۔ پس فسانۂ مبتلا کی حد تک اس لفظ کے دو املا ''پاؤں'' اور ''پانوں'' ملتے ہیں۔ توبۃ النصوح میں اس لفظ کا املا تقریباً ہر مقام پر ''پانوں'' لکھا گیا ہے اور اسی قبیل کے ایک دوسرے لفظ کو ''گانوں''۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ

دونوں تحریروں میں کسی جگہ بھی "پانو" نظر نہیں آیا، جو غالب کا مرجح املا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اس لفظ کی مختلف املائی شکلوں میں صرف دو ہی کو رواج اور قبولِ عام کا شرف حاصل ہو سکا، یعنی "پانو" اور "پاؤں"۔ بہرحال نذیر احمد کی تحریروں کی روشنی میں اور صاحبِ آصفیہ کی ترجیح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے "پاؤں" کو مرجح سمجھا گیا ہے۔

پتا: بہت سارے دیسی لفظوں کو، فارسی اور عربی الفاظ کے طرز پر، الف کے بجاے ہ سے لکھنے کی غلط روایت چل نکلی تھی۔ اس کے اثرات آج بھی باقی ہیں، اور بہت سارے الفاظ کو آج بھی ہ سے لکھ دیا جاتا ہے۔ عبدالستار صدیقی نے مکاتیبِ غالب مرتبۂ عرشی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: "...جن لفظوں کی اصل فارسی یا عربی نہیں، ان میں مختفی ہ نہیں آسکتی، الف ہونا چاہیے۔" [اردو املا، ص 86]

اس لفظ کی قبیل کے اور بھی الفاظ ہیں جن کو فارسی اور عربی کی تقلید میں الف کے بجاے ہ سے لکھنے کی روش چل نکلی ہے۔ بہر حال مذکورہ بالا اصول پر عمل کرتے ہوئے ایسے تمام لفظوں کو الف سے کر دیا گیا ہے۔ ایک اور بات یہ بھی ہے کہ نذیر احمد کی تحریروں میں بعض مقامات کو چھوڑ کر، ایسے لفظوں کا املا، بیش تر جگہوں پر الف کے ساتھ لکھا گیا ہے، مثلاً مبینا، بھروسا، ٹھکانا وغیرہ۔

پزیر: غالب کی طرح نذیر احمد بھی فارسی میں وجودِ ذال کے قائل نہیں تھے۔ خط نمبر 3 میں لکھتے ہیں: "تم نے صرف ونحو فارسی میں پڑھا کہ فارسی میں ذ نہیں تو گذارش نہیں گزارش چاہیے" اس اصول کے بعد اب نذیر احمد کی تحریروں میں، فارسی الفاظ کی حد تک، ذ نہیں ز ہی لکھا جائے گا، اس لیے اسی رعایت سے "پذیر" کو "پزیر" لکھا گیا ہے۔

پچ کلیان: پچ کلیان: ل۔ یہ خالصتاً ہندی لفظ ہے۔ آصفیہ اور نور میں "پچکلیان" درج کیا گیا ہے۔ عام بول چال میں تو اب یہ لفظ "پچکلیان" ہی بولا اور لکھا جاتا

ہے، لیکن چونکہ ن اور باقی نسخوں میں ''پنچ کلیان'' ہے اور وہ بھی معنوی سطح پر درست لفظ ہے، اس لیے اسے باقی رکھا گیا۔

پندار: یہ لفظ آصفیہ میں موجود نہیں، نور میں اسے مذکر درج کیا گیا ہے۔ ل میں یہ لفظ چھ مقامات پر آیا ہے، پانچ جگہ مذکر اور ایک جگہ مونث۔ باقی نسخوں میں جملہ مقامات پر مذکر استعمال ہوا ہے، اسی کی رعایت سے یہاں بھی مذکر استعمال کیا گیا۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ توبۃ النصوح مرتبۂ مالک رام میں یہ لفظ مونث استعمال ہوا ہے۔ ''چونکہ کلیم اپنی پندار میں یہی سمجھتا تھا۔'' (ص 221) مالک رام صاحب نے اس کی نشان دہی بھی کی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص لفظ، نذیر احمد کی زبان پر دونوں طرح سے چڑھا ہوا تھا، اس کی مثالیں موجود ہیں۔ ایسی صورت میں یہ راستہ اختیار کیا گیا کہ زیرِ نظر نسخے میں چونکہ دونوں صورتیں کمی بیشی کے تناسب کے ساتھ موجود ہیں، کثرتِ استعمال کی رعایت سے کتاب میں ہر مقام پر مذکر استعمال کیا گیا ہے۔

پہنچ: ل میں یہ لفظ اور اس کے جملہ مشتقات واو کے ساتھ لکھے گئے ہیں مثلاً پہونچ، پہونچا، پہونچنا وغیرہ: یہی صورت ب اور م میں بھی موجود ہے۔ ہاں! ت میں یہ لفظ اور ایسے تمام الفاظ جن میں اعراب بالحروف کی صورت موجود تھی، جدید املا کے مطابق یعنی واو کے بغیر اور حرفِ ماقبل پر پیش کے ساتھ، تحریر کیے گئے ہیں۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ن میں اس لفظ کی دو صورتیں ملتی ہیں، ایک صورت تو پہنچ، پہنچا اور پہنچنے (خط 4) کی ہے اور دوسری صورت پونچ، پونچا اور پونچنے کی ہے۔ یہ عجیب صورت خود مولوی نذیر احمد صاحب کی دیگر تحریروں میں نہیں ملی، اور نہ ہی دوسری معاصر تحریروں سے اس املا کی تصدیق ہوسکی۔ آصفیہ میں ''پہنچ'' درج لغت ہے، رشک کے لغت نفس اللغہ میں ''پونچ'' لکھا ہے۔ نور میں ''پہنچ'' لکھ کر یہ وضاحت کی ہے کہ ''اس کا صحیح املا ''پونچ'' ہے، اور ''پہنچانا'' کے ذیل میں لکھا ہے کہ ''صحیح املا پونچانا ہے۔'' ایک ہی قبیل

کے دولفظوں کے دو املا درج کرنا محلِ نظر ہے۔ نور میں بعض دوسرے مقامات پر بھی یہ لفظ موجود ہے، مثلاً ''رزق پونہچا'' مثال میں آتش کا شعر بھی پیش کیا ہے اور اس میں بھی ''پونہچا'' لکھا ہے۔ اس کے علاوہ تشریحات کے دوران متعدد مقامات پر بھی ''پونہچ'' استعمال کیا گیا ہے۔ حیات النذیر جو مولوی صاحب کے ذاتی پریس سے شائع ہوئی ہے، اس میں بھی اس لفظ کا یہ املا [یعنی پونہچ] موجود ہے۔ اتنے سارے مقامات پر اس لفظ کے املا کی دو رنگی بے وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ شاید تلفظ اور لہجے کی رعایت سے املا کی یہ شکل بھی موجود رہی ہو، بہرحال یہ صرف میرا قیاس ہے۔ چونکہ اسی نسخے کے خط نمبر 4 میں یہ لفظ موجودہ درست صورت کے مطابق استعمال ہوا ہے، اور ایک سے زیادہ مقامات پر؛ اس لیے پوری کتاب میں اس لفظ کے اسی املا کو باقی رکھا گیا ہے۔

ایک وضاحت اور: خود ڈپٹی صاحب اعراب بالحروف کے قائل نہ تھے۔ میاں بشیر کے نام ایک خط میں رقم طراز ہیں: ''حرکات بالحروف اردو میں نہیں تو اوس بالواو کیوں اور اوس ہو تو اِس کی جگہ ایس کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اُٹھانا وغیرہ، لیکن ایک غلط دستور واو لکھنے کا رواج پا گیا ہے۔ تم چاہو دستورِ غلط کی تقلید کرو یا پابندِ صحت ہو کر ترکِ واو کا التزام رکھو۔'' مولوی صاحب کی اس وضاحت کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ وہ حرکات بالحروف کے قائل نہ تھے۔ اس لیے اب ان کی تمام تحریروں میں حرکات بالحروف کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اسی اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے، اس قبیل کے لفظوں کو، واو کے بغیر لکھا گیا ہے اور حرفِ ماقبل پر پیش لگایا گیا ہے۔

تیار: یہ لفظ املا کے نقطۂ نظر سے مختلف فیہ رہا ہے۔ آصفیہ میں ''تیار، تیار کرنا'' اور دوسرے مشتقات کو ت سے لکھتے ہوئے یہ بھی لکھا گیا ہے ''...مگر بہتر ہے کہ اِس کا مادّہ طائے مہملہ سے، طیّار بہ معنی اڑنے والا، خیال کیا جائے۔'' غالب

نے ایک خط میں لکھا ہے: "طیّار، صیغہ مبالغے کا ہے، لغت عربی، املا اِس کا طاے حطّی ہے... بازداروں میں اس لفظ نے جنم لیا، حقیقت بدل گئی، طوے، تے بن گئی... بہ ہر حال اب تاے قرشت سے یہ لفظ نیا نکل آیا۔ اس لفظ کو مستحدث اور دراصل اردو، اور با تاے قرشت، بہ معنی آمادہ، اشخاص اور اشیا پر عام تصور کرنا چاہیے اور عبارتِ فارسی میں استعمال اس کا کبھی جائز نہ ہوگا"

[اردو املا: رشید حسن خاں، ص128]

یہ بات معلوم ہے کہ یہ لفظ دونوں طریقے سے رائج رہا ہے، یعنی "تیار، طیار"۔ خود مولوی نذیر احمد کی راے اس سلسلے میں یہ ہے: "میں طیّار اور طوطا کو رذِ بہ راہ سمجھتا ہوں۔ ہندی لفظ ہیں جن کا ماخذ عربی میں نہیں۔ فارسی میں طوطی دوسرا جانور ہے، لیکن اگر کوئی توتا اور تیّار لکھ دے تو غلط نہیں کہا جاسکتا۔" اس قول کی روشنی میں نذیر احمد کی ترجیح بہت واضح ہے، لیکن محض اس سبب سے کہ انھوں نے تیّار کو بھی غلط نہیں مانا ہے، اور اب بالاتفاق یہ لفظ تے سے لکھا جاتا ہے، پوری کتاب میں تے سے ہی لکھا گیا ہے۔

تم ہی، تمھی: اس لفظ کے بارے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس کی دونوں صورتیں لکھی جاتی رہی ہیں۔ "تمھی" بھی دراصل "تم ہی" کی شکل ہے، مگر شاید ایسا ہے کہ اس میں اس کے تلفظ اور طریقۂ ادا کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا لکھا جاتا ہے۔ اس کتاب میں بیش تر مقامات پر یہ ترکیب "تمھی" کی شکل میں لکھی گئی ہے، تلفظ کے اعتبار سے یہی ترکیب زیادہ مناسب ہے اور چونکہ اس کتاب میں یہ شکل لکھی بھی گئی ہے اس لیے اسی کی پیروی میں یہی ترکیب اختیار کی گئی ہے۔

ٹھیرنا: ٹھہرنا: ل؛ ٹھیرنا: باقی نسخوں میں۔ کتابوں میں اس لفظ کے تین املا ملتے ہیں: ٹھیرنا، ٹھہرنا، ٹہرنا۔ غالبؔ کی دستی تحریروں میں صرف "ٹہرنا" کے مشتقات ملتے ہیں۔ مرزا صاحب نے بیتابؔ کے ایک شعر کی اصلاح کے دوران "ٹھیر جا" کو "ٹہر تو جا" بنا دیا تھا۔ باقی دو صورتیں "ٹھیرنا" اور "ٹھہرنا" متقدمین کے یہاں

آسانی سے مل جاتی ہیں۔ مؤلفِ نور نے جس انداز سے اپنے لغت میں اس کو تحریر کیا ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ ''ٹھہر'' کو مرجح سمجھتے تھے۔ ہاں! آصفیہ میں اس کو صرف ی کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ مولانا حالی کا مشہور مصرع ہے: اب ٹھیرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں [دیوانِ حالی، اشاعتِ اول، ص 109] معلوم ہوا کہ ایک زمانے میں اس کے دونوں املا رائج رہے ہیں۔ چونکہ ل کے علاوہ باقی نسخوں میں، اور نذیر احمد کی دیگر تحریروں میں ''ٹھیر'' کا لفظ ہی بیش تر مقامات پر استعمال ہوا ہے، اسی لفظ کو ترجیح دی گئی۔

جرأت: فسانۂ مبتلا اور ب میں ''جراءۃ'' ہے، لیکن کسی لغت میں یہ املا مل نہیں سکا۔ ''عربی قاعدے کے مطابق صحیح املا ''جرأت'' ہے۔ ایسے متعدد لفظ ہیں جن میں الف (یا واو) پر عربی کے لحاظ سے ایک ہمزہ لکھا جانا چاہیے۔ اردو میں اکثر ایسے لفظ تو ہمزہ کے بغیر لکھے جانے لگے، جیسے: تاثر، متاثر، تامل، توام (وغیرہ) لیکن ''جرأت'' عربی املا کے مطابق عموماً مع ہمزہ لکھا جاتا رہا ہے۔ قدیم تحریروں میں اکثر یہی املا ملتا ہے۔'' [فسانۂ عجائب، مرتبہ رشید حسن خاں، ص466] ب کے علاوہ باقی نسخوں میں یہ لفظ اپنی مروّج اور درست صورت میں لکھا گیا ہے، اس کو باقی رکھا گیا۔

جھجک: آصفیہ میں ''جھجھک'' ہے۔ نور میں ''جھجھک، جھجک'' دونوں ہیں۔ ن کے علاوہ باقی نسخوں میں ''جھجک'' ہے۔ ل کی مطابقت اختیار کی گئی۔ اب رائج املا یہی ہے۔

جنچے: نور میں ایک لفظ دیا ہے ''جچا تُلا'' جس کے معنی ''ٹھیک، درست، آزمایا جانا اور امتحان ہونا'' کے درج کیے گئے ہیں۔ ''یہ جانچنا کا لازم ہے، اصل میں نون ہے لیکن بول چال میں نون حذف کر کے بولتے ہیں۔'' چوں کہ ن، ب اور م میں یہ لفظ بہ شمولِ نون لکھا گیا ہے، اس کی مطابقت اختیار کی گئی۔

چپراسی: چپڑاسی: ل؛ چپراسی: باقی نسخوں میں۔ ''ڑ'' کے ساتھ یہ لفظ کسی لغت میں نہیں

ملا، اس لیے ن کا متن اختیار کیا گیا۔ آصفیہ میں اس لفظ کی اصل کے بارے میں تھوڑی وضاحت بھی موجود ہے: ''چپراسی: وہ شخص جس کے چپراس پڑی ہو۔'' اور ''چپراس'' کے ضمن میں لکھا ہے: ''ایک سپاہی ہونے کا تمغہ جو پٹی یا پٹکے میں پیتل کا کھدا ہوا لگایا جاتا ہے۔ (اصل میں چپ وراس تھا یعنی وہ لوگ جو امیروں کے دائیں بائیں چلتے ہیں، اور ان کے گلے میں پٹکا پڑا ہوا ہوتا ہے۔''

حضور: اس لفظ پر لکیر کھینچنے کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ یہ لفظ اس مقام پر اسم معرفہ کی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہے۔

خِلقی: ایک لفظ ہے ''خِلقَت'' بہ معنی پیدائش، اس کی صفت ہے ''خِلقی''۔ ''خِلقَت'' کا لفظ بہ کسرِ اوّل اور بہ فتحِ اوّل (خَلقَت) دونوں طرح سننے میں آیا ہے۔ آصفیہ اور نور میں معنوی امتیاز اس طرح متعین کیا گیا ہے کہ آفرینش اور فطرت وغیرہ کے معنی میں ''خِلقَت'' اور مخلوق کے معنی میں ''خَلقَت'' اس نکتے کو ذہن میں رکھتے ہوئے زیر لگایا گیا ہے۔

خواہ نخواہ: خواہ نخواہ: ل، خواہ مخواہ: باقی نسخوں میں۔ آصفیہ کے اندراج کی روشنی میں ''خواہ مخواہ'' مرجح معلوم ہوتا ہے، اور نور میں صرف ''خواہ نخواہ'' ہی درج لغت کیا گیا ہے۔ نذیر احمد کی دیگر تحریروں میں یہ لفظ دونوں طرح سے لکھا گیا ہے۔ فسانۂ مبتلا میں ''خواہ نخواہ'' آیا ہے۔ یہ بتانا ضروری اور مناسب ہے کہ اُس عہد میں یہ دونوں الفاظ فصیح اور مروّج تھے۔ اب عام طور سے ''خواہ مخواہ'' استعمال میں ہے۔ ل کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔

خوشامد: خوشامد: ل، خوش آمد: ن ''کچھ مرکبات ایسے ہیں جن میں جزوِ آخر کا پہلا حرف ''آ'' تھا مگر کسی نہ کسی وجہ سے ان لفظوں میں سے ایک الف کی آواز غائب ہوچکی ہے، جیسے: برفاب، سیلاب، تیزاب، خوشامد وغیرہ۔'' [اردو املا، ص79] اصلاً یہ مرکب الفاظ ہیں لیکن اب اپنی اصلیت کھو کر مفرد لفظ کے بہ طور استعمال

میں آتے ہیں۔ اسی رعایت سے ''خوشامد'' اختیار کیا گیا۔

خیریّت: آصفیہ میں ''خیریّت'' ہے، اور نور میں '' بالفتح وکسر سوم وتشدید یاے مفتوح... اردو میں بہ تخفیفِ یا فصیح ہے'' لکھا گیا ہے۔ نور میں اعراب نہیں لگایا ہے، لیکن اتنی وضاحت موجود ہے۔ ل اور ن میں '' خیریّت'' بہ تشدید یا لکھا گیا ہے، جب کہ قاعدہ یہ بتایا گیا ہے کہ ی اور ۃ لگا کر صفت کے صیغوں کو مصدر بنالیا جاتا ہے تو قاعدے کی رو سے اگر '' خیر'' میں ی اور ۃ لگاتے ہیں تو لفظ ''خیریَت'' بنتا ہے ''خیریّت'' نہیں۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے بارے میں نذیر احمد کی ترجیح کو واضح کردیا جائے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں: ''کیوں جی! خیریت کیا لفظ ہے؟ ...لیکن در حالے کہ لفظِ خیر خود مصدر ہے تو اس کو ی ۃ لگا کر مصدر بنانے کی کیا ضرورت ہے، چنانچہ خیروعافیت کہتے ہیں، پس آیندہ سے صرف خیر یا خیروعافیت لکھا کرو۔'' اس وضاحت سے یہ بات صاف ہوتی ہے کہ اصولی طور پر نذیر احمد ''خیریت'' کے استعمال کو بہتر خیال نہیں کرتے تھے، لیکن رواجِ عام اور روزمرہ کے آگے کس کا بس چلتا ہے۔ چونکہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور اگرچہ عربی قاعدے کی رو سے اسے ''خیریت'' بہ تخفیفِ یا ہونا چاہیے۔ آصفیہ، ل اور ن کی مطابقت میں تشدید کے ساتھ لکھا گیا۔

دادھیال: دادھیال، نانھیال:ل؛ ددھیال، ننھیال: باقی نسخوں میں۔ آصفیہ میں دونوں موجود نہیں، البتہ ''ننہال'' ہے۔ نور میں ''دادھیال، ددھیال، ددیال'' تینوں درج ہے۔ یہ بھی لکھا ہے: ''لکھنؤ میں ددھیال ہی بولتے ہیں'' مزید ''لکھنؤ میں ننھیال ہے اور مونث مستعمل ہے۔'' نور کی اس وضاحت سے ایک قرینہ یہ نکلتا ہے کہ غالبًا دہلی میں یہ لفظ ''دادھیال اور نانھیال'' بولے جاتے ہوں گے۔ بہ صورتِ دیگر نور میں اس کی توضیح کیوں کی جاتی؟ محض اسی دلیل کی بنیاد پر ل کے املا کو اختیار کیا گیا۔

ڈبدھے: دبدے:ل، دبدھے:باقی نسخوں میں۔ صحیح لفظ ''دبدھے'' ہے، آصفیہ اور نور میں بھی یہی ہے۔ اسی کو شامل کیا گیا۔

دشمنو! یہ لفظ ل کو چھوڑ باقی اشاعتوں میں ''دشمنوں!'' لکھا گیا ہے، ل میں یہ حصہ شامل نہیں ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب کسی جمع لفظ پر خطابیہ نشان لگایا جاتا ہے تو نون غنہ حذف ہوجاتا ہے، اور اس کی جگہ خطابیہ نشان (!) لگادیا جاتا ہے۔ قاعدے کی پابندی کی گئی ہے۔

دنائت: رشید حسن خاں نے لکھا ہے: ''قراء ت، دناء ت، براء ت؛ یہ ایک ہی انداز کے لفظ ہیں۔ ان میں ایک لفظ ذرا مختلف انداز سے لکھا جاتا ہے، یعنی: دنائت، جب کہ عربی میں یہ بھی ''دناء ۃ'' ہے اور باقی دو لفظ ''قراء ت'' اور ''براء ت'' لکھے جاتے ہیں۔ مناسب یہ ہوگا کہ ان سب کو ایک ہی طرح لکھا جائے۔'' [اردو املا: ص 61-360]
یہ بات معلوم ہے کہ عربی لفظ ''دناء ۃ'' کو جب اردو میں منتقل کیا جائے گا تو چونکہ اردو میں گول ۃ رواج پذیر نہیں ہے، اس لیے اسے لمبی ت سے بدل دیا جائے گا، اب اس کی صورت ''دناء ت'' ہوئی۔ میرے خیال میں ''دناء ت'' اور ''دنائت'' کو دونوں طرح لکھا جاسکتا ہے، کیوں کہ دونوں ہی صورتوں میں اس لفظ کے املا میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور نہ ہی تلفظ میں۔ اسی رعایت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ''دنائت'' کو اصل متن میں شامل کیا ہے۔

روپیہ: اس لفظ کو قائم صورت میں بالاتفاق ''روپیہ'' لکھا جاتا ہے۔ محرف اور جمع کی حالت میں ''روپے''، ''روپۓ'' اور ''رُپۓ''۔ نذیر احمد کی تحریروں میں بھی یہی نیرنگی نظر آتی ہے، مثلاً روپیہ، روپۓ:ن، روپیہ، روپے:ل، روپے، روپے: فسانۂ مبتلا وغیرہ؛ املا کے علاوہ نذیر احمد کا اسلوب بھی اس لفظ سے جُڑا ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ روایت اور اصول سے قطع نظر، عام طور سے نذیر احمد اس لفظ کو اور اس قبیل کے دوسرے الفاظ کو واحد کی حالت میں استعمال کرتے ہیں،

حالانکہ وہ مقام حالتِ جمع یا محرف کا ہوتا ہے، مثلاً ''سب چیزیں روپیہ سے حاصل ہوتی ہیں۔'' (مرآۃ العروس، ص15) ''گھر کے گھر میں چہرہ پر قلعی نہیں کرالیتی۔'' (بنات النعش، ص15) یہ نذیر احمد کا خاص انداز ہے۔ اس لیے ایسی صورت میں واحد اور قائم حالت میں ''روپیہ'' لکھا گیا ہے، اور حالتِ جمع یا حالتِ محرف میں ''روپے'' کو ترجیح دی گئی ہے؛ اس التزام کے ساتھ کہ اگر انھوں نے حالتِ محرف وجمع میں ''روپیہ'' لکھا ہے تو اسے اُن کا اسلوب مانتے ہوئے ''روپیہ'' کو باقی رکھا گیا ہے۔

سراہنے: آصفیہ اور نور میں یہ لفظ ''تعریف وتحسین'' کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، اور یہاں جس معنی میں یہ لفظ وارد ہوا ہے، اس کی تفصیل دونوں لغات میں موجودنہیں۔ ہاں! آصفیہ میں ایک دوسرا لفظ ہے: ''سرہانا'' اور یہ معنی مطلوب کی نمائندگی کررہا ہے، نور میں ''سرھانا'' ہے۔ ل میں یہ عبارت شامل نہیں، اور باقی تمام نسخوں میں اس لفظ کا املا ''سراہنے'' لکھا گیا ہے۔ گمان گزرتا ہے کہ شاید روزمرہ کی گفتگو میں یہ لفظ ایسے ہی بولا جاتا ہو، اور ادائیگی کی رعایت سے اسے ایسے ہی لکھ دیا گیا ہو؛ میں اس کے املا کو بدلنے کی جرأت نہ کرسکا، کیوں کہ چار چار نسخوں میں کوئی لفظ غلط لکھ دیا گیا ہوگا، اس کا یقین نہیں ہوتا۔

سفارش: ن میں اس لفظ پر اعراب موجود ہے، یعنی ''سُفارِش'' باقی نسخے اعراب سے خالی ہیں۔ ''آصفیہ اور نور میں ''سِفارِش'' ہے، البتہ فیلن کے لغت میں ''سُفارِش'' اور ''سِفارِش'' دونوں طرح مندرج ہے'' [حاشیہ، باغ وبہار، مرتبہ رشید حسن خاں، ص521]

آصفیہ میں اسے ''سُپاردن کا حاصل مصدر'' بتایا گیا ہے۔ س پر پیش ہونے کی وجہ سے اس کا حاصل مصدر ''سُپارش'' بھی ہوسکتا ہے۔ یہ بات اس لیے کہی گئی کہ ''سپاردن'' کی حرکات کے سلسلے میں اچھا خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ''سُپارش'' اور ''سُفارش'' میں کچھ فرق نہیں، بس پ اور ف کا ابدال ہے۔ زیر

نظر مقام پر میں نے مناسب یہی خیال کیا کہ ل کی پیروی میں اس لفظ کو بغیر
کسی حرکت کے تحریر کیا جائے، اور تلفظ واملا کے تحت وضاحت کر دی جائے۔
مزید ایک بات یہ کہ اب بالاتفاق "سِفارش" استعمال کیا جاتا ہے، "سُفارش" کا
چلن اٹھ چکا ہے۔

سکالرشپ: اس لفظ کے بارے میں دو وضاحتیں ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو تلفظ اور
املا کے نقطۂ نظر سے، اور دوسری تذکیر وتانیث کے اعتبار سے۔

انگریزی کے بعض لفظوں کو جب اردو میں لکھا جاتا ہے تو تلفظ کی رعایت سے
ان کے شروع میں الف لگا دیا جاتا ہے، جیسے: اسٹڈی، اسکول، اسکالرشپ
وغیرہ۔ رشید حسن خاں نے لکھا ہے: "...یا جیسے schoolاور station کو اردو
میں "اسکول" اور "اسٹیشن" لکھا اور بولا جاتا ہے، اور یہ اردو کے انداز اور لہجے
کے عین مطابق ہے؛ اب یہ فرمائش کہ اِن کو اصل کے مطابق "سکول" اور
"سٹیشن" لکھا جائے اور بولا بھی اسی طرح جائے، اور اس کے لیے ایک خاص
علامت وضع کرنا، محض بے ضرورت بات ہے۔ بے ضرورت ہی نہیں، غلط
بھی۔" (اردو املا، ص533)

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک زمانے میں یہ الفاظ بغیر الف بھی لکھے
جاتے تھے۔ پاکستان میں تو فی زمانہ بھی اس قبیل کے لفظوں کو الف کے بغیر
لکھنے کا چلن عام ہے، مثلاً کشاف تنقیدی اصطلاحات [شائع کردۂ مقتدرہ قومی
زبان، اسلام آباد] میں "سکیچ" اور "سٹیج" لکھا گیا ہے۔ صاحب آصفیہ نے
اس کو دونوں طرح سے درج کیا ہے، یعنی "سکالرشپ" اور "اسکالرشپ" گویا
ان کے ہاں دونوں صورتیں درست ہیں۔ دیوانِ حالی [اشاعتِ اول، 1893]
میں "سپیچیں" اور "سکول" لکھا گیا ہے۔ موعظہ کے تمام ایڈیشنوں میں
"سکالرشپ" ہی لکھا ہے۔ مزید مولفِ حیات النذیر نے ص 340 پر مولانا کی
ایک عبارت نقل کی ہے: "...اس کے علاوہ انگریزی ہمارے مخارج پر ثقیل ہے،

اس میں کثرت سے ٹے اور ڈال اور ابتدا بسکون ہے۔'' اس سے بھی ایک خفیف اشارہ ملتا ہے انگریزی کے لفظوں کو الف کے بغیر لکھنے کا۔ چوں کہ موعظہ میں اس قبیل کے تمام الفاظ الف کے بغیر لکھے گئے ہیں، اس لیے اُن کو ہر جگہ اسی اصلی صورت میں درج کیا گیا ہے۔

دوسرا مسئلہ اس لفظ کی تذکیر وتانیث سے متعلق ہے۔ صاحبِ آصفیہ نے اسے مونث لکھا ہے۔ موعظہ کے مختلف نسخوں میں مختلف صورتیں موجود ہیں، مثلاً ل اور م میں مذکر، اور ن، ب اور ت میں مونث۔ ن کے متن کو ترجیح دی گئی ہے، کیوں کہ جو نسخہ بشیرالدین احمد کی نگرانی میں شائع ہوا تھا، اس میں بھی یہ لفظ مونث ہی استعمال کیا گیا ہے۔

سمت: آصفیہ میں کوئی حرکت نہیں، نور میں ''سَمت'' ہے، لیکن یہ بھی لکھا ہے: ''اردو میں بالکسر ہی زبانوں پر ہے۔ مناسب یہ خیال کیا گیا کہ اس کو کسی حرکت کا پابند نہ بنایا جائے۔ گویا اس لفظ کو ''سِمت اور سَمت'' دونوں طرح سے پڑھا جاسکتا ہے۔

طرز: آصفیہ میں ''اسمِ مذکر ومونث'' دونوں لکھا ہے، اور داغ کا شعر مثال میں پیش کیا ہے:

نہیں ملتا کسی مضموں میں ہمارا مضموں
طرز اپنا ہے جدا، سب سے جدا کہتے ہیں

نور میں یوں موجود ہے: ''تذکیر وتانیث مختلف فیہ، ترجیح مذکر کو ہے۔ بہ طور مثال داغ کا مذکورہ بالا شعر درج کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ یہ لفظ تذکیر وتانیث کے نقطۂ نظر سے مختلف فیہ ہے۔ میر حسن کا مشہور شعر ہے:

نئی طرز ہے، اور نئی ہے زباں
نہیں مثنوی، ہے یہ سحرالبیاں

مولوی نذیر احمد نے بھی اس لفظ کو دونوں طرح سے استعمال کیا ہے۔ توبۃ

النصوح [مرتبہٗ مالک رام] میں ایک جملہ ہے: ''میں ایک بال کے برابر اپنی طرزِ زندگی کونہیں بدل سکتا۔'' فسانۂ مبتلا میں ہے: ''اس کی طرزِ عادات سے اتنا جان لیا۔'' لیکن اس کے علاوہ مرآۃ العروس اور بنات النعش میں اس لفظ کو بالترتیب مذکر استعمال کیا گیا ہے۔''اصغری کے اس طرزِ ملاقات...'' ''تو حسن آرا کا طرزِ مدارات دیکھ کر کھٹک چلی تھیں'' ان دو مثالوں کے علاوہ خود موعظہ میں بھی اس لفظ کی دونوں صورتیں مستعمل ہوئی ہیں، مثلاً مونث کی مثال میں یہ جملہ: ''ان کی طرزِ ماندوبود ہماری طرزِ ماندوبود سے اس قدر مختلف ہے کہ...''، اور مذکر کی مثال میں یہ جملہ: ''...جس کا طرزِ ادا تم کو سنداً یاد نہ ہو، اور گرامر''۔اس لیے اس لفظ کی تذکیروتانیث کی دونوں صورتوں کو باقی رکھا گیا ہے۔

طنبورچی: یہ لفظ دونوں طرح سے لکھا جاتا ہے اور دونوں ہی صورتیں درست سمجھنا چاہیے، یعنی طنبورچی اور تنبورچی۔ آصفیہ اور نور میں 'طنبور' کو 'تنبور' کا معرّب بتایا گیا ہے اور 'تنبورچی' کو ت کے تحت درجِ لغت کیا گیا ہے مگر چوں کہ 'تنبور' کو معرّب کرتے ہوئے 'طنبور' کو بھی لغت میں درج کیا گیا ہے اور اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے جس معنی میں 'تنبور' کا استعمال ہوا ہے اس لیے اس لفظ کو درست تسلیم کرتے ہوئے 'طنبورچی' کو باقی رکھا گیا ہے۔

عمرو: اس نام کے بارے میں تھوڑی سی وضاحت نامناسب نہیں ہوگی۔ صاحبِ آصفیہ نے لکھا ہے: ''عَمر و، ایک فرضی نام ہے، جیسے زید، بکر، خالد ولید وغیرہ۔ چوں کہ حضرتِ عُمرؓ کے نام اور اس نام میں بہ حالتِ تحریر فرق وامتیاز نہیں رہتا تھا اور عُمر بالضم کو عَمر بالفتح پڑھ دینا سوءِ ادبی میں داخل تھا۔ لہٰذا ایک زائد واو کے ساتھ اس نام کے لکھنے کی رسم ڈالی گئی۔''

''یہ لفظ اصلاً بہ سکونِ میم ہے۔ فارسی میں اس کو اسی طرح استعمال کیا گیا ہے، مگر اردو میں بہ فتح میم بھی استعمال کیا گیا ہے، مثلاً: غمِ گیتی سے مرا سینہ، عمرو

کی زنبیل (غالبؔ)

قلم: مولفِ نورؔ نے لکھا ہے: "اب بالاتفاق مذکر ہے، پیشتر مونث بھی کہتے تھے۔" مثال میں ظفرؔ کا شعر نقل کیا ہے:

عجب احوال ہے میرا کہ جب خط اُس کو لکھتا ہوں
تو دل کچھ اور کہتا ہے قلم کچھ اور کہتی ہے

صاحبِ آصفیہؔ نے مونث لکھا ہے مگر مثالیں مذکر اور مونث دونوں کی پیش کی ہیں۔ میر حسنؔ نے مذکر استعمال کیا ہے، ان کا مشہور شعر ہے:

کروں پہلے توحیدِ یزداں رقم
جھکا جس کے سجدے کو اوّل قلم

صحیح بات یہ ہے کہ یہ لفظ مذکر اور مونث دونوں طرح سے استعمال میں رہا ہے۔ موعظہؔ کے نسخۂ لؔ میں صرف ایک مقام پر یہ لفظ آیا ہے "تمھاری قلم سے نکلے" باقی اشاعتوں میں یہ عبارت محذوف ہے۔ یہاں لؔ کے متن کو جوں کا توں باقی رکھا گیا۔

کلانوت: آصفیہ میں "کلانوت" لکھ کر صحیح (کلا وَنت) لکھا گیا ہے، مزید لکھا ہے کہ "چوں کہ سنسکرت میں کلو بمعنی راگ اور وَنت بمعنی والا آتا ہے، اس وجہ سے کلاونت گانے بجانے والا ہوا۔" نور میں ہے: "کلانوت، کلاونت، اول لفظ میں نون غنہ ہے، سنسکرت میں کلاوَت ہے۔" کلاوت (ل) دونوں لغات میں موجود نہیں، اس لیے "کلانوت" کو ترجیح دی گئی۔

کمپوزشن: لؔ میں "کمپوزیشن" اور نؔ میں "کمپوزشن" لکھا گیا ہے۔ مروجہ تلفظ کے لحاظ سے نؔ کے املا کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہ طریقہ صرف اِسی لفظ میں اختیار نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس قبیل کے ایسے تمام الفاظ کو اسی طرح سے لکھا گیا ہے، مثلاً سوسائٹی، اڈیشن، کلاسکل وغیرہ۔

گٹھری: گٹھری: ل، ب، م؛ گٹھڑی: ن، ت۔ آصفیہؔ میں یہ لفظ اور اس کے جملہ

مشتقات ''ڑ'' سے لکھے گئے ہیں، نور میں اس کے برعکس ہے، یعنی ''گٹھری''۔ لغات کی اس وضاحت سے دہلی اور لکھنؤ کا لسانی امتیاز بھی سامنے آتا ہے، حالانکہ مولفین نے اس کی جانب کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔ میرے ذہن میں ایک اور بات بھی گردش کررہی ہے کہ نسخۂ ل لکھنؤ سے شائع ہوا تھا، اور مولوی نذیراحمد کا قیام، بہ سلسلۂ ملازمت، اعظم گڑھ اور گورکھ پور کے اضلاع میں کچھ دنوں تک رہا تھا۔ امکان ہے کہ یہ لفظ ان کی زبان پر ایسے ہی [گٹھری] چڑھ گیا ہو، اور بشیرالدین احمد نے بھی اس پر صاد کیا ہو۔ نذیراحمد کی دیگر تحریروں میں اب تک یہ لفظ تلاش کرنے میں میں کامیاب نہیں ہو سکا ہوں۔ ان اسباب کی بنا پر ل کے متن کو اختیار کیا جاتا ہے۔

گڈھ: گڈھ:ل،م؛ گڑھ:ن، ت: گڈھ، گڑھ:ب۔ آصفیہ میں ''گڈھ یا گڑھ'' لکھ کر مشتقات کو ''گڑھ'' کے تحت درج کیا گیا ہے۔ نور میں لکھا ہے: ''گڈھ۔ گڑھ، املا ڈال سے ہے اور تلفظ رائے ہندی سے'' اکثر قدیم تحریروں میں ''گڈھ'' کا لفظ ملتا ہے۔ مولانا حالی کا دیوان جو پہلی بار 1893 میں مطبعِ انصاری دہلی سے شائع ہوا تھا، اس میں صرف ''گڈھ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ دلیل ہے اس لفظ کے رواج عام میں ہونے کی۔ مولفِ نور نے مزید اس کی صراحت کردی ہے۔ حیات النذیر میں عام طور سے تو ''گڑھ'' لکھا گیا ہے لیکن جہاں کہیں نذیر احمد کے اقتباس کو پیش کیا گیا ہے وہاں ''گڈھ'' لکھا گیا ہے۔ یہ بھی ایک دلیل ہے کہ نذیر احمد اس لفظ کو کیسے لکھتے تھے۔ اسی دلیل کی بنیاد پر ل کے متن کو باقی رکھا گیا۔

گفتگو: گفتگو:ل، گفت وگو:ن۔ مولوی نذیر احمد نے صرفِ صغیر میں لکھا ہے: ''...اور کبھی ماضی وامر مل کر صیغہ حاصل مصدر ہوتے ہیں، مثلاً جستجو، گفتگو'' اسی اصول کی مطابقت میں ل کے متن کو مرجح سمجھا گیا۔

گلہ: دونوں نسخوں میں غالب کے شعر میں '' گلہ'' کا لفظ ہائے مختفی کے ساتھ استعمال

کیا گیا ہے، اس کی صحیح صورت بھی یہی ہونی چاہیے۔ دیوانِ غالب، شائع کردۂ غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی میں ''گلا'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ محض احتیاطاً یہ وضاحت مناسب معلوم ہوئی کہ وہاں پر اس لفظ کو الف کے ساتھ اس لیے لکھا گیا کہ قافیے کا تقاضا تھا، اس غزل کے باقی قافیے ہیں: دوا، کیا، سنا، خطا، روا وغیرہ؛ اور چونکہ یہاں پر انفرادی طور سے اس شعر کا ذکر کیا گیا ہے، یہ لفظ اپنی درست حالت میں یعنی ہائے مختفی کے ساتھ ''گلہ'' لکھا گیا۔

گوآ: جملہ اشاعتوں میں ''گوآ پوڈر'' الفِ ممدودہ کے ساتھ لکھا گیا ہے، اور اُس حاشیے میں بھی جو مولوی عبدالغفور شہبازؔ نے نؔ میں شامل کیے ہیں۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ ایک جنس کا نام ہے جو بہ طورِ اسمِ معرفہ استعمال ہوا ہے۔ اس غرض سے میں نے اس کو من وعن نقل کرنا مناسب خیال کیا، حالانکہ اس لفظ کا رائج املا ''گوا'' ہے۔

گورنمنٹ: لؔ میں 'گورمنٹ' لکھا گیا ہے۔ غالبؔ بھی اپنی تحریروں میں 'گورمنٹ' ہی لکھتے تھے۔ لیکن نؔ اور بعد کی اشاعتوں میں موجودہ روشِ کتابت کے مطابق 'گورنمنٹ' لکھا گیا ہے۔ جو نسخہ بشیرالدین احمد نے اپنی نگرانی میں شائع کرایا تھا، اس میں بھی 'گورنمنٹ' ہی لکھا ہوا ہے۔ آصفیہؔ میں 'گورنمنٹ' درجِ لغت ہے اور مزید کوئی وضاحت نہیں، لیکن نورؔ میں 'گورمنٹ' کو درجِ لغت کرتے ہوئے ''انگ میں۔ لکھا گورنمنٹ جاتا ہے لیکن تلفظ میں نون نہیں آتا'' کے ساتھ اس لفظ کے تلفظ کی تھوڑی سی وضاحت کردی گئی ہے۔ بہ ہرحال ن اور باقی نسخوں کی بنیاد پر سارے متن میں اس لفظ کو موجودہ روشِ کتابت کے مطابق لکھا گیا۔

گھنٹہ، گھنٹا: آصفیہؔ اور نورؔ میں یہ لفظ دونوں طرح سے لکھا گیا ہے۔ نذیر احمد کی مختلف کتابوں میں بھی یہی دورنگی نظر آتی ہے۔ اس فہرست میں موعظہؔ کے مختلف ایڈیشن بھی شامل ہیں۔ گویا یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ یہ دونوں طرح سے رائج ہے

اور فصیح بھی۔ حالاں کہ ایسے لفظوں کو، جو ہندی الاصل ہیں، الف سے لکھنے کی سفارش کی گئی ہے، مگر رواجِ عام کی طاقت کے آگے سب بے بس نظر آتے ہیں۔ بہرحال اس لفظ کی تعیین کے لیے میں نے ل، ن اور باقی نسخوں میں بھی اس کی لکھاوٹ کو شمار کیا تو ایک دل چسپ چیز سامنے آئی۔ یہ معلوم ہے کہ یہ لفظ دو مختلف معنوں میں استعمال میں آتا ہے، اوّل: وقت کے معنی میں، مثلاً منٹ، گھنٹہ؛ اور دوم: اس آلے کے معنی میں جو وقت کی تعیین کے لیے بجایا جاتا ہے، مثلاً گھنٹا گھر، گھڑی گھنٹا وغیرہ۔

میرے شمار کے مطابق ل میں وقت کے معنی میں یہ لفظ (گھنٹہ) نو مقامات پر آیا ہے، اور ''گھنٹا'' ایک جگہ وقت کے معنی میں اور چار مقامات پر آلہ کے معنی میں۔ ن میں سات مقامات پر ''گھنٹہ'' وقت کے معنی میں، تین مقامات پر ''گھنٹا'' وقت کے معنی میں اور چار مقامات پر آلہ کے معنی میں آیا ہے۔ اس پریشان کن صورت میں مَیں نے اس لفظ کے دونوں املا کو باقی رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس قید کے ساتھ کہ جہاں کہیں یہ وقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، وہاں ہائے مختفی سے، اور جہاں آلے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اس کو الف سے لکھا گیا ہے۔

غفنٹ: لفنٹ: ل، ب، م؛ لفنٹ: ت؛ ن میں دونوں۔ نذیر احمد کی دیگر تحریروں میں اس لفظ کی دونوں شکلیں [لفنٹ، لفنٹ] کی بیشی کے تناسب کے ساتھ مل جاتی ہیں، ''لفنٹ'' زیادہ اور ''لفنٹ'' کم۔ غالب کی دستی تحریروں میں ''لفنٹ'' ہی ملتا ہے۔ مولانا حالی کا دیوان، جو پہلی بار 1893 میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوا تھا، اس میں بھی ''لفنٹ'' ہی لکھا ہوا ہے۔ اس سے بھی ترجیح کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر پوری کتاب میں ''لفنٹ'' کردیا گیا ہے۔

ماجرا: ماجریٰ: ل، ن، ب؛ ماجرا: م، ت۔ آصفیہ اور نور میں ''ماجرا'' آیا ہے۔ یہ لفظ

عربی الاصل ہے، نور میں وضاحت موجود ہے: ''ما موصولہ جر ے صیغۂ ماضی'' اس قاعدے کی رو سے ''ماجریٰ'' ہوگا، لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ عربی صورت میں یہ لفظ خال خال ہی استعمال ہوا ہے۔ لغات تک اس کی وضاحت سے خالی ہیں۔ چونکہ م اور ت میں ''ماجرا'' آیا ہے اور لغات بھی اس کی تائید کرتے ہیں، اس لفظ کو مرجح سمجھا گیا۔

ماں: یہ لفظ ایک زمانے تک دونوں طرح سے لکھا جاتا رہا ہے، یعنی ''ما'' اور ''ماں''۔ میر امن نے گنج خوبی کے مخطوطے میں ہر جگہ ''ما'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ آصفیہ میں ''ما'' کو بغیر نونِ غنہ لکھا گیا ہے اور اس کے سب مشتقات کو بھی نونِ غنہ کے بغیر درج کیا گیا ہے، حالاں کہ ''ماں'' بھی اپنی جگہ موجود ہے'' دیکھو ما بمعنی والدہ، لفاں کا مخفف''اس سے صاحب آصفیہ کی ترجیح واضح ہوجاتی ہے۔ نور میں صرف ''ماں'' کا اندراج ہوا ہے۔ نذیر احمد کی تحریروں میں دونوں صورتیں یکساں طور سے موجود ہیں، مثلاً ما، ماباپ: ل، ماں، ماں باپ، ماباپ:ن، فسانۂ مبتلا مرتبۂ صدیق الرحمٰن قدوائی میں ''ماں باپ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، ہاں! ''لما'' کا لفظ بھی ایک جگہ آیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری کتابوں میں بھی اس لفظ کی دونوں صورتیں کی بیشی کے تناسب کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ رسالۂ رسم الخط میں نذیر احمد نے ایک جملہ، مبتدیوں کی مشق کی خاطر تحریر کیا ہے: ''ماں کا کہن مانو''اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غیر مناسب نہیں ہوگا کہ نذیر احمد کے عہد میں اس لفظ کے دونوں املا مروّج تھے، خود ان کی تحریروں میں بھی یہ دورنگی موجود ہے۔ رسم الخط کے اس جملے کو مثال مانتے ہوئے اور املا کی یکسانیت کو باقی رکھنے کی غرض سے پوری کتاب میں لفظِ ''ماں'' کو ترجیح دی گئی ہے، یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ دونوں صورتیں بجاے خود درست اور مستعمل ہیں۔

مبدء: آصفیہ اور نور میں ''مبداء'' درج ہے۔ نور میں ''مبدءِ فیّاض'' بھی موجود

ہے۔ اس لفظ کے بارے میں رشید حسن خاں نے لکھا ہے: ''...مگر دو لفظ اس سے مستثنا ہیں: ایک مبدء اور دوسرا سوء (جس کے معنی ہیں: برا) ان دونوں میں ہمزہ باقی رہتا ہے اور یہ استثنا ہے۔ اضافت کی صورت میں اسی ہمزہ پر زیر آجائے گا۔'' [اردو املا، ص420] مثال میں انشا کا شعر پیش کیا جاتا ہے:

جواہر سے ملاتا کون یاں اعراض کا جوڑا
یہ ہے باندھا ہوا خود مبدءِ فیّاض کا جوڑا

اگر یہاں ''مبداء'' استعمال کریں گے تو شعر وزن سے خارج ہوجائے گا۔ اس لفظ کے معنی کے بارے میں بھی تھوڑی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ''مبدء'' کے معنی ہیں: سرچشمہ، اور ''فیّاض'' عربی زبان کا لفظ ہے، جوے پُرآب کے معنی میں۔ اس طرح ''مبدءِ فیّاض'' کے معنی ''جوے پُرآب کا سرچشمہ'' ہوا، مجازاً خداے تعالیٰ مراد لیے جاتے ہیں۔

مزہ: اس لفظ کے دونوں املا ''مزہ، مزا'' رائج رہے ہیں۔ ابھی بھی بلا امتیاز دونوں طرح سے لکھا جاتا ہے۔ آصفیہ میں ''مزہ'' کو فارسی اور ''مزا'' کو اردو بتایا گیا ہے۔ نور میں صرف ''مزہ'' ہے۔ ڈاکٹر عبد الستار صدیقی نے لکھا ہے: ''ایسے لفظوں کو جو اردو میں گھل مل گئے ہیں اور ان کی غیریت محسوس نہیں ہوتی، ہ کی جگہ الف سے لکھنا جائز ہے، جیسے ''مزہ'' کی جگہ ''مزا'' [حاشیہ باغ وبہار، مرتبہٗ رشید حسن خاں، ص574]

مختصر یہ کہ اصل لفظ ''مزہ'' ہے اور اس کی ایک صورت تبدیلی کے عمل سے دوچار ہوکر ''مزا'' بن گئی ہے۔ مولوی نذیر احمد کے ہاں ''مزہ'' کی تعداد بہت زیادہ ہے، بہت کم مقامات پر ''مزا'' کا استعمال ہوا ہے۔ ل اور ن میں ''مزہ'' ہے، اسی لیے ''مزہ'' لکھا گیا ہے۔

مضائقہ: ل میں ''مضائقہ'' اور ن میں ''مضایقہ'' لکھا گیا ہے۔ آصفیہ میں ''مضایقہ'' درج ہے، جو عربی قاعدے کی رو سے درست صورت ہے۔ نور میں ''مضائقہ''

ہے، وضاحتاً یہ بات بھی لکھی گئی ہے: ''مضائقہ بفتح چہارم ہے جو یاے تحتانی ہے، زبانوں پر بکسرِ حرفِ چہارم ہے جو ہمزہ کی طرح بولا جاتا ہے۔'' فسانۂ مبتلا میں اس کی دونوں صورتوں کو باقی رکھا گیا ہے۔ زیرِ نظر متن میں ل کی مطابقت اختیار کی گئی اور املا کی یکسانیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پورے متن میں ''مضائقہ'' لکھا گیا ہے۔

نِبَٹ: بٹ:ل، بنٹ:باقی نسخوں میں۔ نور میں ''نِبَٹ جانا'' لکھا ہے۔ ''بنٹ'' کسی لغت میں موجود نہیں۔ غالبًا یہ کاتب کی فروگذاشت ہوسکتی ہے۔ آصفیہ اور نور میں 'نبٹ' درج ہے، نور میں اعراب کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ یہ لفظ جس معنی میں یہاں استعمال کیا گیا ہے۔ ل اور باقی نسخوں کا لفظ اس کو ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اس لیے درج لغت لفظ ''نِبَٹ'' کو ترجیح دی گئی۔ نبٹ جانا: فیصلہ ہوجانا (آصفیہ)

نُہَٹّا: نوہٹا:ن،ب،ت؛ نہٹا:م؛ عبارت کا یہ ٹکڑا ل میں موجود نہیں، یہ بعد کا اضافہ ہے۔ آصفیہ اور نور میں بغیرِ واوِ معروف ہے ''نہٹا'' نور میں تھوڑی صراحت بھی موجود ہے: ''بضمِ اوّل وفتح دوم وتشدید سوم'' م کی مطابقت اختیار کی گئی، یوں کہ آصفیہ اور نور میں بھی ایسے ہی ہے۔

ہتیلی: آصفیہ اور نور میں ''ہتھیلی'' لکھ کر ''دیکھو ہتیلی'' لکھا گیا ہے، اور اس کے جملہ مشتقات کو ''ہتیلی'' کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ نور میں بعض مشتقات کو ''ہتھیلی'' کے ساتھ بھی شامل کیا گیا ہے، لیکن بہرحال اس سے ترجیح کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ چوں کہ سب نسخوں میں ''ہتیلی'' ہاے مخلوط کے بغیر ہے، اس لیے اسے اختیار کیا گیا۔

ہونٹھ: ل اور ن دونوں میں اس لفظ کا یہی املا ''ہونٹھ'' لکھا گیا ہے۔ آصفیہ میں اس لفظ کے تعلق سے لکھا گیا ہے: ''ہونٹھ یا ہونٹ'' لیکن اس کے جملہ مشتقات کو ''ہونٹھ'' کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، جس سے مولف کی ترجیح واضح ہوجاتی

ہے۔ مختلف مشتقات کے تحت شاعروں کے جو اشعار بہ طور مثال پیش کیے گئے ہیں، ان میں دونوں صورتوں (ہونٹ، ہونٹھ) کی ملی جلی مثالیں لکھی گئی ہیں۔ ہاں! ''ہونٹھ'' کی کثرت ہے۔ بیش تر مثالیں دہلوی شعرا کے کلام سے پیش کی گئی ہیں، جن میں آزردہ اور ظفر بہ طور خاص ہیں۔ نور میں لکھا گیا ہے: ''ہونٹ۔ ہونٹھ، بغیر ہ کے اب فصیح سمجھا جاتا ہے۔'' اور اس کے جملہ مشتقات ''ہونٹ'' سے نقل کیے گئے ہیں۔ البتہ ایک محاورے میں ''ہونٹھ'' بھی آیا ہے: ''ہونٹھ ملوں تو دودھ نکل پڑے (دہلی)'' اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ''ہونٹھ'' ایک خاص عہد تک دہلی سے مخصوص رہا ہے۔ میر امّن کی کتاب گنج خوبی کے مخطوطے میں ہر جگہ ''ہونٹھ'' ہی لکھا گیا ہے۔

رشید حسن خاں کے لفظوں میں: ''یہ لفظ معرضِ بحث میں رہا ہے۔ آصفیہ میں شروع میں ''ہونٹ یا ہونٹھ'' لکھا ہوا ہے، مگر اس کے جملہ متعلقات میں یہ لفظ ''ہونٹھ'' لکھا گیا ہے۔ اس سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ مولف کے نزدیک مرجح صورت ''ہونٹھ'' ہے۔

نور میں ''ہونٹ، ہونٹھ'' دونوں کو لکھا گیا ہے۔ مگر یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ''بغیر ہ کے اب فصیح سمجھا جاتا ہے، یہی بات ٹھیک ہے۔ اب اس کا املا ''ہونٹ'' ماننا چاہیے۔'' [اردو املا، ص 336]

بہر حال حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ ہائے مخلوط کے ساتھ ایک زمانے تک رواج میں رہا ہے۔ ناسخ اور قلق اس لفظ کو ہ کی ردیف میں لے آئے ہیں، اور یہ بڑا ثبوت ہے اس لفظ کے چلن میں ہونے کا۔ جہاں تک نذیر احمد کی تحریروں کا احوال ہے تو توبۃ النصوح میں ''ہونٹھ''، فسانۂ مبتلا میں ''ہونٹ'' وارد ہوا ہے: ''اونچی اور ستی ہوئی ناک، پتلے ہونٹ، چھوٹا سا دہانہ'' (ص 14) چوں کہ ل اور ن میں اس لفظ کا یہی املا یعنی ''ہونٹھ'' لکھا گیا ہے، اسی رعایت سے اس کو ترجیح دی گئی ہے۔

اختلافِ نُسَخ

خط نمبر	صفحہ نمبر	
1	13	''نورچشما! مَدَّ عُمَرُہٗ... الْمُفِیْدَۃِ.'' عبارت کا یہ ٹکڑا لؔ میں موجود نہیں ہے نؔ اور دیگر اشاعتوں میں ہے، نؔ کے متن کو شامل کیا گیا ہے۔
1	14	'بکسر میں کہار، پالکی اور پنچھی رائے کے مکان پر دونوں گھوڑے، اور حاجی ہدایت اللہ کا ہاتھی، اور پہنان میں دوسرا ہاتھی؛ غرض ہر طرح کی پوری ڈاک موجود تھی۔' عبارت کا یہ پورا ٹکڑا ان میں موجود نہیں، جب کہ ل میں لکھا ہوا ہے۔ اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ کتابت کے دوران چھوٹ گیا ہو یا مرتب نے کسی مصلحت کے تحت اس کو شامل نہ کیا ہو، موجودہ حالات کی روشنی میں اس ٹکڑے کو متروک کرنے کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی، اور یوں بھی یہ حصہ عبارت کے سیاق سے متعلق ہے اس لیے اس کو شاملِ متن کیا گیا ہے۔

1	14	جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ تم وہیں رہ گئے: ن
1	15	شاید: ل؛ دیوان: باقی نسخوں میں؛ اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ وجہِ ترجیح کو واضح کر دیا جائے۔ اگر مکمل جملے کی عبارت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ترجیح کی وجہ مزید واضح ہو جائے گی۔ لؔ میں عبارت کا ٹکڑا یوں ہے: ''مجھ کو شاید متنبی، سبعۂ معلقہ، تاریخ یمینی اور مقاماتِ حریری کے متعدد مقامے اور دیوانِ حماسہ کے اکثر مقامات اور قرآن کی بہت سورتیں یاد تھیں۔'' عبارتِ مذکور میں متنبی کے علاوہ باقی تمام اسماے معرفہ کتابوں کے نام ہیں، صرف متنبی کا لفظ ایک شاعر کے طور پر استعمال میں آیا ہے۔ اس لیے سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ باقی دیگر کتابوں کے ساتھ ساتھ یہاں ''شاید متنبی'' کے بجاے ''دیوانِ متنبی'' کا لفظ زیادہ مناسب ہوگا؛ ایسا کرنے سے تمام اسماے معرفہ میں یکسانیت پیدا ہو سکے گی۔ اس دلیل کی بنا پر اصل متن میں ''دیوان'' کے لفظ کو شامل کیا گیا ہے۔
1	15	لؔ میں یہ جملہ یوں ہے: ''تاریخ یمینی اور مقاماتِ حریری کے متعدد مقامے اور دیوانِ حماسہ کے اکثر مقامات''۔ عبارت کے سیاق سے اور جملے کی ترتیب پر غور کرنے سے یہ بات زیادہ مناسب معلوم ہوئی کہ نؔ کے متن ''تاریخ یمینی کے اکثر حصے'' کو ترجیح دیتے ہوئے اسے شاملِ متن کیا جائے اور لؔ کی عبارت کو اختلافِ نسخ کے ذیل میں رکھا جائے۔ مزید یہ کہ اسی جملے میں ل میں ''اکثر'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور نؔ میں ''بیش تر'' یہاں پر لؔ کے متن کو باقی رکھا گیا ہے۔ چوں کہ معنویت کی سطح پر اس سے کچھ خاص فرق نہیں پڑتا، بجاے خود دونوں الفاظ بامعنی اور ہم معنی ہیں، اس لیے لؔ کے متن کو مرجح سمجھا گیا۔

1　15　تو ممتحن دوسرے علوم کی خامی سے بھی درگزر کر جاتے ہیں:ن؛ ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ڈپٹی نذیر احمد نے یہ خطوط برجستہ لکھے تھے، مولوی بشیر الدین احمد نے خاتمۃ الطبع میں لکھا ہے ''... بالکل پرائیوٹ نیچر کے تھے اور اسی وجہ سے قلم برداشتہ لکھے گئے تھے۔'' اس لیے یہ بات لازمی سی ہے کہ اس میں جملوں کی ترتیب اور ساخت کا وہ انداز نہیں پیدا ہوسکتا جو سنجیدہ تحریروں کا خاصہ ہوا کرتا ہے۔ دیکھا جائے تو بے ساختگی اور برجستگی کا یہی اسلوب خطوط کی جان ہوا کرتا ہے۔ ل کے متن میں سوائے اس کے کہ معمولی سا خم ہے کوئی اور سقم نظر نہیں آتا اور معنویت کے لحاظ سے یہ جملہ اپنے مفہوم کو بہ خوبی ادا کررہا ہے، اس لیے اسی متن کو ترجیح دی گئی ہے۔

1　15　پچھلے سال:ن

1　16　جھجک:ن

1　16　رفع:ل؛ دور:ن

1　16　جیسے ہوں ہرگز اُن سے:ل؛ جو ہوں ان سے:ن

1　16　پچ:ل، پیچ:ن۔ ن کے متن کو اختیار کیا گیا۔

1　17　گفتگو اور اس کا...:ن

1　17　ناچار:ل، چاروناچار:ن؛ معنوی اعتبار سے دونوں الفاظ درست ہیں اس لیے ل کے متن کو مرجح سمجھا گیا۔

1　17　کہ اگر تھوڑی توجہ:ن

1　17　پڑھنا ہوگا:ل، پڑھنا چاہیے:ن؛

1　19　اس انتظام میں اس کا بڑا خیال رکھو کہ طبیعت پر اتنا بوجھ نہ پڑنے پائے کہ گھبرا جائے:ن؛ چوں کہ بجائے خود ل کے متن سے ادائے مفہوم ہورہا ہے اور اس میں کوئی اغلاق اور پیچیدگی نہیں، اس لیے

اسی متن کو مرجح مانا گیا۔

1	19	اختیار کرنا:ن
1	19	آسایشِ جائز:ن
1	19	مجھ سے مانگنے میں بھی تامل مت کرو:ن
1	19	"تمھارا اسباب ...آ جائے گا" عبارت کا یہ ٹکڑا، سوائے ل کے، کسی اور اشاعت میں موجود نہیں ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ عبارت کے بقیہ ٹکڑے سے یہ جملہ مربوط اور متعلق ہے۔ دوسری بات :اس کا بھی امکان ہے کہ کسی وجہ سے یہ حصہ کتابت ہونے سے رہ گیا ہو؛ چوں کہ ن میں یہ جملہ موجود نہیں اس لیے موخر اشاعتوں میں بھی یہ حصہ چھوٹتا رہا کیوں کہ جملہ موخر اشاعتیں بالواسطہ یا بلا واسطہ طور سے،مبنی ہیں نسخۂ ن پر۔ بہر حال ل کی پیروی میں اس کو شامل کیا گیا ہے۔
1	19	اب للہ توجہ کرو:ن
1	20	اس طور پر:ن
1	20	دوسری کلاس میں:ل؛ وہیں:ن
1	20	دوسری کلاس کا:ل؛ وہاں:ن
1	20	خوشامد:ل؛ خوش آمد:ن ۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ یہ لفظ مرکب لفظ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن کسی نہ کسی وجہ سے اس لفظ [اور اس جیسے بعض دیگر لفظوں جیسے برفاب، سیلاب، زہراب] کی ترکیبی صورت بہت نمایاں نہیں رہی ہے اور اب یہ مفرد لفظ کی حیثیت سے مستعمل ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ آصفیہ اور نور دونوں لغات میں اس لفظ کا املا ل کے مطابق ہے، پھر یہ بات بھی ہے کہ اس لفظ کی یہی صورت چلن میں رہی ہے جو بجائے خود بڑی قوت ہے۔ انھی اسباب کی بنا پر ل کے املا کو مرجح مانا گیا ہے۔

1	20	''فارسی کورس'' والا جملہ ن میں موجود نہیں، لیکن ل میں ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ل کے غلط نامے میں اس جملے کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ لازمی طور سے یہ جملہ اصل خط کا حصہ رہا ہے، بہ صورتِ دیگر اس کی تصحیح غلط نامے میں نہیں کی جاتی۔ اسی منطق کی بنیاد پر اس جملے کو اصل عبارت میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔
2	21	''چار پاے برو کتابے چند'' یہ حصہ ل میں موجود نہیں ہے لیکن اس کو صرف اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ یہ ڈپٹی نذیر احمد کا خاص انداز ہے کہ وہ جب بھی روزمرہ یا امثال کا ذکر کرتے ہیں تو مسلسل کئی کئی ضرب الامثال اور محاوروں کا ذکر کرتے چلے جاتے ہیں۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے یہ خیال گزرا کہ شاید اصل خط میں ایسا ہی رہا ہو، اس کو اصل متن میں شامل کرلیا گیا ہے۔
2	21	کہ انگریزی بول چال: ل؛ کہ کسی طرح انگریزی بول چال:ن۔ چوں کہ ل کا متن اداے مفہوم کرنے سے قاصر نہیں ہے اس لیے اسی کو برقرار رکھا گیا ہے۔
2	21	ترقی کرو:ل ؛ ترقی ہو:ن
2	21	تحصیلِ علم واستعداد کے لیے صرفِ زر میں مطلق تامل مت کرو، میں:ن
2	21	آوارگی ہو:ل ؛ آوارگی ہے:ن۔ یہاں مفہوم کی تھوڑی سی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ل کے متن کے مطابق نذیر احمد کہنا چاہ رہے ہیں کہ صفائی اختیار کرو مگر ایسی زینت جو آوارگی اور بدوضعی کی تمہید بن جائے خبردار مت اختیار کرو۔ اس کے برخلاف ن کے متن کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ صفائی سے رہو مگر ہر زینت جو بدوضعی اور آوارگی کی تمہید ہے اسے اختیار نہ کرو۔ گویا ن کے مطابق زینت

کا لفظ عمومی حیثیت رکھتا ہے یعنی ہر زینت بد وضعی اور آوارگی کی طرف لے جاتی ہے ۔عمومیت کا یہ انداز شاید درست نہیں کیوں کہ ہر زینت آوارگی کی طرف نہیں لے جاتی بعض زینتیں ہی گمرہی کا پیش خیمہ بنتی ہیں اور ایسی ہی زینت سے اجتناب کا مشورہ دیا گیا ہے۔ بہر حال اسی منطق کے پیشِ نظر اور ل کی پیروی میں یہ متن مرجح سمجھا گیا ہے۔

2 22 شاید تم کو... پہنتا ہوں:ن؛ یہ پورا جملہ ل میں موجود نہیں ہے اور بہ ظاہر ایسا کوئی قرینہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ مرتب کی جانب سے اضافہ شدہ ہے۔ اس میں ''بعض ضروری مصلحتوں'' کی کارفرمائی بھی نہیں معلوم ہوتی۔ اس لیے یہ مانتے ہوئے کہ کسی وجہ سے شاید یہ حصہ ل میں شامل نہ ہوسکا ہوگا اور غلط نامے میں بھی لکھے جانے سے رہ گیا، اسے اصل متن میں شامل کیا گیا ہے۔

2 22 کرد:ل، رکھو:ن

2 22 عیدِ اضحیٰ: ل؛ عید الضحیٰ:ن۔ ان دولفظوں کے سلسلے میں تھوڑی سی وضاحت ضروری ہے، ضحیٰ کے معنی ہیں: ''چاشت کے وقت کوئی کام کرنا(چوں کہ بقرعید کے روز دوپہر سے پہلے پہلے نماز پڑھ کر قربانیاں کرتے ہیں اس وجہ سے عید الضحیٰ اس کا نام رکھا گیا۔نیز اضحیٰ بمعنی قربانی بھی آیا ہے)''؛ آصفیہ ؛ تقریباً یہی مفہوم نوراللغات میں بھی موجود ہے۔ آصفیہ میں عید الضحیٰ یا عید قربان کے تحت جو تفصیل درج کی گئی ہے اس کا ذکر یہاں نامناسب نہیں ہوگا۔ صاحبِ آصفیہ لکھتے ہیں: ''(صحیح عیدِ اضحیٰ) اضحیٰ لفظ اضحات کی جمع ہے اور اضحات اصل میں اضحیہ تھا۔ کیوں کہ اِس کے معنی اُس قربانی کے ہیں جو چاشت کے وقت کی جائے۔'' نور میں لکھا

ہے: ''عید الضحیٰ (صحیح عیدِ اضحیٰ ہے، اضحیۃ، بکری جو عیدِ قربان میں ذبح کی جائے۔)'' آصفیہ اور نور کے ان بیانات سے یہ بالکل واضح ہوگیا ہے کہ صحیح لفظ ''عیدِ اضحیٰ'' ہے اگرچہ دوسرا لفظ ''عید الضحیٰ'' بھی دلالت کررہا ہے اُسی معنی اور مفہوم پر؛ لیکن یہ بات واضح ہے کہ اِس لفظ سے قربانی کا سیدھا اور صاف مطلب واضح نہیں ہو پاتا جب کہ ''عیدِ اضحیٰ'' میں بہ راہِ راست قربانی کا مفہوم موجود ہے۔ اسی بنا پر لؔ کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔

3　22　مَدَّ عُمُرَہٗ وَ آتَاہُ اللّٰہُ نَصِیْبًا وَّافِرًا وَّ حَظًّا مُّتَکَاثِرًا مِّنَ الْعُلُوْمِ الْجَدِیْدَۃِ الْمُفِیْدَۃِ. ل؛ عربی کا یہ فقرہ خط نمبر ۱ میں موجود تھا، چوں کہ خطوں کی حسنِ ترتیب کے نقطۂ نظر سے نسخۂ نؔ مثالی نسخہ ہے، اس لیے اسی کے متن کو مرجح سمجھا گیا ہے۔

3　22　ریڈ صاحب پاس پہنچی: ن

3　22　اس خط کے اندر نؔ میں صرف ایک جگہ ''ریڈ صاحب'' کا لفظ آیا ہے اور باقی جگہوں پر ''صاحب'' کا استعمال کیا گیا ہے جب کہ لؔ میں کل پانچ مقامات پر ''ریڈ صاحب'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ معنوی طور سے دونوں الفاظ اپنی جگہ درست ہیں، لؔ کے متن کو مرجح سمجھا گیا۔

3　23　زبانِ فارسی میں: ن

3　23　نئی مناجات ... عَلٰی غَضَبِی: ن؛ یہ طویل متن لؔ میں موجود نہیں ہے ظاہر ہے کہ یہ بعد کا اضافہ ہے۔ بعد کے اضافے کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ پہلی اشاعت کے وقت اس کو کسی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہو اور پھر دوسری اشاعت کے وقت اس کو شامل کرلینے کا فیصلہ کیا گیا ہو، بہرحال جو بھی وجہ ہو چوں کہ یہ نؔ میں موجود ہے اور اس

		کی پیروی میں موخر اشاعتوں میں بھی ؛ اس لیے اس کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔
4	27	میں آج ... رہ سکتا:ل؛ عبارت کا یہ ٹکڑا نؔ میں موجود نہیں، چوں کہ اس نسخے میں غلط نامہ بھی نہیں اس لیے کہا نہیں جا سکتا کہ یہ کتابت کے دوران چھوٹ گیا یا مرتب کے ارادے، منشا اور مصلحت کا بھی اس میں کچھ دخل ہے۔ لؔ کے متن کو جوں کا توں باقی رکھا گیا۔
4	28	طالب:ل؛ طالب علم:ن
4	28	''گھومنے پھرنے'' یہ لفظ ن میں موجود نہیں
4	28	جب تمھارا سب سامان:ن
4	28	بٹ:ل؛ بنٹ:ن
4	28	آف:ل، آو:ن
4	28	''کیا حاصل ہوا'' یہ فقرہ ن میں نہیں
4	29	''سہ شنبہ'' ل میں نہیں، ن کی مطابقت اختیار کی گئی
4	29	لؔ میں یہ جملہ [یہ ایک مشہور بات ہے کہ آدمی جس شہر میں رہے وہاں کے طبیب اور کوتوال سے دوستی پیدا کرے تم بھی اس کا خیال رکھو۔''] دو خطوط میں آیا ہے بہت معمولی فرق کے ساتھ؛ ایک 8/جنوری والے خط میں اور دوسرے مقام پر 11/ جنوری والے خط میں ؛نؔ میں صرف 8/جنوری والے خط میں اس جملے کو ذکر کیا گیا ہے۔ ایسا امکان سے بعید نہیں ہے کہ صرف تین روز کے فاصلے سے کسی ایک یا کئی جملوں کی تکرار ہو جائے، کیوں کہ بسا اوقات مصنف کے ذہن میں کوئی خیال یا نکتہ گردش کرتا ہے تو وہ عام طور سے ایک سے زائد مقامات پر نقل کر دیتا ہے یا کر سکتا ہے۔ اس لیے یہ صرف میرا قیاس ہے کہ شاید نذیر احمد سے بھی اس جملے کی

تکرار ہوئی ہوگی لیکن سر دست میرے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں
اور نہ ہی فی الحال اس کو معلوم کرنے کا کوئی اور ذریعہ موجود ہے۔
اس لیے احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے اور تکرار سے اجتناب کرتے
ہوئے نٓ کے متن کو ترجیح دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

5 30 ''جب ایسے آدمی کا یہ حال ہو تو وائے بر حال اُن کے جو بے پروائی
سے پڑھیں اور جو پڑھیں اُس کو بھلا دیں'':ن؛ یہ بات نٓ کے
تعارف کے تحت لکھی جا چکی ہے کہ مرتب موعظہ نے بیش تر اسماے
معرفہ کو حذف کردیا ہے اور حذف شدہ ناموں کی جگہ پر [...] کا
نشان لگا دیا ہے۔ اس اقدام سے بیش تر مقامات پر معنوی طور سے
کوئی فرق نہیں آیا لیکن بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں جملوں کی
نشست اور ساخت میں بے ترتیبی پیدا ہوگئی؛ ان مقامات پر مرتب
نے موقع ومحل کے اعتبار سے معمولی سی ترمیم بھی روا رکھی ہے۔ کہیں
جملے تبدیل کردیے، کہیں صرف ضمیروں کا اضافہ کردیا۔ یہ ترمیمات
تدوین کی اصطلاح میں تحریف کے درجے میں آتی ہیں اور تحریفات
کی اصل متن میں کوئی گنجائش نہیں، اور متن میں تحریف کا حق کسی کو
نہیں پہنچتا۔ غرض ایسے تمام مقامات پر چوں کہ اب ناموں کو شامل
کرلیا گیا ہے اس لیے لٓ کے متن کو اس بنیاد پر کہ وہ اصل حالت
سے زیادہ قریب ہیں، ترجیح دی گئی تا کہ جملوں کی ساخت اور لفظوں
اور تراکیب کی نشست بھی منشاے مصنف سے قریب تر رہے۔

5 30 آیندہ میں تم کو: ل، میں تم کو:ن؛ لٓ میں ''آیندہ'' کا اضافہ ہے اور
نٓ میں اسے حذف کردیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبارت
میں معمولی سی تعقید کی وجہ سے اس لفظ کو حذف کر عبارت کو سلیس
اور درست کیا گیا ہے، جب کہ اس لفظ کی موجودگی میں بھی مفہوم

پوری طرح ادا ہو رہا ہے۔ ہاں! اس سے انکار نہیں کہ ایسی صورت میں عبارت کے اندر معمولی سی تعقید پیدا ہوگئی ہے۔ نذیر احمد کی تخلیقات میں بہت سارے ایسے جملے موجود ہیں جن میں تعقید پائی جاتی ہے، اس جملے کو بھی اُسی ذیل میں رکھا جانا چاہیے۔ اگر اس جملے کی عبارت میں معمولی سی ترمیم کردی جائے یعنی لفظوں کی ترتیب بدل دی جائے تو مفہوم بالکل واضح اور روشن ہو جاتا ہے۔ اگر جملے کو اس طور پڑھا جائے کہ: میں تم کو بار بار لکھ چکا ہوں ہر زبان کی صرف ونحو بڑی ضروری اور مفید چیز ہے، آیندہ اس پر زیادہ توجہ کرو' تو عبارت کا مفہوم بالکل روشن ہو جائے گا۔ چوں کہ لؔ کا متن ادائے مفہوم کی صلاحیت رکھتا ہے، عبارت درست ہے، بامعنی ہے اور اس کا مفہوم روشن اور واضح ہے اور تعقید کے علاوہ اس میں کوئی دوسری قباحت نہیں معلوم ہوتی اس لیے اسی کو باقی رکھا گیا۔

6　31　دیتا:ل؛ دیتی:ن۔ یہاں لؔ کی تحریر کو ترجیح اس بنیاد پر دی گئی ہے کہ لؔ کی عبارت کا سیاق مفہوم سے عاری نہیں ہے، وہ اس طرز پر کہ یہاں جو لفظ متعلقِ فعل ہے وہ 'حرف' ہے یعنی 'چار حرف قابلِ لحاظ ہیں' اور یہ بات معلوم ہے کہ حرف بجائے خود مذکر ہے، اسی رعایت سے فعلِ مذکر کے استعمال میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔ اس جملے کو اگر یوں لکھا جائے کہ ''حرف سی جب کاف کی آواز دیتا ہے تو'' اس میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا۔

6　33　جب مجموعہ کل نمبروں کا:ل؛ جب نمبر ہر سبجکٹ میں:ن

7　33　فارمیشن (تشکیل):ل، فارمیشن (بننے): ن۔ اس مقام پر لؔ میں 'فارمیشن (تشکیل)' اور نؔ میں 'فارمیشن (بننے)' کا لفظ لکھا گیا ہے۔ معنوی طور سے تو دونوں الفاظ بجائے خود درست ہیں لیکن

وضاحت کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ لؔ کے متن میں
بریکٹ کے اندر 'شکیل' کا لفظ کتابت کیا گیا ہے اور غلط نامے میں
اس کی تصحیح کی گئی ہے یعنی 'شکیل' کو 'تشکیل' بنایا گیا ہے۔ نؔ میں اور
دیگر موخر اشاعتوں میں بریکٹ کے اندر 'بننے' کا لفظ لکھا گیا ہے،
یہاں لؔ کے متن کو ترجیح اس لیے دی گئی ہے کہ معنوی طور سے
دونوں لفظوں کی یکسانیت کے باوجود چوں کہ 'شکیل' کو درست
کرتے ہوئے غلط نامے میں 'تشکیل' کیا گیا ہے، اس لیے لازی
طور سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مصنف نے یہی لفظ اپنے مکتوب میں لکھا
ہوگا؛ بہ صورتِ دیگر کم از کم غلط نامے میں اس لفظ کو درست کرتے
وقت 'تشکیل' کا لفظ تحریر نہ کیا جاتا۔ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یہی
لفظ یعنی 'تشکیل' اصل خط میں موجود رہا ہوگا اور اسی وجہ سے اس لفظ
کو ترجیح دی گئی ہے۔

7 33 ''... دھری جارہی تھی اور بچوں کی زندگی میں'' لؔ کے متن کو غور سے
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عبارت کا کچھ حصّہ کتابت ہونے
سے رہ گیا ہے کیوں کہ اس متن کو سامنے رکھ کر معنی اور مفہوم کی
وضاحت نہیں ہوتی، اس کے برخلاف نؔ کی عبارت مربوط ہے اور
بامعنی ہے؛ اس لیے نؔ کے متن کو اصل متن میں باقی رکھا گیا۔ اس
سے ایک بات اور بھی واضح ہوتی ہے کہ حد درجہ احتیاط برتنے کے
باوجود اور غلط نامے کو شامل کرنے کے باوجود چند ایک مقامات پر
نظر چوک گئی ہے، شاید بشریّت کا تقاضا اسی کو کہتے ہیں۔

7 37 یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خط میں کیرکٹر کا لفظ تین
مقامات پر آیا ہے اور تینوں ہی مقامات پر اس لفظ کے اردو معنی
'چال چلن' کو بریکٹ کے اندر لکھا گیا ہے جب کہ نؔ میں صرف

پہلے مقام پر کیرکٹر کے معنی کو بریکٹ میں لکھا گیا اور باقی دو مقامات پر اس کے معنی لکھنے کی زحمت نہیں اٹھائی گئی۔ یوں تو اس لفظ کے معنی لکھنے نہ لکھنے سے مفہوم پر کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن محض ل کی پیروی میں اس لفظ کے ترجمے کو بریکٹ کے اندر لکھا گیا۔

8 34 یہاں پر دو خطوط کے متن کے بارے میں تھوڑی سی وضاحت کا ذکر کرنا نامناسب نہیں ہوگا۔ ل میں [اس میں خطوں کے نمبر شمار نہیں ڈالے گئے ہیں بلکہ دو خطوں کے درمیان ایک لمبی لکیر کھینچ کر فاصلہ قائم کیا گیا ہے] خط کی ابتدا ''ہرچند انگریزی...'' سے ہوتی ہے اور یہ خط مکمل ہوتا ہے ''...میں اُن کو بہت خوشی سے پڑھوں گا''۔ اور ایک دوسرا خط شروع ہوتا ہے ''تمھارے خط نے ...'' سے اور مکمل ہوتا ہے ''... تب آدمی پاس ہوتا ہے۔ 18 /فروری 1876 '' پر۔ جب کہ اشاعتِ ثانی[ن] کے خط نمبر 6 میں اشاعتِ اول [ل] کے مکتوب ''ہرچندانگریزی...... میں ان کو بہت خوشی سے پڑھوں گا'' کے ساتھ اس کے ایک اور مکتوب کا متن بھی شامل کیا گیا ہے جو اول کے متن میں ''تمھارے خط نے... الخ'' کے متن کے ساتھ موجود ہے گویا ثانی کے خط نمبر 6 میں ''آج مجھ سے... تب آدمی پاس ہوتا ہے'' بھی شامل کیا گیا ہے۔ مزید یہ بھی کہ ثانی کے متن میں ''سوالاتِ عربی کا جواب'' کے عنوان سے جو متن شامل کیا گیا ہے وہ اشاعتِ اول میں موجود نہیں؛ اس لیے عبارت کے اس حصے کو ثانی کے مطابق نقل کیا گیا ہے۔

9 36 تک:ل، بھی:ن

9 37 سرزنش:ل، اپنا سر خالی کروں:ن۔ یہاں تھوڑی سی وضاحت کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ ''سرزنش'' کے معنی آصفیہ اور نور میں

"ملامت، ڈانٹ ڈپٹ، برا بھلا کہنا" کے دیے ہوئے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد لیے جائیں تو عبارت کا مفہوم واضح نہیں ہوگا۔ ن میں جو لفظ لکھا گیا ہے اس کے معنی نوراللغات میں "بک بک کے یا غل شور سے دماغ خالی کرنا" لکھے گئے ہیں اور یہ معنی بھی مفہوم کو مکمل طور سے ادا نہیں کرتا۔ آصفیہ اور نور میں اسی سے ملتا جلتا ایک اور لفظ دیا گیا ہے "سرزنی: مغز زنی، کوشش، سعی، سر مارنا" یہ لفظ مطلوبہ مفہوم کو ادا کر رہا ہے۔ یہ محض میرا خیال ہے کہ شاید ڈپٹی نذیر احمد نے یہاں "سرزنش" کے لفظ کو اس کے لفظی معنی کی مناسبت سے، اور اجتہاد کرتے ہوئے "سرزنی" کے معنی میں استعمال کرلیا ہو، ل کے متن کو باقی رکھا گیا۔

9	37	خواہ نخواہ: ل، خواہ مخواہ: ن
9	38	زیادہ تھا: ن
10	39	اب تک ان کی بعض اصلاحی چٹھیاں میرے پاس ہیں: ن۔ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ل کے متن میں ردّ و بدل کیا گیا ہے، جب کہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ ل کے جملے میں کوئی قباحت نہیں۔ ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ یہ خطوط بہ قولِ مولوی بشیر الدین احمد "قلم برداشتہ لکھے گئے تھے" اور ایسی صورت میں جملوں کی نشست کا وہ انداز پیدا نہیں ہو پاتا جو نظرِ ثانی شدہ تحریروں کا خاصہ ہوا کرتا ہے۔ قلم برداشتہ تحریروں میں بندشِ الفاظ کے نگینے نہیں جڑے جاسکتے۔ چوں کہ ل کے جملے میں کوئی سقم نظر نہیں آتا، اسے ترجیح دی گئی ہے۔
10	39	اُن کی نصیحت تھی کہ چھوٹے چھوٹے جملے لکھا کرو جن میں کوئی لفظ فضول نہ ہو اور جو لفظ ہو مانوس اور کثیرالاستعمال: ن۔ ن میں جو

عبارت لکھی گئی ہے صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تبدیلی کا عمل وقوع پذیر ہوا ہے۔ پہلے توں کے متن "لو صاحب" کو "اُن" سے تبدیل کیا گیا اور پھر اُس کے بعد جملے کی پوری ساخت ہی تبدیل کی گئی۔ اصلاح کا یہ عمل اس خط کے مختلف حصوں میں انجام دیا گیا ہے، یقین نہیں ہوتا کہ اتنی فاحش غلطیاں آخر کس بنیاد پر شاملِ غلط نامہ نہیں ہو پائیں یا نہیں کی گئیں۔ جب کہ ل کے تعارف کے ضمن میں یہ بات ثابت کی جاچکی ہے کہ کس دقّتِ نظر سے غلط نامے کو تیار کیا گیا ہے۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ خطوط نگاری میں ایک خاص قسم کی بے تکلفی کی فضا موجود رہتی ہے اور بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ لفظوں اور جملوں کی ترتیب وتزئین اس طور سے نہیں ہو پاتی، دیگر تحریروں میں جس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اسی لیے میں نے یہی مناسب خیال کیا کہ ل کے متن کو جوں کا توں باقی رکھا جائے اور ن کے متن کو اختلافِ نسخ کے زمرے میں درج کیا جائے؛ اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے کہ جو عبارت شاملِ متن کی جارہی ہے اس میں بہت معمولی ہی سہی تعقید کا عیب موجود ہے لیکن مفہوم پوری قوت کے ساتھ ادا ہو رہا ہے۔

10 39 تھوڑا:ل، تھوڑا تھوڑا:ن

11 40 ل میں یہ خط اپنے مکتوبِ ماقبل [یہ چٹھی بھی .... بس میں آنے والی نہیں] کے ساتھ ہی لکھ دیا گیا ہے جب کہ یہ بہت صاف طور سے معلوم ہو رہا ہے کہ خط مذکور مولوی نذیر احمد نے اپنے ملازم سبحان بخش کو مخاطب کر کے تحریر کیا ہے۔ اس نسخے میں ایسا کئی مقامات پر ہوا ہے کہ بعض خطوں کی عبارتیں دوسرے خطوط کے ساتھ گڈمڈ ہوگئیں۔ اس خط کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ ن میں اس خط کو

درست صورت میں یعنی علاحدہ ایک خط کی شکل میں ایک نئے نمبر شار کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے، چوں کہ دونوں خطوط الگ الگ مکتوب الیہ کے نام تھے اس لیے ان کو الگ الگ نمبروں کے ساتھ [ثانی کے مطابق] شاملِ متن کیا گیا۔

11 40 میاں سبحان بخش: ن؛ بیش تر خطوط میں نذیر احمد نے القاب وآداب کے روایتی طریقوں سے انحراف کیا ہے اور بے تکلفی کی اس روش کو اپنایا ہے جس کا آغاز خطوطِ غالبؔ سے ہوتا ہے۔ یہ ایک ضمنی بات ہے۔ خطِ مذکور میں لؔ کے متن میں ''میاں'' کا لفظ موجود نہیں اور چوں کہ اس سے خط کے مفہوم پر کوئی حرف نہیں آتا، لؔ کے متن کو باقی رکھا گیا ہے۔

11 40 علیٰ ذلک: ل، علی العافیہ: ن

12 41 مولوی نذیر احمد نے بعض خطوط اپنی اہلیہ اور بعض خطوط دوسرے افراد کے نام تحریر کیے تھے؛ اس مجموعے میں اُن خطوط کو بھی شامل کیا گیا ہے اس لیے یہ تسلیم کرلینا کہ موعظۂ حسنہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مولوی صاحب نے اپنے اکلوتے بیٹے بشیر الدین احمد کے نام تحریر کیے تھے، درست نہیں ہوگا ،اس میں چند خطوط کے مکتوب الیہ دیگر افراد بھی ہیں، مثلاً سبحان بخش اور بیوی صاحب۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ بیش تر خطوط بشیر الدین احمد کے نام لکھے گئے ہیں۔

12 41 بھئی: ل، صاحب: ن

14 44 اڈنبرا: ل، کیمبرج: ن۔ یہ کتابت کی غلطی نہیں ہوسکتی۔ یہاں بھی مرتبِ موعظہ کی کارفرمائی معلوم ہوتی ہے، لؔ کے متن کو ترجیح دی گئی۔ دوسری بات یہ کہ حاشیے میں کیمبرج کا لفظ جوں کا توں باقی رکھا گیا کیوں کہ یہ مرتب کا لگایا ہوا حاشیہ ہے۔ ایسے میں میں نے

اسے تبدیل کرنا مناسب خیال نہیں کیا تاکہ وہ اس امر پر دلالت کرے کہ زیرِ نظر متن میں مرتب نے معمولی ترمیم روا رکھی تھی۔

15 45 کلّہم:ل، کلّہا:ن۔ یہاں متنِ اشاعتِ اوّل کو یوں ترجیح دی گئی کہ اس کے اختیار کرنے میں قواعدِ زبان کے اعتبار سے کوئی دقت نہیں، دونوں صورتیں درست ہیں لیکن ہاں ایک بات ضرور ہے کہ 'کلہا' کے مقابلے میں 'کلہم' کا لفظ روزمرہ سے زیادہ قریب ہے اور بول چال میں اس کا استعمال بھی زیادہ ہوتا ہے؛ چناں چہ روزمرہ کی رعایت سے اس لفظ کو مرجح سمجھا گیا اور ثانی کے لفظ کو اختلافِ نسخ میں درج کیا گیا۔

15 45 شروع شروع:ل، شروع میں:ن۔ یہاں بھی اوّل کے متن کو ترجیح دی گئی ہے اور ایسا کرنے کے پیچھے ایک زبردست شہادت بھی موجود ہے۔ اوّل کے متن میں لکھا ہے: 'شروع بھاکھا کے الفاظ' اور پھر غلط نامے میں اُس کی تصحیح کی گئی ہے: ''شروع شروع'' یعنی فقرہ اس طرح درست ہوگا: 'شروع شروع بھاکھا کے الفاظ' چوں کہ غلط نامے میں اس لفظ کی تصحیح موجود ہے اس لیے دوسرے چند مقامات کی طرح یہاں بھی اسی کو لازم سمجھا گیا کہ تصحیح شدہ متن کو اصل متن میں شامل کیا جائے کیوں کہ اگر وہ الفاظ اصلاً تحریر نہ کیے گئے ہوتے تو تصحیح میں شامل کیوں کیے جاتے۔

15 45 بھاکھا:ل، بھاکا:ن، یہاں بھی لؔ کے متن کو اس بنیاد پر ترجیح دی گئی ہے کہ غلط نامے میں اسی سے ملحق عبارت کی تصحیح کی گئی ہے، یعنی 'شروع' کے بجائے 'شروع شروع' کیا گیا ہے۔ اگر 'بھاکھا' کے لفظ میں کوئی اشکال ہوتا یا کتابت کی کوئی فروگزاشت رہتی تو یقینی طور سے اسے بھی درست کیا گیا ہوتا۔ اسی دلیل کی بنا پر لؔ کے متن

کو قبول کیا گیا ہے۔

15 45 نؔ میں یہ جملہ یوں ہے: " اب آخر میں شیخ ابراہیم ذوقؔ، حکیم مومنؔ، میرزا غالبؔ اور دبیرؔ و انیسؔ لکھنوی نے تو اردو کو خوب ہی رونق دی۔" لؔ کے متن کو اختیار کیا گیا ہے۔

15 45 سچ باور: ل، یقین و باوَر: ن

15 45 یہ وجہ دائی: ل، یہی وجہ: ن

15 46 انگریزی: ل، انگریزوں: ن۔ لؔ کے متن کو مرجح سمجھا گیا۔

15 46 زبانِ حکام: ل، زبانِ حکامِ وقت: ن

15 47 تضیع: ل، تضییع: ن۔ چوں کہ لؔ کے متن سے بھی مفہوم کی ادائگی ہو رہی ہے، اس لیے اس میں کوئی تبدیلی روا نہیں رکھی گئی اور اسے مرجح سمجھا گیا۔ یہاں یہ بات ذکر کرنے کی ہے کہ "تضیع" اپنی اصل کے اعتبار سے عربی زبان کا لفظ ہے، تفعیل کے وزن پر دو یا کے ساتھ، اور لغت میں بھی اس قید کے ساتھ درج کیا گیا ہے کہ اس کی اصل 'تضییع' ہے لیکن اردو میں ایک یا کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تمیز کے وزن پر۔ گویا ایک یا کے ساتھ بھی یہ لفظ اردو کی حد تک درست اور فصیح ہے۔ اس وضاحت کی روشنی میں لؔ کے متن کو برقرار رکھا گیا۔

15 48 ڈالتے: ل، ڈالتے ہیں: ن۔ یہ نذیر احمد کا خاص انداز ہے کہ جہاں کہیں 'ہے' یا 'ہیں' پر عام طور سے جملے کی تکمیل ہوتی ہے، وہ 'ہے' اور 'ہیں' کے بغیر جملوں کی تکمیل کرتے ہیں، مثالیں اس کتاب میں اور نذیر احمد کی دوسری تصنیفات میں بہ کثرت موجود ہیں، چوں کہ جملہ یوں بھی درست ہے اور نذیر احمد کے خاص اسلوب کی نمائندگی کرتا ہے اس لیے اول کے متن کو مرجح سمجھا گیا۔

15	48	'ریڈ صاحب بورڈ سے مل کر واپس آئے' یہ جملہ ثانی اور بعد کی اشاعتوں میں موجود نہیں، قوی امکان ہے کہ یہ جملہ ثانی میں کسی وجہ سے کتابت ہونے سے رہ گیا ہو اور موخر اشاعتوں میں ثانی کی پیروی میں شامل نہ کیا جاتا رہا ہو، اب چوں کہ اول میں یہ جملہ موجود ہے اور سیاقِ عبارت سے بھی بے میل نہیں اس لیے اسے شاملِ متن کیا گیا ہے۔
15	48	بے سامانی:ل، بے سروسامانی:ن۔ دونوں لفظوں میں معنی کا تفاوت نہیں لیکن ل کی پیروی میں اسی کے متن کو مرجح سمجھا گیا۔
15	48	'اور پھر میری محنت کا حال بھی' عبارت کا یہ ٹکڑا ن میں موجود نہیں ہے۔
15	49	اوس اور اُس کی بابت: ل، اُس اور اِس کی بابت:ن۔ یہاں پر ل کی مطابقت اختیار کی گئی ہے وہ اس لیے کہ اس موقعے پر نذیر احمد 'اوس' اور 'اُس' کی بحث اور اعراب بالحروف کی صورت کو واضح کرنا چاہتے ہیں ۔ یہاں ذکر صرف 'اُس' کا کرنا مقصود ہے 'اِس' کو صرف بہ طورِ مثال پیش کیا ہے اس پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ اصل بحث 'اوس' اور 'اُس' کی ہے، اور چوں کہ اوّل میں بالکل صاف اور واضح طور سے متن درست بھی ہے اور اس کے معنی ومفہوم میں بھی کوئی الجھاو نہیں اس لیے اسی کی مطابقت اختیار کی گئی۔
16	50	انچہ فخر تست در گفتار آں ننگِ من ست:ن۔ یہ مصرع ل میں موجود نہیں ہے۔
16	50	پھر صورتوں کا سوچ بچار غضب ہے:ن۔ یہاں بھی ل کے متن میں کوئی سقم موجود نہیں اس لیے اسے اختیار کرنے میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔
16	51	ڈیوڑھی پر آن کھڑی ہوگی:ن

16　51　اطاعت گزاری:ل، اطاعت وفرماں برداری:ن

16　51　اور ان باتوں ...ضرور ہے:ن۔ یہ ٹکڑا ل میں نہیں ہے لیکن چوں کہ حسبِ حال ہے اسے ن کے مطابق شامل کیا گیا ہے۔

16　51　''مجھ میں... اُن کی غلط فہمی'' یہ ٹکڑا ن میں موجود نہیں، شاید مصلحتاً شامل نہیں کیا گیا ہوگا۔ بہرحال ل کے مطابق اس کو شاملِ متن کیا گیا ہے۔

17　52　گرتی چلی جاتی ہے:ل، گرتی جاتی ہے:ن

17　52　'کیا یہ کہاوت ان کے کان تک نہیں پہنچی ''بھٹ پڑے (بھاڑ میں جائے) وہ سونا جس سے ٹوٹے کان' یہ فقرہ ل میں نہیں، ن کی پیروی میں اسے شامل کیا گیا ہے۔

17　52　زیور سب پسندیدہ ہیں:ن

17　52　ایک زمانِ جاہلیت کی رسم:ل، زمانِ جاہلیت کی ایک رسم:ن۔ دونوں عبارتیں درست ہیں۔نذیر احمد کی تحریروں میں موجودہ طرزِ تحریر اور اُس عہد کے عام طرزِ تحریر کے مقابلے میں عبارت میں کہیں کہیں معمولی تعقید موجود رہتی تھی، یہ جملہ بھی اسی ذیل میں آتا ہے، چوں کہ مکتوب نگاری میں نسبتاً بے تکلفی کا انداز پایا جاتا ہے اس لیے یہ طرز کچھ غیر فطری بھی نہیں کہا جاسکتا، ہاں تعقید کی معمولی موجودگی رہتی ہے، بہرحال یہاں پر بھی اول کے متن کو جوں کا توں باقی رکھا گیا۔

17　52　ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امسال گرمی زیادہ سخت پڑے گی:ن

17　52　یہ افراط محرکِ نزلہ:ن۔ ل میں یہ فقرہ موجود نہیں تھا۔ چوں کہ اسی جملے کی کتابت کی ایک غلطی کی تصحیح غلط نامے میں کی گئی ہے، اور ن کے متن ''یہ افراط محرکِ نزلہ'' کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے، اس لیے یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ فقرہ بعد کا اضافہ ہے، اس دلیل

کی بنیاد پر اس حصے کو شامل کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔

18　53　اک ڈھک: ل، اکے ڈھکے: ن

18　53　کم بخت: ل، کم نصیب: ن

18　54　ریٹ: ل، رائٹ: ن

18　54　حق الترجمہ کے دام: ن

18　54　یہی: ل، یہ: ن۔ یہاں ن کا متن زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے اور مفہوم کی ادائیگی اس لفظ سے زیادہ بہتر طور سے ہو رہی ہے اس لیے ن کے متن کو مرجح خیال کرتے ہوئے اسے شامل کیا گیا اور ل کے متن کو اختلافِ نسخ میں جگہ دی گئی۔

18　55　جدیدۃ العہد: ن

19　55　یہ خط ن میں شامل نہیں ہے اور اسی کی پیروی میں باقی موخر اشاعتوں میں بھی شامل نہیں ہوا۔ صرف ت کے ضمیمے میں اس کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اسے شاملِ متن کیوں نہیں کیا گیا، فی الوقت میں کچھ کہنے سے معذور ہوں۔ اب اس خط کو اصل متن میں، ترتیب تاریخ کے اعتبار سے جہاں اس کا مقام و محل ہے، شامل کرلیا گیا ہے۔

یہ جو مرتب اول مولوی عبدالغفور شہباز نے طبعِ ثانی کے مقدمے میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ نقشِ اول میں خطوں کی بے ترتیبی کے نقص رہ گئے تھے، اس کی مثال میں یہ خط پیش کیا جاسکتا ہے کہ اس خط کی ترتیب تاریخ کے اعتبار سے اس کی درست جگہ پر نہیں رکھی گئی، لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ اس خط کو ن کے متن سے محذوف کیوں کردیا گیا، اب اس نئی اشاعت میں اس خط کو اس کی تاریخی ترتیب کے اعتبار سے درست جگہ پر رکھتے ہوئے شامل متن کیا گیا ہے۔

20 55 'میں پرسوں ... خط ملا' یہ ٹکڑا صرف ل میں ہے ن اور باقی موخر اشاعتوں میں موجود نہیں، چوں کہ موخر اشاعتیں ن کے ہی نقوشِ ثانی ہیں اس لیے وہاں نہ ہونا چنداں تعجب خیز نہیں۔ بہرحال ل میں ہونے کی وجہ سے اسے شامل کیا گیا ہے۔

20 56 'تمھارا گھر ... ہرگز نہیں' یہ طویل عبارت ل میں موجود نہیں ہے اور اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے، ایسا امکان سے بعید نہیں ہے کہ پہلی اشاعت کے وقت اس کو شامل نہ کیا گیا ہو اور اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ اصلاحی عبارت کسی اور ٹکڑے پر لکھی گئی ہو یا اُس وقت اس کو غیرمتعلق سمجھ کر نظر انداز کردیا گیا ہو، لیکن چوں کہ ن میں یہ عبارت موجود ہے اور ڈپٹی نذیر احمد کے طریقۂ تعلیم کو پیش کرتی ہے، شاملِ متن کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

20 57 'تمھارے سوالات ... کیسے رہے' یہ عبارت بھی ل میں نہیں ہے، اسے ن کے متن کی پیروی میں شامل کیا گیا ہے۔ سرِدست اس بات کے ثبوت میں مَیں کوئی دلیل پیش نہیں کرسکتا کہ کیوں کر یہ طول طویل ٹکڑے اوّل میں شامل نہیں ہوسکے، لیکن چوں کہ عبارت کا یہ انداز اور واقعات کی ترتیب میں یہ شہادت موجود ہے کہ یہ تحریر نذیر احمد کی ہے، اسی رعایت سے اس کو متن میں شامل کیا گیا ہے۔

20 59 تمھارے تضیع دقت: ل، تمھاری تضییع دقت: ن۔ چوں کہ ل کے متن سے بھی مفہوم کی ادائیگی ہو رہی ہے، اس لیے اس میں کوئی تبدیلی روا نہیں رکھی گئی اور اسے مرجح سمجھا گیا۔ یہاں یہ بات بھی ذکر کرنے کی ہے کہ ''تضیع'' لغت میں درج کیا گیا ہے اس قید کے ساتھ کہ اس کی اصل 'تضییع' ہے لیکن اردو میں ایک یا کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تمیز کے وزن پر۔ دوسری بات یہ ہے کہ ل میں

'تمھارے' اور نؔ میں 'تمھاری' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہاں بھی لؔ کے متن کو اس بنا پر کہ اس سے بھی مفہوم بہ خوبی ادا ہو رہا ہے، قبول کیا گیا ہے۔

20 59 'متنبّی کے چند ... اذا ھو کانا' یہ ٹکڑا بھی لؔ میں نہیں ہے، نؔ سے اس کو نقل کیا گیا ہے۔

21 60 فرض: ل، ب،م؛قرض:ن

21 60 تاء زائدہ: ل،ن۔ یہاں 'تاے زائدہ'' تحریر کیا گیا ہے چوں کہ اب اردو میں اضافت کے لیے یاے مجہول کا استعمال ہوتا ہے اسی لیے اس طریقے کو اپنایا گیا ہے۔

21 60 علامتِ تانیث ت: جملہ نسخوں میں لمبی تؔ کا لفظ استعمال ہوا ہے جب کہ قاعدے کے اعتبار سے یہاں گول ۃؔ ہونا چاہیے۔ خط 27 میں نذیر احمد نے لمبی تؔ کی چار قسموں کا ذکر کیا ہے: ماضی کے صیغوں کی ت (ضربت)، تاے جمع مونث سالم (مسلمات)، تاے اصلی (وقت، سبت) اور جب لام کلمہ حذف ہو کر تاے تانیث لکھی جائے (بنت، اخت) اس کے علاوہ سبھی تینیں مختصر یا گول (ۃ) لکھی جائیں گی۔ اس قاعدے کی روشنی میں مذکورہ خط میں ''علامتِ تانیث ۃ'' لکھا جانا چاہیے۔ اسی رعایت سے اصل متن میں تؔ کے بجاے ۃؔ کو مناسب سمجھا گیا۔

21 61 بڑھوتی:ل، بڑھاپے:ن

21 61 دادھیال اور نانھیال: ل، ددھیال اور نھیال:ن، ب،م

21 61 یا حدیث کی کوئی کتاب :ن،ب،م

21 61 بچی:ل،لڑکی:ن،ب،م

21 61 کسرہ آ گیا:ل، کسرہ دیا گیا ہے:ن۔ یہاں بھی لؔ کے متن کو ترجیح

دی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ل کے اصل متن میں جو لفظ لکھا گیا ہے وہ ہے ''کسرہ آیا کیا'' اور پھر غلط نامے میں اس کی تصحیح کی گئی ہے ''کسرہ آ گیا'' اس تصحیح سے یہ بات پاے ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اصل خط میں یہی متن رہا ہوگا ورنہ غلط نامے میں اس طور سے درست نہیں کیا جاتا۔ یہی صورت بعض دیگر مقامات پر بھی سامنے آئی تھی، وہاں بھی غلط نامے کی تصحیح کو حرفِ آخر تسلیم کرتے ہوئے اسے اصل متن میں رکھا گیا تھا، اس جگہ بھی وہی اصول اپنایا گیا۔

22 62 ''آج مجھ کو ... نہیں بہم پہنچتا'' یہ پوری عبارت ن میں موجود نہیں چوں کہ ل میں یہ عبارت ہے اس لیے اس کو باقی رکھا گیا ہے۔

23 65 'کہ کی جگہ کے بڑی شرم کی بات ہے' یہ جملہ ن میں موجود نہیں، شاید کتابت ہونے سے رہ گیا ہو کیوں کہ اس سے انکار نہیں کہ یہ جملہ سیاق سے متعلق ہے۔ ل کے متن کی بنا پر شامل رکھا گیا۔

23 65 'سنو جی ... ٹھیک ہے یا کہ' عبارت کا یہ پورا ٹکڑا ن سے غائب ہے، کسی اور اشاعت میں بھی ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوتا، یوں کہ وہ سبھی ن کے ہی مختلف نقوش ہیں، ل کے متن کو باقی رکھا گیا۔

23 65 روپیے کی کچھ پروا نہیں: یہ حصہ بھی ن سے غائب ہے۔

25 66 یہ خط بھی ن میں شامل نہیں ہے۔ ل کی پیروی میں اسے شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

26 68 جس چیز کے ناسخ کوئی قابل نظر آیا: ل، یہ شعر پہلی اشاعت میں ناسخ سے منسوب ہے، مجھے یہ شعر ان کے دیوان میں نہیں مل سکا، اس لیے ن کے متن 'جو شخص، کہ جس چیز کے قابل نظر آیا' کو شاملِ متن کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

26 69 'خبردار ... اجازت نہیں دی' یہ حصہ ن میں موجود نہیں ہے، چوں کہ

لؔ میں ہے اور سیاقِ عبارت سے متعلق بھی ہے، اس لیے اس کو شامل کیا گیا ہے۔

27 70 ''تمھارے ...رہ جائے گا'' یہ ٹکڑا لؔ میں نہیں ہے لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی خط کا حصہ ہے۔ چوں کہ اس خط میں نذیر احمد قواعدِ زبان کا ذکر کررہے ہیں اور یہ حصہ بھی اسی سے تعلق رکھتا ہے اس لیے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ اُنھی کی عبارت ہے جو کسی وجہ سے لؔ میں شامل نہیں ہو پائی، نؔ کی رعایت سے اسے شاملِ متن کیا گیا۔

27 70 ٹوٹ گیا:ل، تحلیل ہوگیا:ن۔ یہاں پر نؔ کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ معنوی طور سے دونوں الفاظ بجاے خود درست اور فصیح ہیں اور مکمل طور سے مفہوم کی ادائیگی بھی کررہے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ باقی نسخوں میں بھی ''تحلیل'' کا لفظ آیا ہے لیکن یہ بجاے خود اہم نہیں کیوں کہ موخر نسخے نؔ کے مختلف نقوش ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مزید وجہ یہ ہے کہ 4/ جون والے خط، جس میں وہ بیوی صاحب سے مخاطب ہیں، اس میں بھی بدن کے لیے تحلیل کا لفظ استعمال کیا ہے ''آخر یہ کالبدِ خاکی سدِّ سکندر تو نہیں ہے، اسی طرح رنجوں کے مارے اس کو تحلیل کرڈالو گی تو کیا انجام ہوگا'' دونوں خطوط کے درمیان صرف دو دنوں کا فاصلہ ہے، اس لیے ایسا امکان سے بعید نہیں کہ یہ لفظ دونوں مقامات پر استعمال ہوا ہو۔ بہرحال یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ دونوں الفاظ بالکل درست ہیں محض پچھلے خط کے متن کی پیروی میں یہاں بھی تحلیل کے لفظ کو مرجح خیال کیا گیا۔

28 71 مطالعے:ل، مطالعہ:ن

29	72	ان جھگڑوں:ن
29	72	روپے:ن۔ یہاں روپیہ کے لفظ کو محض اس لیے مرجح خیال کیا گیا کہ عام بول چال میں اور روزمرہ کے لحاظ سے یہ لفظ استعمال ہوتا رہا ہے، اسی کی رعایت کی گئی ہے۔
29	74	گوشت روٹی سے:ل، ایک غذا سے جو جی کو بھائے:ن۔ یہاں لؔ کے متن کو ترجیح دی گئی ہے کیوں کہ یہ نہ تو املا کی غلطی کے ذیل میں آتا ہے اور نہ ہی مکتوب نگار نے اس پر نظرِ ثانی کی ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرتب نے لفظوں میں ردّوبدل کرتے ہوئے کھانے کی خصوصیت کو عمومیت سے تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ نؔ کے متن کو مرتب کی کارستانی مانتے ہوئے اختلافِ نسخ میں درج کیا گیا۔
31	76	میرے ڈپٹی کلکٹر:ن۔ لؔ کے متن کو ترجیح دی گئی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس لفظ سے مفہوم کی ادائیگی بہت واضح طور سے ہورہی ہے، اس لیے اس کو تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔
31	77	پس انداز بھی کرتا جاتا ہوں:ن
31	77	فیسِ مدرسے:ل، فیسِ مدرسہ:ن۔ پوری کتاب میں محرّف صورت میں اضافت کی دو مثالیں موجود ہیں؛ ایک تو اسی خط میں 'اگر تم فیسِ مدرسے کے علاوہ روپیہ خرچ کرنے سے فائدۂ علمی حاصل کرسکو' اور دوسری مثال خط نمبر 42 میں ہے ''ایک وسطِ دائرہ یا مرکزِ دائرے میں'' میرا ماننا یہ ہے کہ دونوں مقامات پر کتابت کی غلطی کی تکرار نہیں ہوسکتی۔ یہ امر اتفاقی بھی نہیں، بلکہ اُس زمانے میں محرّف صورت میں اضافت کا چلن ابھی باقی تھا کم ہی سہی لیکن تھا۔فی الحال میرے سامنے دو مثالیں ہیں، فسانۂ عجائب [مرتبۂ

رشید حسن خاں، ص 71] میں رجب علی بیگ سرور کی ایک غزل شامل ہے، اس کا ایک شعر یوں ہے:

پر تلک تھا جس مکاں پر شمع رویوں کا ہجوم
چھانتے ہیں اب وہاں پر خاکِ پروانے کو ہم

دوسری مثال بھی اسی کتاب سے ماخوذ ہے: 'ندامت سے عذر کیا کہ حالتِ نشے میں جھک مارا' [ایضاً، ص335] اسی مثال میں ذوق کا بھی ایک شعر پیش کیا جاسکتا ہے۔

کوسوں کیا تنگیِ زمانے کو
کہ نہیں جاے سر اٹھانے کی

اس شعر کو مثال میں پیش کرنے سے پہلے رشید حسن خاں نے لکھا ہے: ''البتہ اضافی ترکیب عموماً غیر مناسب معلوم ہوتی ہے'' مزید لکھتے ہیں: '' اس میں ''تنگیِ زمانے'' اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ یہی صورت نثر میں پیش آتی ہے۔'' [زبان اور قواعد: رشید حسن خاں، ص 264] ان مثالوں کی روشنی میں نذیر احمد کے خط میں ''فیسِ مدرسے'' اور ''مرکزِ دائرے'' کی ترجیح کا جواز تلاش کیا جاسکتا ہے؛ اسی جواز کے پیشِ نظر ل کے متن کو مرجح سمجھا گیا۔

31	77	کتاب کے دام ہوں: ن۔ ل کا متن روزمرہ اور عام بول چال کے انداز سے قریب تر ہے اور بجاے خود اداے مفہوم بھی کررہا ہے، اس لیے اسے ترجیح دی گئی۔
31	77	تم سے توقعات: ل، تم سے امید ہے: ن
31	78	'امید ہے کہ' یہ فقرہ ن میں موجود نہیں، ل کے متن کو باقی رکھا گیا۔
32	78	چار: ل، کئی: ن
33	80	عربی کے اشعار: ل، اشعار: ن

33	80	لکھواتے ہو: ن۔ یہ نذیر احمد کا خاص انداز ہے کہ وہ 'ہے' اور 'ہیں' کے بغیر جملوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس کی متعدد مثالیں اس کتاب میں بھی موجود ہیں، مثلاً خط نمبر 44 میں: '... پرزے بے ترتیب جما دیتے اور گھڑی کو تباہ بلکہ از کار رفتہ کر دیتے'، خط نمبر 55 میں ہے: 'کیوں خود حیران ہوتے اور کیوں ہم سب کو حیران کرتے' ان مثالوں کی موجودگی میں لٓ کی عبارت کو مرجح سمجھا گیا کہ یہ ایک مخصوص اسلوب کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔
33	81	'ایک خط ... سناؤ' یہ ٹکڑا صرف لٓ میں موجود ہے باقی اشاعتوں میں اس وجہ سے بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ نٓ کا نقشِ ثانی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مرتب نے یا تو مصلحتاً اس حصے کو نظر انداز کیا ہوگا یا پھر کسی وجہ سے کتابت ہونے سے رہ گیا ہوگا۔ چوں کہ معنوی طور پر یہ ٹکڑا سیاق عبارت سے مربوط ہے، اس لیے لٓ کے متن کو ترجیح دی گئی۔
34	81	لٓ میں یہاں ''ہے'' کا اضافہ ہے، یعنی ''معذور ہے'' عبارت کے بہتر مفہوم کی ادائیگی کی غرض سے اس کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔
34	82	فراغت حاصل کرو: ن
34	83	کورنش سات: ل، یہاں نٓ کے متن کو مرجح خیال کیا گیا ہے۔ عبارت کی موزونیت اور آہنگ کی وجہ سے ایسا کیا گیا، کیوں کہ اس میں دو ترکیبوں کا استعمال ہوا ہے۔ 'خاطر نیاز مآثر' اور 'تسلیمات کورنش سات' پہلی بات تو یہ ہے کہ ترکیب اول سہ لفظی ہے، اس لیے اس امکان کو خارج نہیں کیا جاسکتا کہ دوسری ترکیب بھی سہ لفظی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ عبارت میں ایک خاص آہنگ موجود ہے، یعنی پہلی ترکیب میں 'خاطر' اور اس کی رعایت سے 'مآثر' اس لیے مناسب تر معلوم ہوتا

ہے کہ دوسری ترکیب میں 'تسلیمات' اور اس کی رعایت سے 'سمات' کچھ بے محل نہیں۔ انھی اسباب کی بنا پر ن ٓ کے متن کو شامل کیا گیا ہے۔

36	84	میرے برابر: ن۔ اشاعت اول میں دو مقامات پر 'میری برابر' کا لفظ استعمال ہوا ہے، ایک اس خط میں اور دوسرا خط نمبر 88 میں 'مجھ سے بہتر میری برابر وغیرہ' اور اشاعت ثانی میں دونوں مقامات پر 'میرے' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ دو دو مقامات پر 'میری' کے لفظ کے استعمال ہونے کی وجہ سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ لفظ نذیر احمد ایسے ہی استعمال کرتے تھے۔ ان کی دیگر کتابوں میں اس کی دلیل موجود ہے، مثلاً مرآۃ العروس میں: '...عقل، سمجھ، یاد سب مرد کی برابر عورت کو دیے ہیں۔' [ص 15] بنات النعش میں: '' ان کی بہو بیٹیاں مردوں کی برابر کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔' [ص94] 'یہاں کے سارے انگریز پادریوں کی برابر ان کی تعظیم کرتے ہیں۔' [ص131] ان دلائل اور شواہد کی بنا پر ل کے متن کو ترجیح دیتے ہوئے 'میری' کے لفظ کو اصل متن میں جگہ دی گئی اور 'میرے' کو اختلافِ نسخ میں ذکر کرنا مناسب خیال کیا گیا۔
36	84	'' تم کو خدا......'' ل میں جملہ یوں موجود ہے: '' تم کو خدا نے اور ایسے ہزاروں پر'' اور ن میں '' تم کو خدا نے اُس پر اور ایسے ہزاروں پر'' لکھا گیا ہے۔ اشاعتِ اول کے متن کو قبول کرنے میں یہ قباحت آئے گی کہ یہاں پر '' اُس پر'' کا لفظ محذوف ماننا پڑے گا کیوں کہ موجودہ عبارت سے پورا مفہوم ادا نہیں ہو پا رہا ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے اشاعتِ ثانی کے متن کو ترجیح دی گئی اور اسے شاملِ متن کیا گیا۔ ویسے بھی اس لفظ کے اضافے سے عبارت میں کوئی خرابی نہیں پیدا ہو رہی ہے۔ بس یہ خیال کرتے ہوئے کہ کسی

وجہ سے یہ لفظ کتابت سے چھوٹ گیا اور غلط نامے میں بھی شامل ہونے سے رہ گیا، اس لفظ کو شاملِ عبارت کرلیا گیا۔

36 84 نؔ میں یہ جملہ یوں ہے: 'زبانِ مقطوع اللسان یا لسانِ مقطوع اللسان بے شک مہمل ہے' مزید اس کے آگے کی یہ عبارت 'دوسرے فرضِ غلط پر اِس قدر شورش' بھی نؔ میں موجود نہیں۔ لؔ کی مطابقت اختیار کی گئی۔

36 85 یہ آیت سورۃ القلم کی ہے، اصل آیت و ان یکاد ...... سے شروع ہوکر لمجنون پر مکمل ہوتی ہے۔ متن میں اس آیت سے پہلے ماشاء اللہ...... کا فقرہ آیت کا حصہ نہیں ہے۔

36 86 کرنٹ انگلش: ن

37 86 فرمایش کیا کرو: ن۔ جملے کی ساخت کو دھیان میں رکھتے ہوئے لؔ کی مطابقت اختیار کی گئی۔

37 87 تلافی ہے اُن احسانوں کی: ن

37 87 'نقصانِ عقل کی وجہ سے' یہ فقرہ نؔ میں موجود نہیں، لؔ کی مطابقت اختیار کی گئی۔

38 88 انگریزی کیا ہی: ل، انگریزی کیا ہے: ن۔ لؔ کے متن کی تفہیم میں نہیں کرسکا۔ اس لیے معنی کی مناسبت سے نؔ کے متن کو ترجیح دی گئی۔

39 88 اب میں بھی: ن

39 88 گھنٹے: ن۔ دونوں صورتیں بجائے خود درست ہیں۔ لؔ کے متن کو اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی، اسی کو اختیار کیا گیا۔

39 89 ''بشیر! کتنا کتنا...مراسلت کیا تھی'' عبارت کا یہ پورا ٹکڑا نؔ میں اور موخر اشاعتوں میں موجود نہیں ہے۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ مرتب نے اس حصے کو کس بنیاد یا مصلحت سے نؔ کے متن میں شامل نہیں کیا۔

		چوں کہ یہ پوری عبارت لؔ میں موجود ہے اور نذیر احمد کے دلی جذبات کی عمدہ عکاسی بھی کررہی ہے، متن میں شامل کیا گیا ہے۔
40	89	'یوں لیا ہے کہ مراسلت موقوف' نؔ میں 'کہ مراسلت موقوف' اضافہ شدہ ہے۔ اس سے انکارنہیں کہ اس سے عبارت کا مفہوم مزید واضح اور روشن ہوگیا ہے لیکن اس کے بغیر بھی عبارت کی تفہیم کچھ مشکل نہیں۔ عبارت بجاے خود مکمل ہے۔ اس لیے لؔ کے متن کو ہی برقرار رکھا گیا۔
40	89	بس:ل، پس:ن، لؔ کے متن کو راجح سمجھا گیا۔
40	90	'تمھارے امتحانی ... ہوسکتا ہے' یہ جملہ لؔ میں نہیں ہے، چوں کہ نؔ میں موجود ہے، اس لیے اس اضافے کو شامل کیا گیا۔
40	90	اردو میں:ل، اردو ہیں:ن۔ لؔ کا متن اگرچہ بہت واضح تو نہیں ہے لیکن معمولی تکلف کے ساتھ ہی سہی معنی کی تکمیل کررہا ہے۔ اس لیے اس کو جوں کا توں باقی رکھا گیا۔
40	90	13 / اگست:ل، 3 / اگست:ن۔ اس خط میں 13 / اگست کے بجاے 3 / اگست کی تاریخ مرجح معلوم ہوتی ہے۔ اولاً اس لیے کہ ن میں اس خط کو 5 / اگست والے خط سے پہلے ذکر کیا گیا ہے اور ایک اندرونی شہادت بھی موجود ہے۔ خط 40 میں نذیر احمد نے بشیرالدین احمد کی طرف سے ترکِ مراسلت کا ذکر کیا ہے، اور خط 41 میں بھی وہ لکھتے ہیں: 'تم نے میرے استفسار کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اس واسطے کہ مطلقاً مجھ کو خط لکھنا ہی غیرضروری ہورہا ہے...' اس اقتباس سے بھی ایک توجیہ یہ نکلتی ہے کہ یہ خط ترکِ مراسلت والی بات سے موخر ہونا چاہیے۔ انھی دو وجہوں سے یہ مان لیا گیا کہ خط 40 میں تاریخ غلط لکھ دی گئی اور غلط نامے میں بھی شامل نہ ہوسکی۔

اسی لیے ن کی ترتیب کا جواز اپنی جگہ باقی رہتا ہے۔

41　91　انجاز وعدتک:ن

42　92　لڑکے تو ہو مگر:ن

42　92　مرکزِ دائرے:ل، مرکزِ دائرہ:ن، اس کی پوری بحث خط نمبر 31 کے تحت گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

42　93　الٹی:ل، سیدھی:ن۔ ن میں جملہ یوں ہے: 'کوکنے میں سیدھی کنجی دی جاتی ہے جس طرح ہم لوگ معمولی قفلوں کو بند کرتے ہیں۔' موجودہ زمانے میں قفلوں کو تو الٹی طرف گھما کر بند کیا جاتا ہے، میں نہیں کہہ سکتا اُس زمانے میں قفل بندی کا کیا طریقہ رائج تھا۔ صاف اور واضح بات یہ بھی ہے کہ ل میں ''الٹی'' کا لفظ قفل بندی کے موجودہ طریقے کے حسبِ حال معلوم ہوتا ہے اس لیے اُسی کو ترجیح دی گئی۔ ایک دوسری بات یہ کہ ل میں جہاں جہاں ''الٹی'' کا لفظ ہے ن میں وہاں ''سیدھی'' کا لفظ لکھا گیا ہے، اور اس کے برعکس بھی، یعنی جہاں ''سیدھی'' کا لفظ ہے وہاں ن میں ''الٹی'' کا لفظ۔ چوں کہ اصولِ قفل بندی کے اعتبار سے ل کا متن مناسب تر معلوم ہوتا ہے اس لیے اسی کو مرجح خیال کیا گیا۔

42　93　آر کے نشان ہوتے ہیں:ن۔ ل کا متن چوں کہ بجائے خود مکمل ہے، اس لیے اسے برقرار رکھا گیا۔

42　93　ن میں جملہ یوں ہے: 'بے کار اور معطل رکھ دینے سے گھڑی کے خراب ہوجانے کا احتمال ہے'

43　94　'تم نے ... ہائے افسوس حساب' یہ پوری عبارت ن میں شامل نہیں ہے؛ ل میں موجود ہونے کی بنا پر متن میں شامل کی گئی۔

43　95　ضعف:ل، خاک:ن

43	95	اضافہ:ل، جہاں جہاں محرف صورتیں آنی چاہئیں، وہاں قطعِ نظر اس کے کہ متن میں کیا ہے محرف صورتوں کو اختیار کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں رشید حسن خاں کا یہ اقتباس ہمارے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''جن لفظوں کے آخر میں ہائے مختفی ہوتی ہے، جیسے: کعبہ، پردہ، خانہ (وغیرہ) تو محرف ہونے کی صورت میں ہائے مختفی سے پہلے والا حرف، جو اصلاً مفتوح ہوتا ہے، مکسور ہوجایا کرتا ہے اور اس لیے کتابت میں وہ ہائے مختفی، یائے مجہول سے بدل جاتی ہے، جیسے: کعبے میں، پردے پر... اب ایسے سارے مقامات پر محرف صورت میں ہائے مختفی کی جگہ یائے مجہول لکھی جائے گی اور اس کو لازم سمجھا جائے گا، اور اس میں کسی طرح کے استثنا کو دخل نہیں دیا جائے گا۔'' [اردو املا، ص 643]
43	95	مت ہونے دو:ل، نہ ہونے دو:ن
44	95	'چند روز ...ملفوف ہے' یہ طویل عبارت نؔ میں شامل نہیں، صرف لؔ میں ہے، اور سیاقِ عبارت سے اس کا مربوط ہونا بھی واضح ہے۔ اسی بنیاد پر لؔ کے متن کو برقرار رکھا گیا۔
44	96	'تم کو ... کس حال میں ہے' یہ ٹکڑا بھی نؔ میں شامل نہیں، لؔ کے متن کو باقی رکھا گیا۔
44	96	اور لکھنے کی ہیں:ل، اور لکھنی ہیں: ن
44	97	ورنہ احتمال ہے کہ گرد اور ذرّات اس کے پرزوں میں گھس جائیں اور سیل اور ایسا سفیر کے اثر سے گھڑی خراب ہوجائے:ن
44	98	لؔ میں نسیم کے مصرعے کا وزن مفعول مفاعلن فعولن لکھا گیا ہے لازمی طور سے مفعول مفاعلن فعولن آئے گا، نؔ میں درست لکھا گیا ہے، اسی کو ترجیح دی گئی۔ اسی طرح فارسی شعر میں بھی اشاعتِ اوّل

میں فاعلاتُ فاعلات لکھا گیا ہے وہاں بھی اس کو درست صورت میں[فاعلاتن فاعلات]نؔ کے مطابق لکھا گیا۔

44 98 مصراع:ل، یہ دونوں الفاظ بجائے خود درست ہیں، اور آصفیہؔ اور نورؔ میں دونوں لفظوں کو یکساں طور سے درج لغت کیا گیا ہے۔شعرا نے دونوں لفظوں کو نظم بھی کیا ہے، لیکن نورؔ میں لکھا ہے کہ" اب مصرع ہی بیشتر مستعمل ہے"اسی رعایت سے نؔ کے لفظ کو ترجیح دی گئی ہے۔

44 98 میں نے زمانِ طالب العلمی میں یہ کتابیں دیکھی تھیں:ن

44 99 'غالب ہے...ہو گئے'یہ جملہ نؔ میں نہیں، لؔ کے متن کو اختیار کیا گیا۔

44 99 27/ اگست:ن۔ یہاں اوّل کے متن کو اس بنیاد پر ترجیح کا فائدہ دیا گیا کہ اس نسخے میں ایک دوسرے مقام پر خط کی تاریخ غلط کتابت ہوگئی تھی، اسے غلط نامے میں صحیح کیا گیا۔ یہ احتیاط پسندی کی عمدہ ترین مثال ہے۔ چوں کہ اس تاریخ کو درست نہیں کیا گیا اور بہ ظاہر لؔ کے متن کو مرجح مان لینے میں کوئی قباحت بھی نہیں معلوم ہوتی، اسے ہی متن میں شامل کیا گیا۔

45 99 طلائی:ل، طلاے:ن۔ نؔ کو ترجیح اس لیے دی گئی کہ'طلائی خالص' کی ترکیب کہیں نظر نہیں آئی، اور قاعدے کی رو سے بھی ن کا متن مرجح ہے۔'طلا' کو جب مضاف کیا گیا تو یاے مجہول کا اضافہ کردیا گیا۔ یہی قاعدہ ہے، اس لیے'طلاے خالص' درست صورت ہے۔

46 101 عربی کے:ن۔ یہاں بھی لؔ کے متن کو محض اس لیے ترجیح دی گئی کہ 'شکلِ عربیٔ' میں اضافت کے زیر کے اضافے سے مفہوم مکمل ہو جاتا ہے۔ چوں کہ اس نسخے میں کہیں بھی اضافت کے زیر یا دیگر علامتیں استعمال نہیں کی گئی ہیں، اس لیے بہر حال اس کا جواز باقی ہے۔

46 101 تسلی رہی: ن۔ 'تسلی رہے' کا محل ہے، ل کی مطابقت اختیار کی گئی۔

46 101 ل میں یہاں پر 'قیام خود' کا لفظ ہے جو عبارت کے حسبِ حال نہیں۔ یوں کہ شعرِ بالا سے بھی 'قیامِ خلود' کی ترجیح کا واضح اشارہ ملتا ہے، ن کے متن کو قبول کیا گیا ہے۔

46 102 تم کو خرچ کی طرف سے تکلیف نہ ہو: ن

46 102 گذر: ل، یہاں ن کے متن 'گزر' کو ترجیح اس لیے دی گئی کہ غالب کی طرح نذیر احمد بھی فارسی میں وجودِ ذال کے قائل نہیں تھے، قطعِ نظر اس سے کہ صحیح صورتِ حال کیا تھی، تدوین کے اصولوں کی روشنی میں اب ان کی تمام تحریروں میں 'گزر' ہی لکھا جانا چاہیے۔ یہ لازمی بات ہے۔ اسی کے تحت یہ روش اپنائی گئی۔

46 102 واحد علی: ل، میاں: ن۔ چوں کہ ن میں جملہ مقامات سے اسماے معرفہ کو [بعض مصلحتوں کی بنا پر] محذوف کردیا گیا ہے، اس لیے یہاں پر ''میاں'' کے لفظ کا اضافہ کرتے ہوئے عبارت کو مربوط کرنے کی کوشش کی گئی۔ اب چوں کہ جملہ اسماے معرفہ کو ل کے مطابق شامل کرلیا گیا ہے، یہاں بھی اسی متن کو ترجیح حاصل رہے گی۔

46 102 ہانک چلتا ہے: ن۔ ل کو مرجح اس لیے سمجھا گیا کہ جملۂ ماقبل 'بھڑ گیا' سے ایک خاص آہنگ کا فائدہ بھی ہو رہا ہے۔

48 105 اس خط کے ساتھ ایک اور خط جو اول میں خط نمبر 85 پر ہے، اشاعتِ ثانی میں ایک ہی خط نمبر یعنی 46 کے تحت ہی لکھا گیا ہے گویا ثانی کا 46 نمبر اول کے 46 اور 85 دونوں نمبروں کو محیط ہے اور اندرونی طور پر کوئی ایسا اشارہ نہیں مل سکا جس سے اس بات کا تعین کیا جاسکتا کہ ان دونوں خطوں کو کہاں اور کس ترتیب سے ہونا چاہیے، انھیں ایک ہی خط کے ذیل میں رکھا جائے یا علاحدہ

صورتوں میں لکھا جائے۔ اس تذبذب کی صورت میں اشاعتِ ثانی
کی مطابقت اختیار کی گئی ہے، یوں کہ حسنِ ترتیب کے نقطۂ نظر سے
وہ اس کتاب کا بہترین نسخہ ہے۔
ایک بات اور: تَ میں لَ کے ان تمام خطوط کو ایک ضمیمے کے تحت
درج کر دیا گیا ہے، جو کسی مصلحت کے تحت نَ میں شامل نہیں کیے
جا سکے تھے۔ اس ضمیمے میں لَ کے خط نمبر 85 یعنی ''عربی کا خط ...
ضرورت ہے'' کو بھی شامل کیا گیا ہے جب کہ نَ کے متن میں اس
ٹکڑے کو خط نمبر 46 کے تحت اصل متن میں درج کیا گیا ہے۔ اس
طرح اس ٹکڑے کی تکرار ہوگئی ہے، یعنی خط نمبر 46 میں بھی اور ضمیمے
میں بھی۔ محض وضاحتاً یہ بات لکھی گئی۔

48	105	لیکن ہزاروں لاکھوں...آتے ہی جاتے ہیں:ن
48	107	ملیں، آمین:ل۔ باقی اشاعتوں میں آمین کا لفظ موجود نہیں ہے۔ بہ ظاہر جملے کی ساخت سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ 'آمین' کا لفظ کچھ غیر مناسب ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں دعائیہ کلمات کا نہیں بلکہ تمنائی کلمات کا استعمال ہوا ہے۔ 'آمین' کا لفظ عام طور سے دعائیہ کلمات کے بعد ہی لکھا جاتا ہے، اس لیے اول میں ہونے کے باوجود اسے حذف کرنا مناسب تصور کیا گیا اور ثانی کے متن کو ترجیح دی گئی۔
50	109	یہ خط اشاعتِ ثانی میں 48 ویں نمبر پر شامل کیا گیا ہے، اور اشاعتِ اول میں موجود نہیں۔ اس ضمن میں یہ خیال گزرتا ہے کہ شاید مصنف [ڈپٹی نذیر احمد] نے طبعِ ثانی کے وقت اس خط کو مرتب کے حوالے کیا ہو؛ اس کی شہادت بھی موجود ہے۔ مرتب نے طبعِ ثانی کے مقدمے میں لکھا ہے کہ'.....اور خود مصنف کے بہت سے خطوط ہیں

جو عنہ الجبیر للطبع الثانی بہم پہنچائے گئے۔ اس اعتراف کو تسلیم کرتے ہوئے اس خط کو اس کی موجودہ صورت میں اس موجودہ مقام پر باقی رکھنا مناسب خیال کیا گیا۔

50 112 متن میں "7" ہندسے میں لکھا گیا تھا۔ میں نے اسے لفظوں میں لکھنا مناسب خیال کیا کیوں کہ اسی پیراگراف میں 'سات بولیوں' اور 'سات بولیاں' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اسی طرز اور روش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس تبدیلی کے جواز کو روا کی گئی ہے۔

51 115 بعد حسنِ طلب: ن۔ ل کے متن کو اس لیے ترجیح دی گئی کہ بغیر اس اضافے کے بھی معنی کی تکمیل ہو رہی ہے۔

55 119 حیران کرتے ہو: ن۔ یہاں بھی ل کے متن کو مرجح سمجھا گیا۔

55 119 'چار روپیہ آٹھ آنہ' ل اور ن میں یہ رقم قدیم روش میں لکھی گئی تھی۔ میں نے ت کی پیروی میں اور تقاضائے وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے لفظوں میں لکھنے کا فیصلہ کیا۔

56 120 لفظ 'گذشتہ' ل میں اپنے صحیح املا کے ساتھ لکھا گیا تھا لیکن ن میں ڈپٹی نذیر احمد کے ترجیحی املا کے مطابق یعنی 'گزشتہ' لکھا گیا۔ یہ بات ہمیں بہت واضح طور سے معلوم ہے کہ نذیر احمد فارسی میں وجود ذال کے قائل نہیں تھے [قطعِ نظر کہ صحیح صورتِ حال اس کے برعکس ہے] اس لیے ہر جگہ ان کی تصانیف میں فارسی لفظوں کو ذال سے نہیں زے سے لکھنا ہوگا۔ اسی اصول کی پیروی میں 'گذشتہ' کو 'گزشتہ' کیا گیا ہے۔

56 121 آج کل کے سو دو سو نہیں تو چالیس پچاس مولویوں سے تو بہتر تھے: ن

56 123 'جنوری گزری' ن میں یہی غلط لکھا گیا ہے یعنی 'جنوری' کو مونث

کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ روزمرّہ میں
''جنوری، فروری، مئی'' وغیرہ مونث استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ اس
کی وجہ ان لفظوں کے آخر میں یاے معروف کی موجودگی ہے، جس
کی وجہ سے بار ہا، غیر ارادی طور پر زبان سے مونث کا صیغہ نکل جاتا
ہے، ورنہ یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ کسی لفظ کے اخیر میں یاے
معروف کی موجودگی اس کے مونث ہونے کی دلیل قطعی نہیں بن
سکتا؛ ورنہ علی، آدی اور عرشی یہ تمام الفاظ مونث ہوجائیں جب کہ یہ
جملہ الفاظ بالاتفاق مذکر ہیں۔ بہر حال ل کی مطابقت میں اور جملۂ
موخر 'دسمبر گزرے گا' کی رعایت سے ''جنوری'' کو بھی مذکر استعمال
کیا گیا ہے۔ حالاں کہ اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں معلوم ہوتی
لیکن اگر ''جنوری اور دسمبر'' کی ابتدا میں ''ماہ'' کا لفظ مخفی مان لیا
جائے تو ساری صورتِ حال خود بہ خود واضح ہوجائے گی۔

58 125 ل میں'' اٹاوہ'' کا لفظ تین مقام پر آیا ہے ایک جگہ اٹاوہ اور
دو جگہوں پر اٹاوے [محرف صورت میں] ن میں تینوں مقامات پر
محرف صورت میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس خیال سے کہ ل
میں بھی اٹاوے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور دو دو بار : اور بجاے
خود دونوں صورتیں درست ہیں ، پھر اسی خط میں مزید دو شہروں
: آگرے اور کلکتے کا ذکر بھی محرف صورت میں ہوا ہے، اس لیے
تینوں مقامات پر اس لفظ کو محرف صورت میں ''اٹاوے'' لکھنا
مناسب تر خیال کیا گیا۔

58 125 مولوی مہدی علی صاحب کی: ن۔ یہاں مولوی نذیر احمد کے طریقۂ
تخاطب کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔ اس خط میں
مولوی مہدی علی صاحب کا نام دس مقامات پر آیا ہے، سید احمد خاں

صاحب کا چار مقامات پر اور منشی غلام غوث صاحب کا تین مقامات
پر؛ پہلی اشاعت میں مولوی مہدی علی صاحب کے نام کے ساتھ
صرف ایک جگہ تعظیمی لفظ ''صاحب'' کا استعمال ہوا ہے، سید احمد
خاں کے نام کے ساتھ تین مقامات پر تعظیمی لفظ کا استعمال ہوا اور
منشی غلام غوث صاحب کے ساتھ دو مقامات پر۔ اس کے علاوہ ل
کے متن کا جو آہنگ ہے وہ بھی اس امر کا متقاضی ہے کہ بیش تر
مقامات پر تعظیمی لفظ کا استعمال اگر نہیں ہوا ہے تو وہ حسبِ حال
ہے۔ ن کے متن میں ایک مقام کو چھوڑ کر باقی ہر جگہ ''صاحب''
کے لفظ کو شامل کیا گیا ہے، نہ صرف شامل کیا گیا ہے بلکہ لفظوں اور
جملوں کی ساخت، اس کے آہنگ اور آتش نوائی کو بھی متاثر کرنے
کی کوشش کی گئی ہے اور یہ سب کچھ ''بعض ضروری امور کی ترمیم''
کے تحت کیا گیا ہے۔ میری دانست کے مطابق مرتب کو یہ قطعاً حق
نہیں پہنچتا کہ وہ مصنف کے متن میں اس طرح کی دخل اندازی
کریں۔ یہ تدوین کے اصول کی بنیادی طور سے خلاف ورزی ہے۔
چناں چہ میں نے ل کے متن کو جوں کا توں باقی رکھا اور اختلافِ
نسخ کے ضمیمے میں ن کے متن کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔

58	125	مرآۃ العروس کا انعام:ن
58	126	ایک صبیح نوجوان، طنبورچیوں کی سی پوشاک:ل، ایک جوانِ صبیح بے باکانہ:ن
58	126	شاید خفی اڑانے سے کچھ:ن
58	126	مہدی علی ہیں جنھوں نے:ن
58	126	کتاب کی تفضیح کر رہے ہیں:ن
61	136	یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اول میں ''مسمی ابنِ اقل

الاعمار' بغیر کسی فاصلے کے لکھا ہوا ہے، جب کہ ثانی میں انگریزی لفظوں اور عربی الفاظ کے درمیان میں بریکٹ کے ذریعہ فاصلہ رکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس طرح عربی لفظ کو بریکٹ کے اندر لکھ دینے سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ عربی لفظ انگریزی لفظ کی تشریح بن گیا۔ اسی لیے زیادہ مناسب خیال کیا گیا کہ یہاں بریکٹ کے نشان کو باقی رکھا جائے تاکہ عبارت مزید واضح اور روشن ہو سکے۔

62 137 نؔ میں بیش تر اسمِ معرفہ کو [بعض ضروری امور کی متروکی کے تحت] محذوف کرتے ہوئے اس کی جگہ لکیر کھینچی گئی اور ''صاحب'' کا اضافہ کیا گیا، جب کہ لؔ میں ''صاحب'' کا تعظیمی لفظ موجود نہیں۔ لؔ کی مطابقت اختیار کی گئی ہے۔

62 138 'وہ میرے کام کا نہ ہوتا' نؔ کی عبارت اگر چہ بہتر طور سے مفہوم کی ادائیگی کر رہی ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ لؔ کا متن بھی معنی کی تکمیل کر رہا ہے، مزید اس کی تائید جملہ مابعد سے بھی ہو رہی ہے اور دونوں جملوں میں آہنگ کی ایک کیفیت بھی موجود ہے۔ چناں چہ یہی مناسب خیال کیا گیا کہ لؔ کے متن کو باقی رکھا جائے۔

63 138 سر سالار جنگ سے: ل، نواب سر سالار جنگ بہادر سے: ن

63 139 جناب نظام سے: ل، حضور نظام سے: ن

64 142 'جب میرا ... بھیجوں گا' یہ حصہ نؔ میں موجود نہیں، یا تو دانستہ طور پر یا تقاضاے بشریت کی کرشمہ آرائی کے طور پر۔ یہاں لؔ کے متن کی مطابقت میں اسے شامل کیا گیا ہے۔

65 144 'اور چوریاں' کا لفظ نؔ میں نہیں ہے۔

65 144 صدر مدارُ المہام: ن میں 'صدرالمہام' کے بجاے 'صدر مدارالمہام'

لکھا ہوا ہے اور جو اشاعتیں ن پر مبنی ہیں، ان سب میں بھی یہی صورت ہے لیکن ل میں 'صدرالمہام' لکھا گیا ہے اور یہی درست ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سرکارِ نظام میں عہدوں کی ترتیب کچھ اس طرز پر تھی: 'نواب صاحب مدارُالمہام ہیں اور اُن کے نیچے چار صدرالمہام' صدر مدارالمہام کے نام سے کوئی عہدہ نہیں تھا، اس لیے یہ بات صاف ہے کہ 'صدرالمہام' کالفظ یہاں مناسب ہے، اور 'صدر مدارالمہام' کا لفظ کسی وجہ سے ن میں داخل ہوگیا، اس کو کتابت کی غلطی کا کرشمہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ بہر حال ل کے متن کو باقی رکھا گیا ہے کیوں کہ وہی اصلیت سے قریب اور سیاقِ عبارت کے موافق ہے۔

67	148	خط کی ابتدا میں عربی کا فقرہ ن میں موجود نہیں ہے، ل کی مطابقت اختیار کی گئی۔
67	148	تمھاری:ن۔ بادی النظر میں ل کا متن غیر مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن ذرا سا غور کرنے سے پوری بات آئینے کی طرح صاف اور واضح ہوجاتی ہے۔ وہ یوں کہ 'روپیہ' بالاتفاق مذکر ہے اور 'گورنمنٹ' کا لفظ بہ طورِ عموم مونث کی حیثیت سے استعمال میں ہے۔ اس فقرے میں 'تمھارے' مضاف الیہ ہے، اگر 'گورنمنٹ' کو اس کا مضاف مانا جائے تو 'تمھارے' کا لفظ غیر مناسب ٹھہرے گا، کیوں کہ اُس صورت میں 'تمھاری گورنمنٹ' کی ترکیب درست ہوگی، لیکن 'روپیہ' کو مضاف ماننے کی صورت میں یہ ترکیب بالکل درست ٹھہرے گی۔ میرے خیال میں ایسا مان لینے میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے، اسی توجیہ کے تحت ل کے متن کو بدلنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔
69	150	'جب کہ... دیا کرو' یہ حصہ ن میں موجود نہیں اور اس کی پیروی میں

		مابعد اشاعتوں میں بھی نہیں۔ صرف ل میں ہے اسی کی مطابقت اختیار کی گئی ہے۔
71	153	بمبئی میں:ن۔ چوں کہ تھوڑے تکلف کے ساتھ ہی سہی ل کے متن سے بھی اخذِ مفہوم ہو رہا ہے اس لیے اسی کو باقی رکھا گیا۔
73	156	یہ خط صرف اول میں ہے، باقی اشاعتوں میں نہیں۔ چوں کہ ل کے خطوط کو بھی اب اس ایڈیشن میں شامل کیا گیا ہے، اسے بھی شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔
74	157	بہت بہت:ن۔ ل کی مطابقت اختیار کی گئی۔
74	158	گر جانا:ن۔ حسنِ بیان کا تقاضا یہی ہے کہ ل کے متن کو ترجیح دی جائے کیوں کہ پورے جملے کی نشست پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ 'چڑھنے' کے مقابلے میں 'گرنے' کے لفظ کے استعمال سے صنعتِ تضاد کی خوبی بھی پیدا ہو رہی ہے۔
74	158	مہدی علی صاحب:ن۔ سابقہ خطوط کی طرح اس میں بھی تعظیمی لفظ 'صاحب' کا استعمال ہوا ہے جو ل میں نہیں، یہاں بھی ل کے متن کی مطابقت اختیار کی گئی ہے۔
76	160	عربی کا شعر ل میں موجود نہیں ہے، ن کی پیروی میں اسے شامل کیا گیا ہے۔
77	161	'میاں بشیرا' یہ فقرہ ل میں نہیں ہے، ن کی مطابقت میں اسے شامل کیا گیا ہے۔
77	162	تحصیل کے لیے:ل، اس کے لیے:ن
78	162	یہ خط بھی ن میں موجود نہیں، ل کے علاوہ ت کے ضمیمے میں شامل کیا گیا ہے۔ اس خط میں تاریخ بھی موجود ہے۔ ل کی پیروی میں اب اسے بھی شاملِ متن کیا جا رہا ہے۔

صفحہ	سطر	
79	163	مسٹر: ل، مسز: ن اور باقی نسخوں میں بھی یہی ہے؛ ن میں کوئی توضیحی حاشیہ موجود نہیں البتہ ب میں [یہ نسخہ خود بشیر الدین احمد نے اپنی نگرانی میں شائع کیا تھا] 'مسز' کا لفظ لکھتے ہوئے اس پر حاشیہ لگایا گیا ہے کہ 'غدر میں میاں بشیر کے نانا عبدالقادر صاحب نے ایک میم کی جان بچائی تھی۔' یہ حاشیہ ت میں بھی موجود ہے۔ انھی دلیلوں کی بنیاد پرل کے متن 'مسٹر' کو قابلِ ترجیح نہیں سمجھا گیا اور ن کے لفظ کو ترجیحاً شاملِ متن کیا گیا۔
80	164	تموّج کا ایسا زور و شور: ن
80	165	'خاصی' کا لفظ ن میں موجود نہیں، ل کی مطابقت میں اختیار کیا گیا۔ اس سے بھی انکار نہیں کہ اس لفظ کی شمولیت سے جملے میں زیادہ معنویت پیدا ہوگئی ہے۔
81	165	یہ خط ل میں موجود ہے اور اس میں ن کے مقابلے میں متن زیادہ ہے۔ موازنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ل کے مذکورہ خط کے بعض اجزا کو حذف یا تبدیل کر کے اسے ایک علاحدہ خط کی صورت میں ن میں شامل کیا گیا جب کہ ل کے مطابق خط کی روانی اور متعلقاتِ خط میں کوئی فاصلہ اور بُعد معلوم نہیں ہوتا، پورا خط ایک ہی سلسلے کی کڑی کے روپ میں موجود ہے، اسی غرض سے اور اسی منطق سے ل کے پورے متن کو من و عن اصل متن میں جگہ دی گئی ہے۔ مزید ایک بات اور کہ ت میں اس خط کو ن کے مطابق خط نمبر ۷۷ پر لکھا گیا ہے اور ل کے مذکورہ خط کو ایک علاحدہ خط تسلیم کرتے ہوئے اُس ضمیمے میں بھی شامل کیا گیا ہے جو ل کے متروک خطوط کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔
81	165	'تم نے ... نہیں سکتا' ن میں موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ 'ابھی

شرف الحق ... متوجہ ہے' کا ٹکڑا بھی نؔ سے غائب ہے۔ اس کی فی الحال میں کوئی توجیہ نہیں کرسکتا، چوں کہ لؔ کا متن حسبِ حال ہے اور پورا خط ایک ہی سلسلے کی کڑی معلوم ہوتا ہے، لؔ کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔

83	168	یہ خط نؔ میں موجود نہیں، ہاں تؔ کے ضمیمے میں اسے شامل کیا گیا ہے۔ یہ خط لؔ میں موجود ہے، اور یہی بات اس کو زیرِ نظر نسخے میں شامل کرنے کا جواز فراہم کرتی ہے۔
84	168	یہ خط بھی نؔ میں موجود نہیں، اور تؔ کے ضمیمے میں شامل ہے۔ لؔ میں ہونے کی وجہ سے اسے شامل کیا جاتا ہے۔
85	169	یہ خط دراصل ریڈ صاحب کے نام لکھا گیا ہے اسی طرح اس مجموعے میں بعض خطوط دیگر افراد جیسے بیوی صاحب اور سبحان بخش کے نام بھی ہیں۔
85	170	نؔ میں یہاں 'جاگیرداروں' ہے، چوں کہ لؔ کے متن سے بھی اخذِ مفہوم ہورہا ہے اور جملے میں بھی کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی، اس لیے اسی متن کو منتخب کیا گیا۔
86	171	یہ خط بھی نؔ میں موجود نہیں اور لؔ میں ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ تؔ کے ضمیمے سے بھی یہ غائب ہے۔ حالاں کہ یہ خط کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں کہ اولاً تو عربی میں ہے اور ثانیاً اس کے مکتوب الیہ بشیرالدین احمد نہیں بلکہ مولوی احمد حسن ہیں۔ لیکن چوں کہ دیگر مکتوب الیہ حضرات کے خطوط کو اس مجموعے میں شامل کیا گیا ہے اور ان خطوط کو بھی شامل کیا گیا ہے جو نؔ سے کسی مصلحت کے تحت محذوف کردیے گئے تھے، یہ فیصلہ لیا گیا کہ اس خط کو بھی شاملِ اشاعت کیا جائے۔

88	172	میری برابر:ل، میرے برابر: ن۔ نذیر احمد لفظ 'برابر' کو مونث استعمال کرتے تھے۔ یہ بحث گزر چکی ہے، اسی لیے لؔ کے متن کو مرجح سمجھا گیا۔
88	172	لؔ میں 'مادّۂ لیاقت' کی ترکیب استعمال ہوئی ہے یعنی مضاف اور مضاف الیہ کی صورت ہے، یہی حال تؔ کا ہے لیکن نؔ میں اور بؔ میں [جسے بشیرالدین احمد نے اپنی نگرانی میں شائع کرایا تھا] جملے کی ساخت یوں ہے کہ 'امید وار میں مادّہ لیاقت کا ہونا ضرور ہے'۔ معنوی سطح پر دونوں ساختیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور دونوں صورتوں میں مفہوم بھی واضح اور روشن ہے۔ یہاں محض اس لیے لؔ کی پیروی کو مناسب خیال نہیں کیا گیا کہ نذیر احمد کے خاص انداز سے یہی ترکیب بے اضافت زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔
88	172	لؔ کے برعکس ن میں جملہ اسماے معرفہ کے ساتھ 'صاحب' کا تعظیمی لفظ لکھا گیا ہے۔ لؔ میں بہت سارے مقامات پر ایسا ہوا ہے کہ تعظیمی لفظ اسماے معرفہ کے ساتھ نہیں لکھا گیا۔ حالاں کہ اس کی بھی مثالیں اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں جہاں ناموں کے ساتھ یہ تعظیمی لفظ لکھا بھی گیا ہے۔ بہرحال لؔ کی مطابقت میں اس تعظیمی لفظ کو لکھنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری معلوم ہوئی کہ کہیں اسے راقم الحروف کی بے ادبی اور گستاخی پر محمول نہ کرلیا جائے۔
88	174	کنہ ہر بات:ل۔اس مقام پر یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ نؔ میں 'ہر چیز کی کنہ اور ہر بات کے اطراف جو جوانب' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ اس سے مفہوم پر کوئی خاص اثر مرتب نہیں ہوتا لیکن یہ بات اہمیت رکھتی ہے کہ یہ نذیر احمد کا خاص انداز ہے کہ جب وہ

مترادفات کا استعمال کرتے ہیں تو لفظ 'اور' کے استعمال میں کثرت کو ترجیح دیتے ہیں، ان کی مختلف تحریروں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، خود اس مجموعے میں اس طرح کی مثالیں کثرت سے مل جائیں گی، اسی لیے اُن کے اس خاص انداز کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی مناسب خیال کیا گیا کہ ن کے متن کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ذکر کرنی ہے کہ اسی فقرے میں 'اطراف جو جوانب' لکھا ہوا ہے جو یقیناً کتابت کی غلطی ہے، اُس لفظ کو ل کے مطابق درست صورت میں لکھنے کو ترجیح دی گئی ہے، یعنی 'اطراف وجوانب'

92 179 ل میں یہ خط اور 'سرسید احمد خاں... بھٹکتا پھرنے والا خط ایک ہی ساتھ نقل کیے گئے ہیں۔ ن کی پیروی میں ان کو علاحدہ علاحدہ رکھا گیا۔

93 180 اعمار: ل، عمروں: ن۔ چوں کہ دونوں الفاظ بجائے خود درست ہیں اس لیے ل کے متن کو ترجیح دی گئی۔

94 182 'حکیم سنائی...' سے خط کے اخیر تک کا متن ل میں نہیں ہے، یہ خیال کر کے کہ ایسا امکان ہے کہ کسی وجہ سے یہ شعری حصہ کتابت ہونے سے رہ گیا ہو یا ایسی ہی کوئی اور وجہ ہوسکتی ہے، ن کے متن کو شامل کیا گیا۔

96 183 ل میں 'جلوہ' اور 'حلوا' کے الفاظ بالکل درست صورت میں استعمال ہوئے ہیں، ان دونوں کا صحیح املا بھی یہی ہے؛ لیکن یہاں ایک دوسری وضاحت کرنی مقصود ہے۔ رشید حسن خاں نے لکھا ہے: ''ایسے لفظ ہم قافیہ ہوسکتے ہیں جن میں سے ایک کے آخر میں ہاے مختفی ہو اور دوسرے کے آخر میں الف ہو۔ ایسی صورت میں ہاے مختفی کو الف سے بدل دیا جائے گا، یعنی ہاے مختفی کی جگہ الف لکھا جائے گا، جیسے روانا ہوگیا، جانا ہوگیا۔ یا جیسے: سہارا ہے، اشارا ہے

		...اگر کسی شعر میں کوئی ایسا لفظ قافیے میں آتا ہے جس کے آخر میں ہائے مختفی ہو تو اُس لفظ کو اُس شعر میں ہائے مختفی کے بجائے الف سے لکھا جائے گا۔'' [اردو املا، ص307] یہ ایک مسلّمہ قاعدہ ہے اور اس کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ اسی اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ن کے متن میں 'جلوا' لکھا گیا ہے، اور 'حلوا' کے بجائے 'حلوئ' الفِ ممدودہ کے ساتھ۔ جب کہ ل، ب اور ت میں یہ لفظ بالکل قاعدے کے مطابق لکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے شعرِ مذکور میں قافیے کی رعایت کرتے ہوئے 'جلوہ' کو 'جلوا' لکھا گیا اور 'حلوا' کو اس کی صحیح صورت کے ساتھ باقی رکھا گیا۔
98	185	عصبات اللسان: ل، عصباتِ لسان: ن
100	188	یہ خط ل کے متن میں شامل نہیں۔ امکان ہے کہ طبعِ ثانی کے وقت مصنف نے اسے بہم پہنچایا ہو جیسا کہ مرتبِ موعظہ نے 'دیباچۂ طبعِ ثانی' میں اس کا اعتراف کیا ہے۔
102	190	'تم سے ... دیکھو' یہ جملہ ل میں نہیں ہے، ن کی پیروی میں اسے شامل کیا گیا۔
102	191	ل کے متن میں 102 اور 103 دونوں خطوط کو ایک ہی خط کے تحت لکھا گیا ہے، لیکن ایک بات ایسی ہے جس کی وجہ سے اسے علاحدہ لکھا گیا۔ پہلی بات تو یہ کہ ن کے متن میں اسے علاحدہ لکھا گیا ہے اور دوسری بات یہ کہ ل میں پوری کتاب کے اندر کسی جگہ بھی پیراگراف بندی کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے لیکن 'جو لوگ ...' سے پیرا بنایا گیا ہے۔ یہ ایک مضبوط دلیل ہے اس امر کی کہ یہ ایک علاحدہ خط ہوسکتا ہے۔
104	191	میری ہی بیٹی داماد: ل، میرے ہی بیٹی داماد: ن

106	194	"قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کو ماننا مشکل۔ مجھ کو کیا کرنا پڑا۔ ہاں ہاں میں نے کہا تھا" یہ پورا حصہ ن میں اسی طرح ہے، ل کے متن کو ترجیح دی گئی۔
114	220	ن میں غالبؔ کا شعر اس طرح لکھا ہوا ہے: 'گو ہاتھ میں طاقت نہیں آنکھوں میں تو دم ہے: رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے' یہ صورت ب کی بھی ہے۔ یہ شعر دیوانِ غالب، شائع کردۂ غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی کے مطابق درست کیا گیا۔

تعلیقات

(الف) اشخاص، کتب، مقامات وغیرہ

ابوالحامد: بشیر الدین احمد کے ماموں عبدالحامد کے بچے کا نام، جو شیرخوارگی میں فوت ہو گیا تھا۔

اکرام اللہ خاں: حکومتِ نظام کی مجلسِ مال گزاری کے ارکانِ ثلاثہ کے ایک رکن تھے۔ نواب یار جنگ بہادر ان کا خطاب تھا۔ یہ صوبہ گلبرگہ کے صدر تعلقہ دار تھے۔

الف لیلہ: کہانیوں کی مشہور کتاب جسے آٹھویں صدی عیسوی میں عرب ادیبوں نے تحریر کیا۔ اس کے بعد ایرانی، مصری اور ترک قصہ گویوں نے اس میں اضافے کیے۔ اس کا پورا نام الف لیلہ ولیلہ (ایک ہزار ایک رات) ہے۔

الف لیلہ کی اکثر کہانیاں بابل، مصر اور قدیم لوک داستانوں کو ملا کر لکھی گئی ہیں، اور انھیں حضرتِ سلیمان، ایرانی سلاطین اور مسلمان

خلفا پر منطبق کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں میں ہوچکے ہیں۔

امام بخش صہبائی: 1806 میں پیدا ہوئے۔ مولد دہلی تھا۔ فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ سہ نثرِ ظہوری کی فارسی میں شرح لکھی۔ فنِ بیان وبدیع میں زبردست ملکہ حاصل تھا۔ شاہی خاندان کے کئی افراد ان کے شاگرد تھے۔ دہلی کالج میں فارسی کے پروفیسر تھے۔ محمد حسین آزاد، پیارے لال آشوب، نذیر احمد اور مولوی ذکاء اللہ ان کے شاگردوں میں شامل تھے۔ صہبائی نے منشی شمس الدین فقیر کی کتاب حدایق البلاغت کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ جنگِ آزادی 1857 میں انگریزی حکومت کے حکم سے قتل کیے گئے۔

امرؤالقیس: ظہورِ اسلام سے قبل عرب کا نامور شاعر، نجد میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ حجر بن عمر قبیلۂ کندہ کا سردار تھا۔ عرب شعرا میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اس کے کمالِ فن نے عرب وعجم سے اپنا خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔ یہ قیصر کے دربار میں فریاد رسی کے لیے حاضر ہوا تھا۔ امرؤالقیس کا قصیدہ سبعۂ معلقہ میں شامل تھا۔ اس کا انتقال 530 اور 540 کے درمیان ہوا تھا۔

ایسپس فیبل: اخلاقی کہانیوں کا ایک مجموعہ ہے۔ اس کی تخلیق کا سہرا قدیم یونان کے ایک غلام ایسپ (620 ق.م تا 520 ق.م) کے سر باندھا جاتا ہے۔ اس میں چھوٹی چھوٹی اخلاقی کہانیاں پیش کی گئی ہیں۔ دنیا کی بہت ساری زبانوں میں اس کے ترجمے ہوچکے ہیں۔ اردو میں یہ کتاب ''حکایاتِ لقمان'' کے نام سے معروف ہے۔

اُورَئی: اترپردیش میں ضلع جالون کا صدر مقام ہے۔

بابو شیو پرشاد: سرسید کے رفیق اور معتمد تھے اور سرسید کی قائم کردہ سائنٹفک سوسائٹی

کے ایک معتبر ممبر تھے۔ جب انگریزی کے ساتھ مقامی زبانوں میں تعلیم کا رواج بڑھا تو انگریزوں نے نصابی ضرورت کے تحت ان سے کتابیں مرتب کرائیں۔ سائنٹفک سوسائٹی اور اس کے توسط سے بابو شیو پرشاد اس کام میں پیش پیش تھے۔ بعد میں ہندی کی حمایت میں بہت پیش پیش تھے۔

بز انخفش: انخفش ایک بڑا نحوی گزرا ہے۔ وہ نحو کے پیچیدہ مسائل اپنے بکرے کے سامنے بیان کرتا تھا اور جب بکرا اپنی گردن ہلا دیتا تھا تو انخفش یہ سمجھ کر کہ سبق اس نے سمجھ لیا ہے، چھوڑ دیتا تھا۔ کنایتاً بے وقوف اور دوسرے کی ہاں میں ہاں ملانے والے کو "بز انخفش" کہتے ہیں۔

بشریٰ: بشیرالدین احمد کی صاحب زادی کا نام تھا۔

بشیرالدین احمد: مولوی نذیر احمد کے اکلوتے صاحب زادے اور موعظۂ حسنہ کے مکتوب الیہ۔ 4/اگست 1861ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم مولوی صاحب سے ہی پائی، پھر دہلی گورنمنٹ اسکول میں داخل ہوگئے۔ ادب سے خوب لگاؤ تھا لیکن ریاضی میں کمزور تھے۔ تعلیم قبل از وقت چھوڑ کر دکن چلے گئے۔ جہاں مولانا نے سرسالار جنگ سے سفارش کر، ان کے لیے وظیفہ مقرر کرادیا۔ پہلے سوم تعلقہ دار ہوئے اور ترقی کرتے کرتے اول تعلقہ دار کے درجے تک پہنچے۔ قبل از وقت پنشن لے کر دہلی چلے آئے۔ انھوں نے کئی ناول تصنیف کیے: حسنِ معاشرت، اقبال دلہن اور اصلاحِ معیشت۔ ملازمت کے زمانے میں ایک ضخیم کتاب "تاریخ بیجانگر" لکھی، اس کے بعد دو ضخیم جلدوں میں "تاریخ بیجاپور" لکھی۔ سرسید کی کتاب "آثارالصنادید" کی طرز پر "واقعاتِ دارالحکومت دہلی" تصنیف کی۔ اس کے علاوہ بھی متفرق اصناف میں کتابیں تالیف کیں۔ شاعری سے بھی شغف

تھا۔ ''دیوانِ بشیر'' کے نام سے مجموعۂ کلام شائع ہوا تھا۔ 1928 میں انتقال فرمایا۔

بکسر: اب صوبۂ بہار میں ایک ضلع کا نام ہے۔ یہاں گھوڑوں کی خرید وفروخت کا بڑا بھاری میلا لگتا ہے۔

بلھاری: جبل پور کمشنری میں ایک شہر کا نام ہے۔

بٹھور: ضلع کان پور میں ایک شہر کا نام ہے۔دریائے گنگا کے ساحل پر آباد ہے۔

بیوی صاحب: مولوی نذیر احمد کی بیوی کا نام صفیۃ النسا تھا۔ یہ مولوی عبدالقادر کی بڑی صاحب زادی تھیں۔ دین دار اور پارسا خاتون تھیں۔ مولوی صاحب کی مزاج داں تھیں۔ خاندان کے سبھی لوگ ان کو بیوی صاحب کے لقب سے پکارتے تھے۔ اصلی نام سے کم ہی لوگ واقف تھے۔1898 میں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

چٹن چرو: سرکارِ عالی نظام کی سلطنت پانچ قسمتوں (کمشنریوں) پر مشتمل تھی۔ مولوی نذیر احمد سمتِ شمالی کے کمشنر مقرر ہوئے تھے۔ اس کمشنری کا ہیڈکوارٹر چٹن چرو تھا۔

پنج رقعہ: فارسی کی یہ کتاب ولایت علی خاں کی تصنیف ہے۔ قدیم نصابی کتابوں میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا موضوع ادب ہے۔

پہاڑ گنج: نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے پاس ایک جگہ کا نام ہے۔

پھپھناں: ضلع بلیا، اتر پردیش میں ایک ریلوے اسٹیشن کا نام ہے۔ بلیا سے تقریباً گیارہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

پھول پور: ضلع الہ آباد، اتر پردیش میں ایک تحصیل کا نام ہے۔

تاریخ یمینی: عہدِ غزنوی کی معاصر تواریخ کی کتابوں میں یہ کتاب خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں ناصرالدین سبکتگین اور محمود غزنوی کے زمانے کے حالات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے،

جس کا طرزِ اسلوب بے حد مشکل اور ناقابلِ فہم ہے۔ اس پر فارسی طرزِ انشا کی پوری چھاپ موجود ہے۔ اس کے مصنف کا نام ابونصر محمد بن عبدالجبار عتبی ہے۔ کتاب میں اُس زمانے کے گوناگوں مذہبی اور اجتماعی مسائل پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔

تعزیراتِ ہند: انڈین پینل کوڈ کا اردو ترجمہ؛ اس ترجمے میں مولوی نذیر احمد شریک غالب تھے۔

توضیح المرام: مولوی نذیر احمد کے بڑے بھائی مولوی علی احمد کی تصنیف کردہ علمِ نحو میں ایک بسیط کتاب، جس سے بشیرالدین احمد نے فیض اٹھایا تھا۔ غالباً یہ کتاب غیر مطبوعہ رہ گئی۔

ٹامس صاحب: معلومات نہ ہوسکی۔

جلال الدین: معلومات نہ ہوسکی۔

چاند خاں: اس نام کے دو آدمی مولانا کے ملازم رہے تھے۔ ان میں سے ایک ضلع جالون کا باشندہ تھا۔ خیرخواہ اور جاں نثار آدمی تھا۔ نام میں تفریق کی غرض سے یہ شخص مولوی چاند خاں کے نام سے معروف تھا۔ دوسرا شخص بڑا لڑاکو اور تند خو تھا۔ بے دھڑک لوگوں سے مار پیٹ کیا کرتا تھا۔ مولانا اس کو خونی چاند خاں کے نام سے پکارتے تھے۔

حسین پور: معلومات نہ ہوسکی۔

حکایاتِ لقمان: یونانی داستان 'ایسپس فیبل' کا اردو ترجمہ حکایاتِ لقمان کے نام سے معروف ہے۔

حکیم سنائی: فارسی زبان کے مشہور شاعر ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی غزنوی ایک صوفی شاعر تھے۔ ان کی پیدائش 1080ء تسلیم کی جاتی ہے۔ غزنی کے بادشاہ بہرام شاہ کے درباری شاعر تھے۔ 1131 اور 1141 کے

درمیان انتقال فرمایا۔ حدیقۃ الحقیقۃ سنائی کی مشہور منظوم کتاب ہے جس میں عارفانہ مضامین، اور صوفیانہ خیالات پیش کیے گئے ہیں۔

خواجہ شمس الدین: معلومات نہ ہو سکی۔

خواجہ شہاب الدین: معلومات نہ ہو سکی۔

دستور رتن جی پارسی: ریاستِ حیدرآباد میں نواب مکرم الدولہ صدر المہام مال گزاری تھے۔ نواب محسن الملک علاالۂ مال گزاری کے معتمد تھے یعنی رونیو سکریٹری۔ دستور رتن جی پارسی معتمدِ صدر المہام مال گزاری تھے، یعنی سکریٹری ٹو دی بورڈ آف رونیو۔ پس دستور رتن جی پارسی ریاستِ حیدرآباد میں بڑے پایے کے عہدے دار تھے۔

دہلی کالج: آصف جاہِ اول کے والد غازی الدین خاں فیروز جنگ نے اجمیری دروازہ کے باہر اپنے لیے ایک مقبرہ اور اس کے ساتھ ایک مسجد تعمیر کی۔ وہ گجرات کے صوبہ دار تھے۔ 1790 میں احمد آباد میں انتقال ہوا اور لاش دہلی لاکر مقبرے میں دفن کی گئی۔ اسی مسجد میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا گیا جو غازی الدین کا مدرسہ کہلاتا تھا۔ یہاں مذہبی تعلیم دی جاتی تھی۔ کمپنی کے عہدہ داروں نے سیاسی مفادات کے پیشِ نظر مدرسہ کی توسیع کی کوشش کی اور دلی کی مجلسِ تعلیماتِ عامّہ کے سکریٹری مسٹر ٹیلر نے مدرسہ کی ابتر حالت کا خصوصی طور سے ذکر کیا۔ حکومتِ برطانیہ نے 1825 میں مدرسے کی درستی اور معیار کو بلند کرنے کی منظوری دے دی، اور رفتہ رفتہ یہی مدرسہ دہلی کالج بن گیا۔

فورٹ ولیم کالج کے برخلاف، اس کے قیام کا مقصد ہندوستانی عوام کو جدید علوم سے آراستہ کرنا تھا۔ اس کی حیثیت ایک سرکاری تعلیمی درس گاہ کی تھی۔ صاحبانِ انگریز اس کے پرنسپل ہوا کرتے تھے۔ کالج

نے اپنی ذیلی تنظیم ''ورناکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' 1842 میں قائم کی تھی، جس کے زیرِ نگرانی سوا سو سے زائد کتابیں مختلف علوم وفنون سے متعلق تیار ہوئیں۔ اس کالج نے اپنے زمانے کی عہد ساز شخصیتوں کی ذہنی تربیت کی، جن میں ماسٹر رام چندر، مولوی ذکاء اللہ، مولوی نذیر احمد، محمد حسین آزاد بہ طورِ خاص ہیں۔1857 کی شورش میں کالج کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے پرنسپل مسٹر ٹیلر قتل کردیے گئے، امام بخش صہبائی دارورسن کی زینت بنے، اور کالج کا کتب خانہ نذرِ آتش کردیا گیا۔1877 میں یہ کالج ہمیشہ کے لیے بند کردیا گیا۔

اب جو دلی کالج ہے اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ کالج ختم ہونے کے بعد بعض امرا نے 1882 میں اینگلو عربک مڈل اسکول قائم کیا جو دوسال بعد ہائی اسکول اور1924 میں انٹرکالج بن گیا، اور ترقی کرتے کرتے 1943 میں پوسٹ گریجویٹ کالج بنا۔1948 میں اس کو دلی کالج کا نام دیا گیا۔ 1975 میں ذاکر حسین کالج سے موسوم کیا گیا، اب اس کا موجودہ نام ذاکر حسین دہلی کالج ہے، اور یہ تاریخی کالج ترکمان گیٹ کے باہر نئی عمارت میں منتقل ہوگیا ہے۔

دیوانِ حماسہ: یہ کتاب درسِ نظامی میں شامل رہی ہے۔ اس کے مرتب کا نام ابوتمام حبیب بن اوس طائی تھا۔ ابوتمام190 ہجری میں بہ مقام دمشق پیدا ہوا، اور مصر میں پرورش پائی۔ کہاجاتا ہے کہ اس کو قصائد کے علاوہ عرب کی چودہ ہزار نظمیں یاد تھیں۔ ابوتمام الفاظ کی عمدگی، اشعار کی خوب صورتی اور اسلوب کی اچھائی میں یگانۂ روزگار تھا۔ ایک مرتبہ ابوتمام ہمدان گیا، وہاں کثرتِ برف باری کی وجہ سے تمام راستے بند ہوگئے، ابوتمام نے ابوالوفا بن سلمہ کے پاس سے عرب

کے دواوین پڑھ پڑھ کر منتخب اشعار کا ایک مجموعہ مرتب کر ڈالا، جو آج تک سارے عالم میں دیوانِ حماسہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس دیوان میں شجاعانِ عرب کی دلیری کے اشعار جمع کیے گئے ہیں۔ اس میں دس موضوعات پر884 نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ یہ دیوان 835 کے آس پاس ایران کے شہر ہمدان میں ترتیب دیا گیا تھا۔ ابوتمام231 ہجری میں، جب وہ محض چالیس برس کا تھا، شہرِ موصل میں فوت ہوا۔ اس کی دوسری کتاب ''فحول الشعرا'' بھی مشہور کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

راجندر: معلومات نہ ہوسکی۔

رمضان علی: جس وقت مولوی نذیر احمد اُورئی ضلع جالون میں مقیم تھے، ایک سید زادے کو بچپنے ہی میں نوکر رکھ لیا تھا۔ اس کا نام رمضان علی تھا۔ یہ بڑا وفادار ملازم نکلا اور اس نے ساری عمر مولانا کی خدمت میں گزار دی۔ مولانا نے اس کو پڑھنا لکھنا سکھایا، اور حیدرآباد میں پچاس روپیہ ماہوار پر سنٹرل جیل حیدرآباد کا داروغہ مقرر کرادیا تھا۔

ریڈ صاحب: مولوی نذیر احمد کی زندگی میں اس نام کی دو شخصیتیں گزری ہیں۔ ایک تھے ہنری اسٹوارٹ ریڈ، جو آخر کو ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن ممالکِ شمال ومغرب (ممالکِ متحدہ آگرہ واودھ) کہلائے۔ دوسرے صاحب تھے جے. آر. ریڈ؛ اور یہ اعظم گڑھ میں مہتممِ بندوبست تھے۔ بعد ازاں گورنمنٹ کے سکریٹری ہوگئے اور پھر کمشنرِ گڑھوال کے منصب پر فائز کیے گئے۔ جے.آر.ریڈ آخر کار ممالکِ مغربی وشمالی کے سینئر ممبر آف دی بورڈ آف ریونیو ہوگئے۔ وہیں سے پنشن لے کر ولایت چلے گئے تھے۔ مولوی نذیر احمد کی علمی لیاقت کی بڑی قدر کرتے تھے۔ وطن واپسی کے بعد بھی نذیر احمد

کے بیٹے اور نواسوں سے مراسلت کا رشتہ قائم تھا۔

زیب النسا: معلومات نہ ہو سکی۔

ساگر چند: معلومات نہ ہو سکی۔

سبحان بخش: جب مولوی صاحب ضلع کانپور میں تحصیل دار تھے تو بشیرالدین احمد کو کھلانے کے لیے سبحان بخش کو اپنا ملازم رکھ لیا تھا۔ بشیرالدین احمد ابھی طفلِ شیرخوار تھے۔ اس وقت سبحان بخش کی عمر بھی سات آٹھ برس رہی ہوگی۔ اس کے بعد سے یہ شخص مستقل طور سے بشیرالدین احمد کی رفاقت میں رہا۔ پڑھ لکھ کر یہ شخص مولوی ہوگیا اور وعظ گوئی کے پیشے سے اپنی معاش پیدا کرتا تھا۔

سبعۂ معلقہ: دورِ جاہلی کے ان سات قصیدوں کے مجموعے کو کہا جاتا ہے جو ماقبلِ اسلام کی عربی شاعری کے بہترین اور اعلیٰ نمونے تھے۔ ان کو معلقہ اس لیے کہا گیا تھا کہ اعلیٰ شاعری کے یہ عمدہ نمونے سونے کی تختیوں پر لکھ کر، خانۂ کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کیے گئے تھے۔ یہ اقدام قبائلِ عرب کی طرف سے ایک طرح کا خراجِ تحسین تھا۔ جن سات شعرا کے قصیدے اس مجموعے میں شامل ہیں، ان کے نام ہیں: امرؤالقیس، طرفہ بن العبد، حارث بن حلزہ، زُہیر بن ابی سلمیٰ، عمرو بن کلثوم، عنترہ بن شداد، لبید بن ربیعہ۔ یہ مجموعہ کلاسیک عربی کے نصاب میں پڑھایا جاتا ہے۔ اس کتاب کے مرتب کا نام حماد بن سابور بن المبارک تھا جو 90 ہجری میں کوفہ میں پیدا ہوا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حماد کو عربی کے اشعار و اخبار کا بے پناہ علم تھا۔ اور اس نے اموی خلیفہ ولید بن یزید کے دربار میں دورِ جاہلی کے دو ہزار نو سو اشعار ایک نشست میں سنا ڈالے۔ حماد کی وفات بغداد میں 155 ہجری میں ہوئی۔

سر سالار جنگ بہادر: میر تراب علی خاں (1829-1883) ریاست حیدرآباد کے وزیر اعظم، انگریزوں نے سر سالار جنگ کا خطاب دیا تھا، اور ریاست کی طرف سے نواب مختارالملک کے خطاب سے نوازے گئے تھے۔ عوام 'نواب صاحب' کہتے تھے۔ پیدائش بیجاپور میں ہوئی۔ 1853 میں وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے اور اخیر دم تک اسی خدمت پر مامور رہے۔ وزارتِ عظمیٰ نواب شمس الامرا امیر کبیر اور سر سالار جنگ کے درمیان مشترک تھی۔ 1883 میں حیدرآباد میں انتقال فرمایا۔ ان کی شخصیت بڑی ادب نواز اور مردم شناس تھی۔

سعدی شیرازی: فارسی کے مشہور شاعر، نثر نگار اور معلمِ اخلاق گزرے ہیں۔ شیراز میں تقریباً 1186 میں پیدا ہوئے۔ شیراز کے بعد اعلیٰ تعلیم بغداد کے نظامیہ کالج میں حاصل کی۔ دنیا کے بہت سارے ملکوں کا سفر کیا، اور مشہور زمانہ تصنیف گلستاں اور بوستاں مکمل کی۔ گلستاں نثر فارسی کی اور بوستاں نظمِ فارسی کی کلاسیکل کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ شیخ سعدی نے لمبی عمر پائی۔ شیراز میں 1292 کے لگ بھگ انتقال فرمایا، وہیں آپ کا مقبرہ بھی ہے۔

سکندر پور: پہلے اعظم گڑھ کا ایک قصبہ تھا، لیکن اب ضلع بلیا کے ایک قصبے کی حیثیت سے معروف ہے۔

سمسن صاحب: اعظم گڑھ میں کلکٹر تھے۔

سہ نثرِ ظہوری: فارسی زبان کی کتاب درسِ نظامی کے نصاب میں شامل تھی۔ اس کے مصنف ملا محمد نورالدین ظہوری تھے۔ ادب وانشا اس کتاب کا موضوع ہے۔

شاہ عبدالعزیز: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزند رشید، ستمبر 1746 کو پیدا ہوئے۔ نوے برس کی عمر پائی۔ جون 1824 میں وفات پائی۔ آخری

دور کے مشہور عالم اور منبع رشد وہدایت تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔

شرحِ ملاّ: یہ کتاب مشہور مصنف عبدالرحمٰن جامؔی کی تصنیف ہے۔ مقامِ پیدائش جام (خراسان) اور سالِ پیدائش 817 ہجری ہے۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ صاحب کثیرالتصانیف تھے، ان کی تصانیف کی کل تعداد54 ہے۔ اتفاق سے جامؔی کے ابجدی نمبروں کا مجموعہ بھی 54 ہی ہے۔ جامؔی کی منظوم کتابوں میں مثنوی طرح نوی، یوسف زلیخا، لیلیٰ مجنوں اور کلیاتِ جامؔی مشہور ہیں۔ قافیہ کی نہایت مفید شرح اپنے بیٹے ضیاء الدین یوسف کے لیے ''الفوائد الضیائیہ'' کے نام سے لکھی۔ یہ کتاب شرحِ جامی یا شرحِ ملا جامی کے نام سے مشہور ہوکر درسِ نظامیہ کا حصہ بنی۔ اس کتاب کا موضوع نحوی مباحث ہیں۔ اس پر عقلیت کا رنگ غالب ہے۔ جامؔی کا انتقال 898 ہجری میں بہ مقام ہرات ہوا۔

شرف الحق: مولوی نذیر احمد کے چھوٹے داماد تھے۔ سرکارِ نظام میں مولوی صاحب نے ان کو ڈھائی سو روپیہ ماہوار تنخواہ پر مددگارِ بندوبست کی ملازمت دلوائی تھی۔ یہ مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان سے تھے۔

شمس الامرا امیر کبیر: نواب رفیع الدین خاں مرحوم نامور جنگ، عمرۃ الدولہ، عمدۃ الملک، شمس الدولہ، شمس الملک، شمس الامرا امیر کبیر علمِ ہندسہ اور علمِ ہیئت کے بڑے عالم تھے۔ نظام کی حکومت میں وزارت کے عہدے پر مامور تھے۔ وزارت نواب سرسالار جنگ اور نواب شمس الامرا کے درمیان مشترک تھی۔

طے: عرب کے ایک قبیلہ کا نام، حاتم طائی اسی قبیلے کا سردار تھا۔

ظہیر، نصیر، حسینہ: مولوی نذیر احمد کے بیٹے بیٹی، جو حالتِ شیر خوارگی میں فوت ہو گئے تھے۔

عبدالحامد: مولوی نذیر احمد کے چھوٹے سالے تھے۔ خان بہادر کا خطاب پایا تھا۔ ڈپٹی کلکٹری کے درجے سے پنشن لے کر دہلی کے اعزازی مجسٹریٹ ہو گئے تھے۔

عبدالواجد: مولوی نذیر احمد کے بڑے سالے تھے، حافظ اور مولوی تھے۔ ان کے صاحب زادے حیدر آباد میں مددگار مہتمم بندوبست تھے۔

عبداللہ: معلومات نہ ہو سکی۔

علی گڑھ کالج: سرسید احمد خان نے 1875 میں ''محمڈن اینگلو اورینٹل کالج'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا، جو 1920 میں ترقی کرتے کرتے یونیورسٹی بن گیا اور اب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہے۔ یہی محمڈن کالج علی گڑھ کالج کے نام سے بھی معروف تھا۔

غازی: اتر پردیش میں ایک ضلع کا نام ہے۔

فیروزی: معلومات نہ ہو سکی۔

فیض آ: اتر پردیش میں ایک ضلع کا نام ہے۔ کسی زمانے میں یہ شاہانِ اودھ کا دارالحکومت تھا۔

قریش: عرب کا ایک مشہور قبیلہ؛ اسی کی ایک شاخ سے ہمارے پیغمبر صاحب کا تعلق تھا۔ قصی بن کلاب اس قبیلے کا جد امجد تھا۔

قطبی: اس کتاب کا موضوع منطق ہے۔ یہ دراصل منطق کے ایک مشہور رسالے 'شمسیہ' کی شرح ہے، جسے قطب الدین رازی نے تصنیف کیا تھا۔ رازی کئی کتابوں کے مصنف اور منطق وحکمت کے امام تھے۔ قطبی کے علاوہ ان کی دیگر تصانیف بھی درسِ نظامی میں شامل رہی ہیں۔ رازی کا انتقال 766 ہجری میں ہوا۔

کالپی: اتر پردیش کے ضلع جالون میں ایک شہر کا نام ہے۔ دریائے جمنا کے کنارے آباد ہے۔

کتابِ ہیئت: مولوی نذیر احمد نے کولنز ہیوز کا ترجمہ 'سماوات' کے نام سے کیا تھا، یہ علمِ ہیئت سے متعلق تھی۔

کرنول: یہ انگریزی عمل داری میں مدراس پریسیڈنسی کے تحت ایک ضلع کا نام تھا جو دریائے تنگ بھدرا کے ساحل پر واقع تھا۔ فی الوقت ریاست آندھرا پردیش میں ایک ضلع کا نام ہے، صدر مقام کرنول ہے۔

گھوسی: پہلے یہ اعظم گڑھ کا حصہ تھا، اب ضلع مئو کی ایک تحصیل ہے۔ بنارس۔گورکھپور ہائی وے پر واقع ہے۔

لنگم پلی: حیدرآباد سے بیس بائیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک ریلوے اسٹیشن کا نام ہے۔

لیسن صاحب: 1857 میں علاقۂ پرمٹ کے عہدہ دار تھے۔ انہی کی میم کو مولوی نذیر احمد اور ان کی سسرال کے لوگوں نے اپنے گھر میں پناہ دی تھی اور بعد میں بہ حفاظت انگریزی کیمپ میں پہنچایا تھا۔

ما یغنیک فی الصرف: علمِ صرف میں سو صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے جو مولوی نذیر احمد نے اپنے بیٹے بشیر الدین احمد کی تعلیم کی غرض سے تصنیف کیا تھا۔

متنبی: دورِ عباسی کا مشہور شاعر تھا۔ سالِ پیدائش 915 ہے، اور موجودہ عراق کے شہر کوفہ میں پیدا ہوا تھا۔ اس وقت یہ شہر خلفائے عباسیہ کے زیرِ نگیں تھا۔ نام احمد بن الحسین تھا، ابوالطیب کنیت تھی۔ عربی زبان وادب کا بہت بڑا پارکھی تھا۔ عربی کے شعرائے عظام میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی نظمیں شاہانِ وقت کی مدح میں تخلیق کی گئی تھیں۔ ان قصیدوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ متنبی کی زندگی کی عمدہ عکاسی کرتے ہیں۔ 965 میں متنبی اپنی ایک ممتاز نظم

کی پاداش میں قتل کردیا گیا۔

محب اللہ: معلومات نہ ہو سکی۔

محسن الملک: سیّد مہدی علی نام تھا لیکن ہندستانی تاریخ میں اپنے لقب سے مشہور ہیں۔ 1837 میں شہر اٹاوہ میں پیدا ہوئے تھے جو برطانوی ہندوستان کے صوبۂ شمال مغرب کا ایک حصہ تھا۔ نظامِ حیدرآباد کی حکومت میں معتمدِ مالگزاری (فائنشیل سکریٹری) اور سیاسی مشیر کی خدمت پر مامور تھے۔ علی گڑھ کالج کے بھی سکریٹری رہے۔ مسلم لیگ کے بنیاد گزاروں میں سے تھے۔ بڑی وجیہ، ذہین اور خوش بیان شخصیت کے مالک تھے۔ اردو زبان کے ایک سپاہی کی حیثیت سے بھی ان کی خدمات کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں۔ انھوں نے 1901 میں اردو کی حمایت میں ''اردو ڈیفنس ایسوی ایشن'' قائم کی اور مختلف مقامات پر اس کے اجلاس منعقد کرائے۔ اکتوبر 1907 میں شملہ (پنجاب، برطانوی ہند) میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔

محمودہ: بشیر الدین احمد کے ماموں عبدالحامد کی بچی کا نام، جو شیرخوارگی میں فوت ہوگئی تھی۔

مسٹر لو: یہ سر ولیم میور کے داماد تھے۔ جس وقت میور صاحب بورڈ کے ممبر اول تھے، لو صاحب ان کے سکریٹری تھے، بعد میں بلند شہر کے کلکٹر ہوگئے تھے۔ مولوی نذیر احمد نے انگریزی زبان سیکھنے میں ان سے بھی کچھ مدد لی تھی۔ کوئی مستقل کتاب تو نہیں پڑھی البتہ خط وکتابت کے ذریعہ استفادہ کیا تھا۔

مشارق الانوار: حدیث کے انتخاب کا بہترین مجموعہ ہے، اور درسِ نظامی میں شامل رہا ہے۔ اس کے مرتب حسن بن محمد لاہوری تھے۔ 577 ہجری میں لاہور میں پیدا ہوئے، شہر غزنہ میں نشوونما ہوئی۔ اپنے زمانے کے

مشہور محدث، فقیہ اور لغت کے عالم تھے۔ مستعصم باللہ کے عہد میں، شہر بغداد کے اندر 650 ہجری میں انتقال فرمایا۔

مفتی صدرالدین: مفتی صدرالدین آزردہ صاحب دورِ آخر کی مشہور شخصیت ہیں۔ اصلاً کشمیری اور مولداً دہلوی تھے۔ 1789 میں پیدا ہوئے۔ مغل دربار اور دربارِ انگریزی دونوں جگہ معزز سمجھے جاتے تھے۔ صدرالصدوری کا عہدہ پایا۔ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر قدرت تھی۔ جولائی 1868 کو بعارضۂ فالج انتقال ہوا۔ درگاہِ شاہ چراغ دہلی میں دفن ہوئے۔

مقاماتِ حریری: اسے محمد الحریری البصری نے تصنیف کیا تھا۔ الحریری 1054 میں پیدا ہوئے تھے، اور انتقال ستمبر 1112 میں فرمایا۔ مقامات عربی ادب وانشا کا ایک فن ہے جس کی ابتدا کا سہرا بدیع الزماں ہمدانی کے سر بندھتا ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے اور مختصر قصے ہوتے ہیں جو تمثیلی پیرایے میں بیان کیے جاتے ہیں۔ مولف کا سارا زورِ طبیعت ادبی صنعتوں کے فنکارانہ استعمال پر ہوتا ہے۔ مقاماتِ حریری میں پچاس مقامات جمع کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب مدتوں درسِ نظامی کے نصاب کا حصہ رہی ہے۔

منشی رفیع الدین: مولوی نذیر احمد کے بہنوئی تھے۔ جس زمانے میں مولانا ڈپٹی کلکٹر بندوبست تھے تو انھوں نے منشی صاحب کو اپنا سررشتہ دار مقرر کرادیا تھا۔ حیدرآباد پہنچ کر تحصیل دار ہوگئے تھے۔ حیدرآباد کی ملازمت کے بعد بجنور چلے گئے تھے۔

منشی غلام غوث: خواجہ غلام غوث بیخبر 1824 میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے بزرگوں کا وطن کشمیر تھا۔ ان کے والد خواجہ حضوراللہ کشمیر سے تبت اور وہاں سے نیپال پہنچے، یہیں بیخبر کی ولادت ہوئی۔ والدین کے ساتھ بنارس

چلے آئے۔ مروجہ تعلیم حاصل کر کے اپنے ماموں خان بہادر سید محمد خاں کی ماتحتی میں ملازم ہو گئے جو اس وقت لفٹنٹ گورنر مشرقی و شمالی کے میر منشی تھے۔ ماموں کے انتقال کے بعد یہ خدمت تجبر کو سپرد ہوئی۔ سرکار انگریزی سے خان بہادری کا خطاب اور طلائی تمغا حاصل کیا۔ 1885 میں پنشن لے لی۔

تجبر مرزا غالب کے بہترین دوستوں میں سے تھے۔ مرزا کے کئی خطوط ان کے نام سے "اردوئے معلی" اور "عود ہندی" میں موجود ہیں۔ اپنے وقت کے مشہور انشاپرداز تھے۔ ان کی دو بیش بہا تصانیف "فغانِ تجبر" اور "خونابۂ جگر" ہیں۔

منوہر: معلومات نہ ہو سکی۔

مولوی احمد حسن: مولوی نذیر احمد کے داماد تھے۔ ان کی بڑی بیٹی سکینہ کا عقد انھی کے ساتھ ہوا تھا۔ بڑے محدث اور فقیہ و ادیب آدمی تھے۔ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ (نذیر حسین محدث دہلوی مولوی عبدالخالق صاحب کے داماد تھے، اس طرح سے یہ نیوی صاحب کے سگے پھوپھا ہوئے۔)

مولوی احمد حسن کو ملازمت انگریزی سے استکراہ تھا۔ مولوی نذیر احمد جب حیدرآباد تشریف لے گئے تو مولوی احمد حسن کو چار سو کا پرسنل اسسٹنٹ بنوادیا۔ ترقی کرتے کرتے ریونیو بورڈ کے سکریٹری مقرر ہوئے اور آخرکار مختلف اضلاع میں اوّل تعلقہ دار ہوگئے تھے۔ ان کی تنخواہ آٹھ سو تک پہنچی تھی۔ ملازمت سے پنشن لینے کے بعد دہلی آگئے تھے۔ تصنیف و تالیف کا بے حد شوق تھا۔ سب سے مفید احسن الفوائد اردو کا ایک حاشیہ ہے جو انھوں نے ایک مترجم قرآن شریف پر چڑھایا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کی ایک مبسوط تفسیر

احسن التفاسیر کے مصنف بھی یہی صاحب ہیں۔

مولوی برکت اللہ: معلومات نہ ہوسکی۔

مولوی خرم علی: معلومات نہ ہوسکی۔

مولوی دلیل الدین: نظام کی حکومت میں سرسالار جنگ کے اخیر دور میں مجلس مالگزاری کا ایک محکمہ قائم کیا گیا تھا۔ اس مجلس کے اس زمانے میں تین رکن تھے۔ مولوی دلیل الدین، انہی میں سے ایک تھے۔ احترام جنگ ان کا خطاب تھا، اور صوبۂ بنگال کے انسپکٹر جنرل رجسٹریشن تھے۔ وہیں سے بلا کر ان کو یہ منصب دیا گیا تھا۔

مولوی رشید الدین: معلومات نہ ہوسکی۔

مولوی شہاب الدین: معلومات نہ ہوسکی۔

مولوی ضیاء الدین: ان کے والد شیخ محمد بخش صاحب خاص دہلی کے تھانے دار تھے۔ یہ جب دہلی کالج میں تھے تو صوبۂ پنجاب میں عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ ہیضے کا شکار ہوکر دہلی واپس چلے آئے۔ انہی کی جگہ پر مولوی نذیر احمد نے اپنی سرکاری ملازمت کا آغاز کیا تھا۔ مولوی ضیاء الدین صاحب نے (جو شیخ ضیاء الدین کے نام سے بھی معروف ہیں) بعد میں خان بہادر ایل. ایل. ڈی. کے خطاب سے نوازے گئے۔ پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے، وہیں سے پنشن پائی اور مکے میں حج کے دوران انتقال فرمایا۔

مولوی ظہیر الدین: معلومات نہ ہوسکی۔

مولوی عبدالرب: مولوی عبدالخالق صاحب کے چھوٹے صاحب زادے تھے، یعنی بیوی صاحب کے چچا۔ ان کو وعظ گوئی میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ تمام ہندوستان میں ان کے وعظ کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ انھوں نے سہارن پور میں ایک بڑی اور شان دار مسجد تعمیر کرائی تھی۔ دہلی میں

انتقال کیا، اور خواجہ باقی باللہ کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہوئے۔

مولوی عبدالقادر: مولوی نذیر احمد کے خسر تھے، اور دہلی کی معزز شخصیتوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ یہ مولوی عبدالخالق صاحب کے بڑے صاحب زادے اور بادشاہ کی بہو محمدی بیگم کے استاد تھے۔ دربار مغلیہ اور دربار انگریزی میں باریابی حاصل تھی۔ 1857 کی شورش میں مسز لیسن کو پناہ دینے اور ان کی حفاظت کرنے کے صلے میں سرکار کے دربار میں باریاب رہتے تھے، اور حکومتِ انگلشیہ کے خیرخواہ تصور کیے جاتے تھے۔

مولوی محمد کریم بخش: ہنری اسٹوارٹ ریڈ کے میر منشی تھے۔ عربی فارسی کے جید عالم تھے، اور تعزیراتِ ہند کے ترجمے میں شریکِ کار تھے۔

مولوی وکیل احمد: معلومات نہ ہو سکی۔

میر نصیرالدین: معلومات نہ ہو سکی۔

مینا بازار: یہ کتاب فارسی زبان میں درسِ نظامی میں شامل رہی ہے۔ اس کے مصنف ارادت خاں ہیں۔

میور صاحب: (1819-1905) ولیم میور اسکاٹ لینڈ کے باشندے تھے۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد 1837 میں بنگال سول سروس میں شامل ہوئے۔ اور ترقی کرتے کرتے گورنر صوبۂ شمال مغربی کے سکریٹری بنے، اور اس کے بعد آگرہ ریونیو بورڈ کے ممبر بنا دیے گئے۔ 1857 میں محکمۂ سراغ رسانی کے انچارج تھے۔ 1867 میں کے.سی.ایس. آئی. کے خطاب سے سرفراز کیے گئے، اور 1868 میں شمال مغربی صوبے کے گورنر بنائے گئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد کونسل آف انڈیا، لندن کے ممبر اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے صدر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ ان کا انتقال 1905 میں ہوا۔

ولیم میور کا شمار علومِ مشرقی کے ماہرین میں ہوتا ہے۔ اسے لائف آف محمد ان کی مشہور تصنیف ہے۔ یہ کتاب متنازعہ رہی ہے، جس میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں منفی خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

ناگر کرنول: یہ نظامِ حیدرآباد کے تحت ایک ضلع کا نام تھا، اُس کا صدر مقام محبوب نگر تھا۔ فی الوقت ریاستِ آندھرا پردیش میں محبوب نگر ایک ضلع کا نام ہے، جس کا صدر مقام بھی محبوب نگر ہے۔

نفحۃ الیمن: ادب کی مشہور کتاب ہے اور بعض مدارس کے نصاب میں داخل ہے۔ اس کے مصنف کا نام احمد بن محمد تھا، جو یمن کے شہر زبید کا باشندہ تھا۔ وہ صاحبِ ذوق اور مشہور ادیب تھا۔ نظم ونثر دونوں پر کامل دسترس حاصل تھی۔ اس کتاب کا پورا نام "نفحة اليمن فيما يزول بذكره الشجن" ہے، لیکن مختصراً نفحۃ الیمن کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے مصنف کا انتقال 1253 ہجری میں ہوا۔

نگرا: ضلع بلیا، اتر پردیش میں ایک قصبے کا نام ہے۔

نل گنڈہ: فی الوقت آندھرا پردیش کے ایک ضلع کا نام ہے، صدر مقام بھی نل گنڈہ ہے۔

نلدرگ: ضلع عثمان آباد، مہاراشٹر میں ایک شہر کا نام ہے۔

ننھے نواب: معلومات نہ ہو سکی۔

نواب مکرم الدولہ: نظام کی سلطنت میں صدرالمہام کے منصب پر فائز تھے۔ یہ نواب سرسالار جنگ کے داماد اور بھانجے تھے۔

نواب وقارالامرا: نواب شمس الامرا کے انتقال کے بعد ان کے بھتیجے نواب وقارالامرا اسیرکبیر کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔ ان کے لیے ولایت سے خلعت وخطاب آیا تھا۔ وقارالامرا اور سرسالار جنگ کے درمیان

شدید اختلافات تھے۔ انگریز وقارالامرا کی طرف داری کرتے تھے۔

نور شاہ: معلومات نہ ہوسکی۔

نظام: اس سے مراد نواب میر محبوب علی خاں ہیں۔ 18 /اگست 1866 کو پیدا ہوئے، اور اگست 1911 میں انتقال کیا۔ ان کے دورِ حکومت میں حیدرآباد نے ہر شعبے میں ترقی کی۔ ان کا سال تخت نشینی 1884 ہے۔ ان کے وزرائے اعظم میں سرآسمان جاہ اور مہاراجہ سرکشن پرشاد قابلِ ذکر ہیں۔ حکومتِ برطانیہ سے ان کے تعلقات نہایت خوش گوار رہے۔ والیِ دکن نے اپنی رعایا میں کبھی ہندو مسلمان میں کوئی امتیاز نہیں کیا۔ فارسی اور اردو میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔

واحد علی: معلومات نہ ہوسکی۔

وان صاحب: معلومات نہ ہوسکی۔

ہدایت النحو: نحو کے موضوع پر درسِ نظامیہ کی ابتدائی بنیادی کتاب ہے۔ اس کے مصنف سراج الدین عثمان تھے جو اودھ کے باشندے تھے۔ بڑے متقی، پرہیزگار اور صوفی آدمی تھے۔ وفات 758 ہجری میں ہوئی۔ صرف کے موضوع پر مشہور کتاب میزان الصرف بھی انہی کی تصنیف ہے۔

ہنڈرسن صاحب: معلومات نہ ہوسکی۔

تعلیقات

(ب) عربی، فارسی متون کی تخریج اور ترجمہ

خط نمبر	صفحہ نمبر	
2	21	چار ... چند: گلستاں ص 255 [ایسا جانور ہے جس پر چند کتابیں لاد دی گئی ہیں)
8	35	قَالَتْ مَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاَرْوَاحَ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ مَا (مَوْصُوْلَةٌ اَيِ الْاَرْوَاحَ الَّتِي) تَعَارَفَ مِنْهَاائتلَف وَ مَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ. [اس نے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ روحوں کے جھنڈ کے جھنڈ الگ الگ تھے۔ پھر وہاں جن روحوں میں آپس میں پہچان تھی ان میں یہاں بھی محبت ہوتی ہے اور جو وہاں غیر تھیں یہاں بھی وہ خلاف رہتی ہیں۔]
14	44	فکر ...اوست (ہر شخص کی پرواز اس کی ہمت کے بقدر ہے)

15	49	اگر ... کند (باپ کے ادھورے کام کو بیٹا پورا کرے)
22	63	مرد ... نشود (بہادر آدمی کو چاہیے کہ خوف زدہ نہ ہو، دنیا میں کوئی مشکل ایسی نہیں جو آسان نہ ہو سکے)
22	63	فکر ... اوست (ہر شخص کی پرواز اس کی ہمت کے بقدر ہے)
23	65	وَالْمُمْتَحِنُوْنَ الَّذِيْنَ مِنْ عَادَتِهِمِ الْمُسَاهَلَةُ فِيْ اُمُوْرِهِمْ وَالْمُدَاهَنَةُ فِيْ مَشَاغِلِهِمْ الخ وَالْاَجْوِبَةِ الَّتِيْ رُدَّتْ اِلَيَّ مَوْجُوْدَةٌ عِنْدِيْ. اِنِّيْ اَعْلَمُ اَنَّ الْكَذِبَ قَبِيْحٌ مَذْمُوْمٌ وَّ لَا يَلِيْقُ بِاَحَدٍ اَنْ يَجْتَرِئَ عَلَيْهِ. [اور وہ ممتحن حضرات جن کی عادت ہے کہ اپنے کاموں میں سستی کریں اور اپنے فرائض میں کوتاہی کریں..الخ، اور جو جوابات مجھے لوٹائے گئے تھے میرے پاس موجود ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ جھوٹ ایک بری اور مذموم صفت ہے اور کسی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ اس کی جرأت کرے۔]
29	73	حقا ... بہشت: گلستاں ص 139 [پڑوسیوں کی سفارش سے جو بہشت ملے وہ یقیناً دوزخ کی سزا کے برابر ہے]
29	74	شاد ... زیستن [خوشی اور ناخوشی دونوں حالت میں جینا چاہیے]
30	74	خدا ... نکرد [خدا نے پانچوں انگلیوں کو برابر نہیں کیا ہے]
31	76	نصیحت ... پیر دانا را: دیوانِ حافظ، پروگریسیو بکس لاہور، ص 31 [اے میرے محبوب! میری نصیحت کو سن کیوں کہ سعادت مند نوجوان دانش مند بوڑھے کی نصیحت کو جان سے عزیز تر رکھتے ہیں۔]
31	76	نصیحتے ... بپذیر: دیوانِ حافظ، ص 233 [میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں اسے سنو اور بہانے مت تراشو۔ ناصح مشفق تمھیں جو نصیحتیں کرتا ہے اسے مان لو]
31	77	شوق ... نیست [جس دل میں شوق اور جذبہ ہوگا اسے کسی رہبر کی

		ضرورت نہیں]
32	78	وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ. [اور انھیں علمی اور جسمانی برتری عطا فرمائی]
34	81	یکے جہود ...نادانم: گلستاں ص 266 [ایک یہودی اور مسلمان آپس میں یوں مناظرہ کررہے تھے کہ مجھے ان کے جھگڑے پر ہنسی آگئی۔ مسلمان نے طنزاً کہا کہ اگر میری یہ سند غلط ہو تو خدا کی قسم میں یہودی ہوکر مروں۔ یہودی نے کہا کہ مجھے توریت کی قسم اگر میں غلط کہوں میں تمھاری طرح مسلمان ہوجاؤں۔ اگر روئے زمین سے عقل معدوم ہوجائے تو پھر بھی کوئی اپنے کو بے عقل تصور نہ کرے گا]
34	82	دمے ...اتفاقی: دیوانِ حافظ، ص411 [تھوڑی دیر کے لیے خیرخواہوں کے ساتھ مل بیٹھ، اتفاقی باتوں کو غنیمت جانو]
36	84	چوں...برد: مثنوی معنوی، ص79 [اگر خدا کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص نیک لوگوں کی عیب جوئی کرتا ہے۔]
36	85	عصمت ... بے چادری [وہ نیکی جو عدم استطاعت کی وجہ سے کی جائے]
37	87	ابروباد ... نہ بری: گلستان سعدی، ص10 [بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان سبھی اپنے اپنے کام میں لگے ہیں تاکہ تم روزی حاصل کرو اور خدا کی عبادت سے غفلت نہ کرو۔ یہ سبھی تمھاری خدمت پر سرگرداں ہیں اور تابع دار ہیں، لہٰذا انصاف کے لیے مناسب نہ ہوگا کہ تم اللہ کا حکم نہ بجالاؤ]
37	87	آں را ... ستے: گلستاں ص 72 [جو شخص کہ تجھ پر ہر وقت مہربانی کرتا رہتا ہے اگر زندگی بھر میں وہ ایک ظلم یا زیادتی بھی کر ڈالے تو اسے معاف کردینا چاہیے۔]
4؟	94	اے بسا ... دست: مثنوی معنوی، ص59 اصل شعر یوں ہے: چوں

بے ابلیس آدم روی ہست: پس بہ ہر دستے نشاید داد دست [جب بہت سارے ابلیس آدمی کے بھیس میں ہیں اس لیے ہر ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دے دینا چاہیے]

44	98	شعر ... فاعلات [میں آبِ حیات سے بہتر شعر کہتا ہوں لیکن عروض کی پیچیدگیوں سے واقف نہیں ہوں]
48	107	ہر کسی ... انداختند: مثنوی معنوی، ص402 [ہر شخص کو کسی خاص کام کے واسطے بنایا گیا ہے اور اس کام کی خواہش اُس شخص کے دل میں ڈال دی جاتی ہے]
51	115	تو ... آمدی: مثنوی معنوی، ص 265 [تم (دنیا میں) جوڑنے کے واسطے آئے ہو، توڑنے کے واسطے نہیں ۔]
56	123	مرد ... نشود [بہادر آدمی کو چاہیے کہ خوف زدہ نہ ہو، کوئی مشکل ایسی نہیں جس کا حل نہ ہو]
56	124	تا نباشد ... چیزہا [جب کچھ نہ کچھ ہوگا تبھی لوگ باتیں بنائیں گے]
60	130	مارا ... نبود [ہم کو اس کمزور جان سے یہ امید نہیں تھی]
61	132	ہمت ... اعتبار تو [اپنی ہمت کو بلند رکھو کیوں کہ خدا اور مخلوق کے سامنے تیری ہمت کے بقدر تیرا اعتبار کیا جائے گا]
61	134	ورنہ ... می رسد [اگر نہ ستاؤ گے تو ظلم ہوگا]
61	134	باراں ... نیست: گلستاں ص34 [بارش جس کی لطافت سے کوئی بھی انکاری نہیں اس کے اثر سے باغ میں لالہ اور شور زمین میں گھاس پھونس اُگتی ہے]
61	137	ایں ... جنوں [یہ محض خیال ہے، محال ہے اور دیوانگی ہے]
66	148	ایں ... مرد [جواں مرگی کا ماتم بہت سخت ہے]
70	152	ہر کسے ... میداند [ہر شخص اپنی مصلحت کو بہتر طور پر سمجھتا ہے]

71	154	.وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئاً.[اور تم میں سے بعض بے غرض عمر کی طرف پھر سے لوٹا دیے جاتے ہیں کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد پھر بے خبر ہو جائے]
72	155	اے صبا...تست [اے صبا! یہ سب تیرا کیا دھرا ہے]
72	155	توانم ... درست: گلستاں، ص37 [میں تو یہ کرسکتا ہوں کہ کسی کو دکھ نہ دوں مگر حاسد کا کیا کروں کہ وہ خود ساختہ آگ میں جل رہا ہے]
72	156	دور ... کند [برے دوستوں کے میل جول سے دور رہو کیوں کہ برا دوست برے سانپ سے بدتر ہوتا ہے۔ سانپ تو صرف جان پر حملہ آور ہوتا ہے، برا دوست تو جان اور ایمان دونوں پر حملہ کرتا ہے۔ بھلے کی سنگت تمھیں بھلا اور برے کی سنگت تمھیں برا بنائے گی]
75	159	پیرے ... ست [کوئی بوڑھا جو عشق کا دم بھرتا ہے بہت غنیمت ہے]
81	166	دہ مرد... کند [دیہات کو نہ جاؤ کیوں کہ دیہات آدمی کو احمق اور اس کی عقل کو بے نور دے بے رونق بنا دیتا ہے]
86	171	أَمَّا بَعْدُ ... مَاتَيَسَّرَ لَهُ فَقَطْ [اما بعد! میں شہر میں اپنی عادت کے مطابق سات روز مولوی مہدی کے پاس ان کی عیادت کے لیے ٹھہرا، وہ بیمار تھے اور موت کے قریب جا پہنچے تھے لیکن اچھے ہوگئے اور اللہ نے انھیں مرض سے شفا عطا کی۔ وہ جلد ہی پونا جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ ان کی حالت میں بہتری آئے۔ لیکن ایسا نہیں ہوگا مگر اب سے پورے دو مہینے میں.. رہا بندوبست (کذا) اور میں نہیں جانتا کہ مولوی شرف الحق کے معاملے کا انجام کیا ہوگا۔ بشیر کی حالت آج تک درست نہیں ہوئی۔ آپ جیسا کہ دیکھ رہے ہیں ان علاقوں میں وعدہ پر بھروسہ کرنے کے لائق نہیں ہے لہٰذا مولوی مہدی علی کے سلسلے میں کوئی امید نہ رکھیں اور اپنی اصلاح

حال کی پوری کوشش کریں۔ میں آپ کے کام کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتا اور میرے نزدیک وہ رو بہ زوال ہے۔ تو آپ کیوں نہیں کوشش کرتے تنخواہ میں اضافہ کے ساتھ تعلقہ داری کے منصب کے لیے، میں مددگار بنوں گا۔ تو میں نہیں راضی ہوں مگر اسی بات پر کہ صدر تعلقہ دار آپ سے وعدہ کریں اور امید دلائیں اور جب بھی ممکن ہو آپ کو تعلقہ دار اول کا منصرم بنا دیں، فقط۔]

91	175	بہر ... چہ زر [رکھ چھوڑنے کو پتھر اور سونا دونوں برابر ہیں]

92	179	ورنہ ... آورد: گلستاں ص9 [...ورنہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جاسکے]

94	182	قرن ہا ... درِ عدن [ایک معصوم بچے کو اپنے لطفِ طبیعت کی بدولت عاقلِ کامل یا ایک فاضل صاحب سخن بننے میں ایک مدتِ مدید درکار ہوتی ہے۔ ایک سنگِ اصلی کو آفتاب کے فیض سے لعل بدخشاں یا عقیق یمن بننے میں برسوں درکار ہوتے ہیں۔ اور بھیڑ کی پشت کے فیض سے ایک مٹھی ریشم کو صوفی کا خرقہ یا گدھے کی رسی بننے کے لیے مہینوں درکار ہوتے ہیں۔ اور آب وگل کے فیض سے روئی کے ایک ٹکڑے کو محبوب کا لباس یا شہید کا کفن بننے کے لیے ہفتے درکار ہوتے ہیں۔ اور بارش کے قطرے کو سیپی کے شکم میں درِ عدن کی شکل اختیار کرنے میں کئی دن کی زحمتِ انتظار کھینچنی پڑتی ہے]

96	183	برنمی ... تو [میں تمھارے احسانات کا شمار نہیں کرسکتا اور جتنی تمھاری نعمتیں ہیں ان سب کا شکریہ نہیں ادا کرسکتا]

113	202	نفع ... بگو [شراب کے جملہ فوائد بیان کرچکے اب اس کے نقصانات بھی تو گنواؤ]

113	209	غیرت ... ندہم [مجھے اپنی آنکھوں اور کانوں سے شرم آتی ہے کہ میں

آنکھوں کو تمھارا چہرہ دیکھنے اور کانوں کو تمھاری بات سننے نہیں دیتا ہوں]

113 210 برعکس ... کافور [حبشی کا نام کافور رکھ دیتے ہیں۔ یہ مثل اس کی نسبت بولتے ہیں جو ایسی صفت سے مشہور ہو جو اس میں نہ پائی جائے بلکہ اس کے مخالف صفت اس میں موجود ہو]

113 210 ہر یکے ... جہاں [ہر شخص دوسروں کے لیے ناصح بنا ہے دنیا میں ایسے کم لوگ ہیں جو خود کو بھی نصیحت کرتے ہوں]

114 217 وَالْحَالُ مُنْقَلِبٌ وَالْاَمْرُ مَعْکُوسٌ. [حالت دگرگوں ہے اور معاملہ الٹ پلٹ ہے]

114 218 فِی نَفْسِهَا مِنْ حَیْثُ اَنَّهَا قُوَّةٌ مِنَ الْقُوَی الْاِنْسَانِیَة. [اپنے آپ میں - اس اعتبار سے کہ وہ قوائے انسانیہ میں سے ایک قوت ہے۔]

114 219 آدمی ... ازاں [انسان فرشتگی اور حیوانیت کا عجیب مرکب ہے، اگر فرشتگی پر آئے تو فرشتے سے بہتر اور حیوانیت پر آمادہ ہو تو حیوان سے بدتر ہو جائے]

114 219 ہچو ... نیمروز [بھری دوپہری میں برف کی مانند ہے]

114 220 وَخَیْرُ جَلِیْسٍ فِی الزَّمَانِ کِتَابٌ. [زمانے میں سب سے بہترین ہم نشین کتاب ہے]

115 221 وَلٰکِنْ لَا مُشَاحَّةَ فِی الْاِصْطِلَاحِ. [لیکن اصطلاحات میں کوئی گرفت نہیں کی جاتی]

115 222 ہمت ... اعتبار تو [اپنی ہمت کو بلند رکھو کیوں کہ خدا اور مخلوق کے سامنے تیری ہمت کے بقدر تیرا اعتبار کیا جائے گا]

115 223 وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ. وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبَائِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ. وَالَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ. وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ

سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ. وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ. اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ. وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (سورۂ شوریٰ:43-36)

(ترجمہ) اور اللہ کے پاس جو ہے وہ اس سے بدرجہ بہتر اور پائدار ہے، وہ ان کے لیے ہے جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ اور کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور غصے کے وقت (بھی) معاف کر دیتے ہیں۔ اور جب ان پر ظلم (وزیادتی) ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے، اور جو معاف کر دے اور اصلاح کر لے، اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، (فی الواقع) اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر (الزام کا) کوئی راستہ نہیں۔ یہ راستہ صرف ان لوگوں پر ہے جو خود دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھریں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور جو شخص صبر کر لے اور معاف کر دے یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے (ایک کام) ہے۔

115 224 كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ. [جیسی کرنی ویسی بھرنی]

116 227 هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ. (سورۂ توبہ: 33)

(ترجمہ) اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اور تمام مذہبوں پر غالب کر دے۔

116 227 وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا. اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا. (سورۂ دہر: 8-9)

(ترجمہ) اور اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدیوں کو۔ ہم تو تمھیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکرگزاری۔

116 227 وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. (سورۂ حشر: 9)

(ترجمہ) اور خود اپنے اوپر انھیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہے۔

116 227 وَسَيُجَنَّبُهَا (النَّار) الْاَتْقَى. الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى. وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى. اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى. (سورۂ لیل: 17-20)

(ترجمہ) اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہوگا۔ جو پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے۔ کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جارہا ہو۔ بلکہ صرف اپنے پروردگار بزرگ وبلند کی رضا چاہنے کے لیے۔

116 227 وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ. (سورۂ مائدہ: 54)

(ترجمہ) اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا بھی نہ کریں گے۔

116 227 وَ يَخْشَوْنَهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ. (سورۂ احزاب: 39)

(ترجمہ) اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

فرہنگ

لفظ	معنی
اجرامِ فلکی	(جرم کی جمع) جسم، اس کا اطلاق سورج، چاند، ستاروں اور سیاروں پر ہوتا ہے۔
اجماع	اتفاق
احتمال	شک، گمان، اندیشہ
احلیٰ	نہایت شیریں
اختلاط	ربط ضبط، میل جول،
ادعائی	دعویٰ کرنا، اپنی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو واقعی نہ ہو
اِذعان	یقین کرنا
ارادت	عقیدت
اَردلی	سواری کے ساتھ رہنے والے سپاہی، حکم احکام پہنچانے کی واسطے خدمت میں حاضر رہنے والے نوکر
ارگن باجا	بینڈ باجا
اس قدر بس کرتا ہے:	معاملے کو یہیں موقوف کرنا ہے
استحسان	پسندیدگی
استحفاظ	محفوظ رکھنے کا مطالبہ کرنا
استخفاف	ہلکا سمجھنا، حقارت
استرخا	بدن کا ڈھیلا پڑ جانا
استشہاد	گواہی طلب کرنا
استعانت	مدد چاہنا
استعداد	لیاقت، طاقتِ علمی
استغنا	بے پروائی، بے نیازی

استناد سند پکڑنا
اشباع حرکت کو اس طرح کھینچنا کہ زبر سے الف، زیر سے ی، اور پیش سے واو کی آواز پیدا ہو جائے
اشکال مشکل، دشواری
اشمام سونگھنا، سنگھانا
اشہیٰ زیادہ آرزو رکھنے والا
اصول مادہ، ماخذ، قاعدہ قانون
اضطرار بے اختیاری، بے قراری
اطعمہ (طعام کی جمع) کھانا
اعاجم (اعجم کی جمع) جو لوگ فصیح بات نہ کر سکیں، مراد غیر اہلِ زبان
اعاظم (اعظم کی جمع) بہت بڑے لوگ
اعانت مدد دینا
اعتداد شمار، گنتی
اعوان (عون کی جمع) مددگار
افتراق جدائی
افسردہ خاطر رنجیدہ خاطر، غم رسیدہ
اقتضا خواہش کرنا
اقران و امثال (قرین کی جمع) پاس کے لوگ، (مثل کی جمع) ہم رتبہ، برابر والے: مراد ہے ہم مرتبہ رشتے دار اور دوست

اکتساب کام اختیار کرنا، کمانا
اکناف اطراف
الف ہونا چراغ پا ہونا، برہنہ ہونا
اللہ آمین کا بیٹا: بہت نازوں سے پالا ہوا بیٹا، بہت ہی عزیز اور پیار سے بچے کی نسبت کہتے ہیں
امرِ تقدیری: وہ بات جس میں تدبیر کو دخل نہ ہو اور ہو کر رہے
امرِ جبلی قدرتی معاملہ، فطری امر
انتقال ذہنی: ذہن کے کسی خیال کی طرف منتقل ہونے کی صلاحیت
اندوختہ جمع کیا ہوا روپیہ پیسہ
انس پذیر میل جول رکھنے والا
انسداد بند کرنا، روک تھام کرنا
انصار (ناصر کی جمع) مددگار
انضباط پابندی، کاموں کے اوقات کی تعیین
انفاذ جاری کرنا، بھیجنا
انکسار عاجزی
ایرا غیرا بے قدر چیز
ایصالِ نفع فائدہ پہنچانا
ابدال شریف و کریم
امارت امیری
اکارت ضائع، بے کار، بے فائدہ

اُچکاتی ہے ابھارتی ہے، برانگیختہ کرتی ہے
آخور کی بھرتی مال رڈی
آویزے شکن
بالاستیعاب کل، تمام
بالاصالت: اپنی اصل اور فطرت کے اعتبار سے
بالالتزام لازمی طور سے
بالتبع پیروی میں، بعد میں
بدوضعی بداطواری
بدیہی بالکل واضح، وہ بات جس کی دلیل کی ضرورت نہ ہو
بریز بریز شاباش، مرحبا کے معنوں میں
بزرگ داشت خاطرداری، خدمت گزاری
بساہند مچھلی اور گوشت کی بو، بدبو، بدذائقہ
بسطِ رزق رزق کی کشادگی
بندوبست سرسری: ایک قسم کا چندروزہ بندوبست
بہ تفاریق (تفریق کی جمع) مختلف اوقات میں
بہ طورِ کُلنگ پیش رو نوکرانِ کورنمک: کُلنگ ایک آبی پرندے کا نام، کنایتاً لمبی ٹانگوں والا آدمی۔ یہاں مراد ہے نمک حرام نوکروں کے بڑے سردار اور پیروکار کے طور پر
بہ طوعِ خاطر دل کی پیروی میں، یعنی

خودبخود
بہ مدارج کئی درجے
بہ مرورِ وقت وقت گزرنے کے ساتھ
بہ وسائط واسطے سے، وسیلے سے
بہنگی بانس کی موٹی لکڑی جس کے دونوں طرف رسی باندھ کر بوجھ اٹھاتے ہیں۔
بھاٹ خوشامدی، ہر کس و ناکس کی جھوٹی تعریف کرنے والا
بھچنا سمٹنا، شرمانا
بے اعتنائی بے پروائی
بے توقیری بے وقعتی
بدون بغیر، بجز
بھنک دھیمی دھیمی آواز
بیخ کنی جڑ کھود ڈالنا، نیست و نابود کرنا
بَل پڑنا فرق پڑنا، کمی رہنا
پس انداز بچت کرنا، جمع کرنا
پشتارہ پیٹھ کا بوجھ، انبار، بوجھا
پندار غرور، خیال
پنساری دوائیں بیچنے والا، عطار
پونڈ پاؤنڈ، ولایت کا ایک سکہ
پیش بینی آئندہ کے واقعات کو پہلے سے دیکھ لینا، مراد دور اندیشی

پدڑی بہت کمزور اور ناچیز

تبرید ٹھنڈا شربت یا دوا

تحلیل گھل جانا، کمزور ہو جانا

تحمیق بے وقوف بنانا

تخالف متضاد، مخالفت

تخصیص خاص کرنا، خصوصیت

تخفیف کمی کرنا، گھٹانا

تدقیق باریک بات نکالنا، غور وفکر

تسوید لکھنا

تعزز غلبہ، فخر، عزت افزائی

تفضیح رسوائی کرنا، فضیحت کرنا

تلافی نقصان کا عوض

تمتعات (تمتع کی جمع) فائدے

تموج لہریں اٹھنا، موجیں مارنا

تمول دولت مندی

تنقیح کسی چیز کو زوائد اور عیوب سے پاک کرنا، خالص کرنا، تفتیش کرنا

توأم جڑواں

توزک واحتشام شان وشوکت

توزین اوزانِ شعر پر پرکھنا

توقف مراسلت: خط لکھنے میں تاخیر

تشنج اکڑ جانا، اینٹھن

ٹنڈیاں آدمی کے دونوں بازو

ٹینٹ آنکھ کا وہ ابھرا ہوا دانہ جو کریل کے پھل کے برابر ہوتا ہے

جلب منفعت فائدہ حاصل کرنا

جھکڑ تیز ہوا جس سے غبار اڑے، مراد جنون، جوش

چھکڑوں چھکڑا: اس بڑی گاڑی کو کہتے ہیں جس میں اسباب لادتے ہوں، مراد ہے بہت زیادہ

حاذ کھٹا، تیز مزاج

حرمان مایوسی، ناامیدی

حسبۃً للہ خدا کی رضامندی کی خاطر

حکاک حرف کھودنے والا، نگینہ ساز

حوائج (حاجت کی جمع) ضرورت

حَسب ماں کی طرف کا سلسلۂ خاندان

حُمق نادانی، بے وقوفی

خانہ کسی چیز کے رکھنے کا ڈبہ

خدعِ نفس نفس کا دھوکا

خدیعت دھوکا دینا

خس سوکھی گھاس

خشکہ اُبالے ہوئے چاول

خفیف ہلکا، بے حقیقت، کم ظرف

خودرائی سرکشی، غرور

خویشتن ستائی اپنی تعریف خود کرنے کی عادت

خویش — اپنا، رشتہ دار
خست — کمینگی، کنجوسی
خلقی — پیدائشی
خزف — مٹی کا توا، ٹھیکری
خلخلے — ڈھیلے ڈھالے
داعی — سبب، وسیلہ، بلانے والا
دافع — دور کرنے والا
دائم الحبس — عمر بھر کا قیدی
دبدھے — پس وپیش، تذبذب
درک — واقفیت، عقل، سمجھ
دریغ — انکار، تامّل
دست گاہ — مہارت، قدرت
دفع العین — بے توجہی، بے اعتنائی
دفعیہ — علاج، تدبیر، برائی روکنے کے وسائل
دفع مضرت — نقصان سے محفوظ رہنا
دل برداشتگی — بیزاری
دل کھٹا ہونا — حوصلہ پست ہونا
دوا دوش — دوڑ دھوپ
دھوکے کی ٹٹی: یہ محاورہ شکاریوں سے لیا گیا ہے جو ٹٹی کی آڑ میں گھات لگاتے ہیں (آصفیہ) وہ ٹٹی جس کی اوٹ میں شکار کھیلتے ہیں، کنایتاً فریب

میں لانے والی چیز (نور)
دیدہ ہوائی رہنا — ادھر ادھر تماشا دیکھنے پھرنے کا شوق ہونا
دِرَنگ — تاخیر، توقف
دَہن — منہ
ڈاک — سفر کے لیے سواری، گھوڑے یا پالکی وغیرہ کا سلسلہ وار انتظام
ڈونگی — ایک قسم کی چھوٹی ناؤ جو بڑی کشتی یا جہاز کے ساتھ بندھی رہتی ہے
ڈوئی — لکڑی کی کفگیر
ذائقہ — چکھنے کی قوت
راس المال — سرمایۂ تجارت، اصل پونجی
رجعتِ قہقری — الٹے قدموں پھرنا
روائت — فاسد، خراب
رسالے — آٹھ سو یا ہزار سواروں کا دستہ، مراد سواروں کا دستہ
رفع — دور کرنا
رکاب دار — اعلیٰ درجے کا کھانا پکانے والا باورچی
رودررو — آمنے سامنے، روبرو
رونگھن — کسی چیز کی وہ مقدار جو اس کے خریدنے کے بعد بلا قیمت اوپر سے لے لی جائے
رویت — دیکھنا، دیدار

روئڑ استعمال شدہ روئی کا ٹکڑا
ریش وبُروت ڈاڑھی مونچھ
رہا آزاد
رَشحہ پانی جو کسی جگہ سے ٹپکے: نور
زحافات (زحاف کی جمع) وہ تبدیلی جو اصول میں کی گئی ہو خواہ کمی سے یا زیادتی سے [عروض]
زمام باگ، نکیل
زمینِ شور ناقابلِ زراعت زمین
زن وشو بیوی اور شوہر
زبوں خراب
سررشتہ دار میر منشی، دفتر کا سپرنٹنڈنٹ
سرزنش ملامت، یہاں مجازی معنی مراد ہیں یعنی کوشش کرنا
سرشتہ محکمہ، صحیح سررشتہ ہے (نور)
سررو وہ رگ جس کے فصد لینے سے سر اور چہرہ کا خون آتا ہے
سقامت بیماری
سکنات (سکتہ کی جمع) شعر کے وزن میں کسی حرف پر ذرا توقف کرنا پڑے تو اسے سکتہ کہتے ہیں [عروض]
سودے سُلف کھانے پینے کی چیز جو بازار سے خریدی جائے
سرشت طبیعت، مزاج
سَلبِ عفونت بدبو کو معدوم کرنا
سَلونا نمکین
سَیلانی جیوڑے "جیوڑا" جی کے معنی میں آتا ہے، اور "سیلانی" مَوجی، لہری کے معنی میں؛ سیلانی جیوڑا: وہ شخص جو ایک جگہ نہ ٹکے اور سیر وتماشا میں مصروف رہے۔
سُترگ ('بزرگ' کے وزن پر) عظیم
سُرین چوتڑ
شارع شریعت بنانے والا، مراد پیغمبر
شافی تسلی بخش
شاقہ سخت، دشوار
شاگرد پیشہ نوکر چاکر، خدمت گار
شامّہ سونگھنے کی قوت
شتابی جلدی، تیزی
شوخ چشمی بے باکی، گستاخی
شیوع رواج
شِلنگ چاندی کا انگریزی سکہ، پونڈ کا بیسواں حصہ
صمیمِ قلب دل کی سچائی، خلوصِ دل
صیقل کرنا زنگ دور کرنا، صاف کرنا
ضعفِ قویٰ طاقت کی کمی یا کمزوری

ضغطہ جھٹکا، کش مکش، سختی

ضیق تنگی

طلائی سونے کا

طنبورچی طنبور بجانے والا، اور طنبور ایک قسم کا باجا ہوتا ہے جس میں ستار کی طرح ایک تار لگا ہوتا ہے

طوعاً کرہاً چاروناچار، جبراً

طول لمبائی

عجز والحاح عاجزی، التجا اور خوشامد

عجلت جلدی، تیزی

عروق (عرق کی جمع) بدن کی رگیں

عریضہ عرضی، وہ خط جو چھوٹے کی طرف سے بڑے کو لکھا جائے

عسر تنگی

عطائی بے استادا، وہ شخص جس نے کسی استاد کے بغیر، اپنے شوق سے کوئی کام حاصل کیا ہو، جس نے کسی غیر پیشہ کو شوقیہ سیکھا ہو

عفونت بدبو، سڑاند

عمائد الہند ہندوستان کے سردار، ہندوستان کے معزز لوگ

عدول پھر جانا، پلٹ جانا

غائر گہرا وسیع

غلیظ پن گندا، غلیظ

غوث وابدال تصوف کے اعلیٰ درجات اور مقامات

فروع (فرع کی جمع) شاخیں، مذہبی اصطلاح میں وہ مسائل جو عمل سے متعلق ہوں

فروکش ہونا ٹھہرنا، قیام کرنا

فسخ منسوخ کرنا، ارادہ بدل دینا

فی نفسہٖ اپنی ذات سے

فتور کمزوری، خرابی

قاطع کاٹنے والا

قمار جوا

قوتِ آخذہ حاصل کرنے اور سمجھنے کی قوت

قوتِ لامسہ چھونے کی قوت

قیافہ اندازہ، عقل، چہرہ

قوام نظام

کرانی وہ شخص جو عیسائی ہو گیا ہو، مراد انگریزی دفتر کا کلرک

کلاونت گویا، جس کا خاندانی پیشہ گانے کا ہو

کنارِ مادر ماں کی گود

کورنمک وہ شخص جو نمک کا پاس نہ رکھے، نمک حرام

کورنش جھک کر سلام کرنا

کوکنا — گھڑی، گھنٹے یا باجے میں کنجی دینا
کھب جانا — پسند آنا، نظر میں جم جانا
کل — مشین
گاؤخورد ہونا — برباد ہونا، گیا گزرا ہونا
گاؤزوریاں کرنا — طاقت دکھانا، بیل کا سا زور دکھانا
گراں بہا — بیش قیمت
گرویدگی — رغبت، فریفتگی
گزند — تکلیف
گنجینہ — خزانہ، دفینہ
لاجرم — بے شک، یقیناً
لایعقل — بے عقل، نادان
لؤ کا لگنا — آگ لگنا، غارت ہونا
لہو ولعب — کھیل کود، سیر تماشا
لِم — اصلیت، سبب
لبِ لباب — خلاصے کا خلاصہ
مالہٗ وماعلیہ — معاملے کے تمام پہلو، نفع ونقصان
مالیخولیا — خیالِ خام، جنون
مامن — جائے امن، ٹھکانا
ماند وبود — رہن سہن
ماوشما — ہم تم
ماویٰ — جائے پناہ، ٹھکانا
مبتدی — نوآموز، ابتدا کرنے والا

مبدءِ فیاض — جوئے پُرآب کا سرچشمہ، مجازی معنی خدائے تعالیٰ
مبسوط — پھیلا ہوا، وسیع
مبہوت — حیران، بھوچکا
متبادر — ذہن میں جلد آجانے والا
متبنّیٰ — گود لیا ہوا، لے پالک
متجاوز — اپنی حد سے گزر جانے والا
متعذر — دشوار، مشکل
متفاوت — جدا، مختلف
متقاضی — تقاضا کرنے والا
متکفّل — کفیل، ذمہ دار، ضامن
متمتع — فائدہ اٹھانے والا
متوارث — موروثی
محقر — ذلیل، کم قیمت، بے قدر
محصل — حاصل کرنے والا
محصور — گھرا ہوا، بند
مخارج — (مخرج کی جمع) نکلنے کی جگہ)
مخاصمانہ — دشمنی سے
مخاصمت — دشمنی، عداوت
مدارات — خاطرداری، تواضع
مذکوری — سمن وغیرہ کی تعمیل کرنے والا عدالت کا سپاہی
مراجعت — واپسی، لوٹنا

مرتفع　بلند
مساعدت　مدد کرنا
مستحفظ　یادداشت میں ہونا
مستعجل　جلد بازی کرنے والا
مستغنی　بے نیاز، آسودہ حال
مستفسر　پوچھنے والا
مستقر　ٹھہرنے کی جگہ، راجدھانی
مس　تانبا
مشتعل کرنا　بھڑکانا، شوق دلانا
مشوش　پریشان، مضطرب
مشیخت　شیخی، غرور
مصاحب　رفیق، خاص دوست
مصارف　اخراجات
مصالحہ　صلح باہمی
مصمم　پکا، مضبوط
مضافات　قرب و جوار، اطراف و جوانب
معارضہ　جھگڑا
معتدبہ　معقول
معترضانہ　اعتراض کرنے کے انداز سے
معتمد　قابلِ اعتبار، سکریٹری
معجب　مغرور، گھمنڈی
معصیت　گناہ
معموری　لبریز ہونا

مغلق　مشکل، دوراز فہم
مفارقت　جدائی، علاحدگی
مَفسَدہ　بلوہ، فساد
مفصلات　مضافات، قصبات، دیہات
مقارن　نزدیک، درمیان
مقتدر　برسراقتدار، صاحبِ قدرت
مقصور　محدود، کم کیا گیا
ملتفت　متوجہ
ملفوف　لفافے میں بند کیا ہوا
ملمع　سونا چاندی چڑھانا، چمکوانا کنایتاً ظاہری ٹیپ ٹاپ کرنا
منضبط　منظم، پیوستہ
منفعت　نفع، فائدہ
منقبض　ناراض، ناخوش
منکشف　کھلا ہوا
منہ کیلا جانا　جادو سے منہ بند کیا جانا
موجب　سبب، وجہ
موقوفی　برطرفی، برخاستگی
موہوم　قیاسی، فرضی
مَثوبات　(مثوبت کی جمع) عبادت کا بدلہ جو آخرت میں ملتا ہے ثواب
مَزِیَّت　فضیلت کی زیادتی
مَنوِی　وہ چیز جو ارادے میں ہو

مُغلی	ایک مرض کا نام جو اکثر بچوں کو ہوتا اور اس سے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو کر غش آجاتا ہے۔ ایک قسم کی مرگی
ناخنہ	سفیدی مائل گوشت جو ناخن کے مشابہ آنکھ کے کونے میں نمودار ہو جاتا ہے، مراد ایک خاص قسم کی آنکھوں کی بیماری
ناطقہ	بات چیت کا ملکہ
نالش کرنا	فریاد کرنا، شکایت کرنا
نانِ شبینہ	رات کے کھانے کی روٹی
نرخ	قیمت
نعی	موت کی خبر
نفوسِ قدسی	پاک روحیں، بزرگانِ دین
نوم	نیند، خواب
نسیہ	ادھار، قرض
نَسب	باپ کی طرف سے نسبت
نُچّا	زور سے نوچنا کھسوٹنا، ناخن سے نوچنے کا نشان
واقعاتِ نفس الامری	حالاتِ واقعی
وجد	بے خود ہو کر جھومنے لگنا
وضع	روش، رنگ ڈھنگ
وعید	سزا دینے کا وعدہ
وقر	وقر و متانت عزت و توقیر، قدر و منزلت
ہرب	غم کی شدت، بھاگنا
ہم دوش	ساتھی، برابر کا
ہیچ کارہ	نالائق، ناکارہ
ہیزم	جلانے کی لکڑی، ایندھن
ہُڑدنگیاں	(ہُڑدنگی کی جمع) بیہودہ، آوارہ
یُسر	مالداری، فراغت
یوماً فیوماً	روز بروز

اشاریہ

مکتوبات کو ادب پارہ بنانے کا آغاز غالب نے کیا اور اس نے حال و مستقبل کی پیشانی پر لکھی ہوئی یہ تحریر پڑھ لی کہ مبالغہ، ابتذال اور خوشامدانہ اسلوب سے نجات حاصل کیے بغیر زبان و ادب کی ترقی ممکن نہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کے خطوط کا یہ مجموعہ اسلوب خطوط غالب کی توسیعی شکل ہے جسے ثوبان سعید نے ترتیب دیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد ایک عالم، مصنف، مترجم اور ناول نگار کی حیثیت سے تاریخ ادب کا حصہ ہیں۔ دہلی کی زبان اور محاوروں پر گرفت کی وجہ سے وہ اردو زبان کے معیار ساز مانے جاتے ہیں۔ ملازمت کی غرض سے قیام آعظم گڑھ اور حیدرآباد کے دوران انھوں نے اپنے اکلوتے بیٹے مولوی بشیر الدین احمد کو تعلیم و تربیت دینے اور زندگی کے نشیب و فراز سے واقف کرانے کی غرض سے خطوط لکھے تھے جسے مولوی عبد الغفور شہباز نے ترتیب دے کر موعظۂ حسنہ کے نام سے 1887 میں شائع کر دیا تھا۔ اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ زیر نظر مجموعہ انھیں خطوط کا تدوین شدہ ایڈیشن ہے۔

زیر نظر مجموعۂ خطوط میں مرتب ثوبان سعید نے 1887 تا حال شائع شدہ نسخوں کو سامنے رکھ کر اسے اغلاط عام سے پاک کرنے کی کامیاب سعی کی ہے اور علامات و رموز اوقاف کا استعمال کر کے اسے آسان بنا دیا ہے۔

ISBN: 978-93-5160-087-9

₹ 185/-

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025